ایمان کا سبق



حامد کمال الدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ

ایمان کا سبق

ایمان کا سبق

حامد کمال الدین

مطبـــــوعات ایقـــــاظ

طبع اول: رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ، ستمبر ۲۰۰۸ء

عنوان: ایمان کا سبق

مؤلف: حامد کمال الدین

mudeereeqaz@gmail.com

ناشر: مطبوعات ایقاظ

قیمت: Rs.200

برائے رابطہ ووی پی:

مطبوعاتِ ایقاظ

336 D سبزہ زار، لاہور

Ph: 042-7530541 / 0323-4031634

www.eeqaz.com

عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ، قال: قال رسول الله ﷺ:

" إِنَّ الإِيْـمَـانَ لَيَـخْـلَـقُ فِيْ جَوْفِ أَحَدِكم كما يَخْلَقُ الثَّوبُ، فَاسْأَلُوا اللّٰه أن يُجَدّدَ الإيمانَ فِى قُلُوْبِكُم"

(السلسلۃ الصحیحۃ رقم:۱۵۸۵، ج۴ص۱۵۹)

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے، کہا:

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

''بے شک ایمان تم میں سے کسی شخص کے سینے میں اسی طرح بوسیدہ ہو جاتا ہے، جس طرح (پرانا) کپڑا بوسیدہ ہو جاتا ہے، پس تم اللہ سے سوال کیا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کی تجدید کر دے''

فہرست

رقائق

رغائب

مقدمہ

ایمان کا سبق

ایمان پر محنت کے متعدد محور ہیں اوران گنت میدان۔علم،عبادت،احسان، جہاد،اخلاق،معاملات سب اس میں آتے ہیں۔آپ چاہیں تو اس کے لئے امام بخاریؒ کی صحیح میں کتابُ الایمان کے تراجمِ ابواب ہی ایک نظر دیکھ لیں کہ 'ایمان' کس قدر عظیم اور وسیع مضمون ہے......

البتہ ایمان کی دنیا میں داخلہ کے کچھ ابتدائی راستے ہیں۔آگے بڑھنے والے بے شک اپنی اپنی ہمت کے بقدر اونچی چوٹیاں سر کریں گے،مگر کچھ ابتدائی مقدمات ہر کسی کی ضرورت ہیں۔ایمان کے عقلی مقدمات ابھی پھر کچھ سننے اور پڑھنے کو ملتے ہیں، گواُن پر کام ہوتا رہنے کی ضرورت برقرار ہے،مگر ایمان کے قلبی مقدمات اس کی نسبت کمیاب ہیں۔زیرنظر کتاب،جیسی بھی ایک کوشش ہے،اس ضرورت کے بعض جوانب کو ہی مدنظر رکھ کر ترتیب دی گئی ہے۔

'ایمان' کیونکہ موضوع ہی قلب اور نظر کو شاداب کرنے والا ہے،لہٰذا کوئی کام کی بات اگر اس کتاب میں پائی گئی تو وہ اِس موضوع کی اپنی ہی طبیعت کا اثر ہوگا، نیز یہ کہ یہ ایسا موضوع ہے کہ جس پر ہم سلف سے خوشہ چینی کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتے!

البتہ ایمان اور احسان کے ان مقدمات کو سامنے لانے سے، ہمارے پیش نظر درحقیقت یہ بھی ہے کہ منہج اہلسنت کی اس جامعیت کو سامنے لایا جائے جو متعدد عوامل کے

زیر اثر ہمارے یہاں جیسے روپوش ہی ہو کر رہ گئی ہے، حتیٰ کہ اپنے بہت سے حلقوں کے اندر اس کی طلب اور تلاش بھی اب بڑی حد تک ناپید نظر آتی ہے۔

☆☆☆☆☆

ایمان کا یہ لمس محض ایک مبتدی کی ضرورت نہیں جو کہ ایک نئی زندگی پانے کا حاجت مند ہوتا ہے، بلکہ 'زندگی' چونکہ ایک مسلسل عمل ہے، لہٰذا اس کی پیہم تجدید بھی لازم رہتی ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ 'زندگی' اصل میں تو 'زندوں' کی ضرورت ہے!

ایمان پالینے کے بعد ایمان کو تازہ کرتے رہنا پس ہمیں سلف کی اولین ترجیحات میں شامل نظر آتا ہے، یہاں تک کہ اسی ایک مقصد کیلئے بکثرت نشستیں کی جانا ہمیں دور صحابہ وتابعین کا ایک عام معمول نظر آتا ہے، جنہیں وہ مجالسِ ذکر کہا کرتے تھے، اور جن میں آج کل کے بدعت طریقوں کے برعکس، مسنون انداز میں حقائقِ ایمان کا دور چلتا تھا اور خدا کی صفات اور اُس کی طلب اور اخلاصِ قصد پر مشتمل قرآنی ونبوی مباحث چھیڑے جاتے اور آخرت کے تذکرے ہوتے.. جو قلوب کے اندر خدا کی توحید اور محبت کا ایک سیلاب لے آتے؛ جس سے قلوب میں خدا کی تسبیح وتنزیہ، حمد و تعریف، ذکر وشکر اور حسنِ عبادت کی کیفیات موجزن ہو جاتیں، خشیت اور انابت کی ایک فضا قائم ہوتی، عبادت کے اندر ایک دلجمعی آتی اور یقین میں ایک وثوق.. اور ہمتوں کو ایک نئی مہمیز ملتی۔

کتنے ہی صحابہؓ ہیں جو اپنے اصحاب کو بلاتے ہیں: **اجْلِسْ بِنَا نُؤْمِن ساعةً** (۱)
'آؤ بیٹھ کر کوئی گھڑی ایمان تازہ کریں'!

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الإیمان وقول النبی ﷺ: بنی الإسلام علی خمس میں اوپر متن میں مذکور معاذ بن جبلؓ کا یہ قول آتا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں (رقم: ۳۱۰۰۰) حضرت معاذؓ کا قول آتا ہے: بیٹھو، کوئی گھڑی ایمان تازہ کریں، اللہ کو یاد کریں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

'قرآن سے پہلے ایمان' سیکھنے کا منہج[۱] سلف کے ہاں باقاعدہ نصوص سے ثابت ہے۔

جہاں یہ کوشش اور محنت کا میدان ہے، وہیں یہ دعا یعنی خدا سے مانگنے کی ایک خاص چیز:

عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ، قال: قال رسول الله ﷺ:

"إن الإيمان لَيَخْلَقُ في جوفِ أحَدِكم كما يخلَقُ الثَّوبُ، فاسألوا الله أن يجدّدَ الإيمانَ في قلوبِكم"[۲]

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

"بے شک ایمان تم میں سے کسی شخص کے سینے میں اسی طرح بوسیدہ ہو جاتا ہے، جس طرح (پرانا) کپڑا بوسیدہ ہو جاتا ہے، پس تم اللہ سے سوال کیا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کی تجدید کردے"

☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ)

ابن ابی شیبہ (رقم: ۳۱۰۶۵) میں آتا ہے: عبداللہ بن رواحہ اپنے ساتھیوں کا ہاتھ پکڑ کر کہتے: آؤ، کوئی گھڑی ایمان تازہ کریں، آؤ اللہ کو یاد کریں اور ایمان میں اضافہ کریں، آؤ اللہ کو یاد کریں اُس کی اطاعت کے سلسلہ میں، شاید کہ وہ ہمیں یاد کرے اپنی مغفرت کے سلسلہ میں۔

بیہقی، **شعب الایمان** میں (روایت نمبر ۵۰، ج ا ص ۷۵) اثر لاتے ہیں: عبداللہ بن رواحہؓ نے اپنے کسی ساتھی سے کہا کہ 'آؤ، کوئی گھڑی ایمان میں جائیں'۔ اس نے پوچھا: کیا ہم ایمان میں نہیں؟ کہا: 'کیوں نہیں، مگر آؤ اللہ کو یاد کریں اور ایمان بڑھائیں'۔

(۱) صحابیِ رسولؐ، جندبؓ بن عبداللہ کا قول: **فتعلمنا الإيمان قبل أن نتعلم القرآن، فازددنا به إيمانا** 'تو ہم نے ایمان سیکھا، پھر قرآن سیکھا تو اس سے ہم ایمان میں اور بھی بڑھے' (سنن ابن ماجۃ، البانی نے صحیح کہا ہے۔ دیکھئے: **صحیح ابن ماجة**، روایت تحقیق نمبر ۶۰، ج ا ص ۱۶)

'قرآن سے پہلے ایمان کا سبق لینا' کے عنوان سے، ملاحظہ فرمایئے ہمارا ایقاظ، جولائی ۲۰۰۳ء کا اداریہ

(۲) **مستدرک حاکم، ومعجم کبیر للطبرانی**.. ذہبی اور البانی نے اسے صحیح کہا ہے (السلسلة الصحيحة رقم: ۱۵۸۵، ج ۴ ص ۱۵۹)

انسان کا 'اللہ کی طرف چلنا' کیا ہے؟ یہ کہ ایک ایسے نفس کو خیر باد کہہ کر جو تزکیہ سے محروم ہے، ایک ایسے نفس تک پہنچا جائے جو تزکیہ پا گیا ہو۔ ایک ایسی عقل سے نجات پا کر جو اللہ کی شریعت سے بیگانہ ہے، ایک ایسی عقل پائی جائے جو اللہ کی شریعت اور اُس کی بندگی سے آشنا ہے۔ ایک ایسے دل سے جان چھڑا کر جو کفر سے بھرا ہے اور جو خدا کو جان کر یا مان کر نہیں دیتا، یا جو خدا کی طلب کرنے سے ہی ناواقف ہے، یا جو مالک کا در چھوڑ کر کہیں اور کی خاک چھانتا ہے، یا جو نفاق کا مخزن بنا ہوا ہے، یا جو قسما قسم بیماریوں کی آماجگاہ ہے، یا ویسے ہی نرا پتھر ہے.. اس کو ایمان کی آنچ سے پگھلا کر قلبِ سلیم میں ڈھالنے کی کوشش اور محنت ہو، تا آنکہ یہ خدا کے ساتھ ہی اطمینان پائے اور اسی کی طلب میں اپنی جان کی آسودگی۔ ایک ایسی وحشت زدہ روح سے دستبردار ہو کر جو خدا کے در سے بھاگی ہوئی ہے، اور جو خدا کی بندگی کرنا بھولی ہوئی ہے، اور جو بندگی کی حقیقت سے ہی سراسر کوری ہے.. ایک ایسی روح پائی جائے جو خدا کی عارف ہے اور اُس کی بندگی کے حقوق ادا کرنے پر مستعد۔ ایک ایسے تن کو ترک کر کے جو ضوابط شریعت کی لڑی میں نہیں پرویا گیا اور ایک ایسی زندگی سے نکل کر جس کو اطاعتِ خداوندی کی نکیل نہیں ڈال رکھی گئی، ایک ایسی صورت پر دلجمعی پانا جس میں تن من دھن خدا کا ہو گیا ہو اور آدمی کا جینا اور مرنا اور اس کی سب حرکات وسکنات اور اس کے جملہ معاملات وتعلقات خدا کے حکم اور شریعت کی پابندی قبول کر چکے ہوں۔ پس یہ ایک ایسا سفر ہے جس میں انسان کی منزل خدا ہو اور راہ برمحمد ﷺ !!![۱]

غرض یہ انسان کا ایک 'حالتِ نقص' سے 'حالتِ کمال' کی جانب سفر کرنا ہے اور خدا کی چاہت اور خوف کے زیرِ تحریک راستے کی سب صعوبتوں کو پار کر جانا...... یا کم از کم اس کی کوشش کرنا؛ یوں مٹی اور کیچڑ کی بنی ہوئی ایک مخلوق اپنا ذوق اور ہمت بتا کر، کہ وہ خدا سے کم کسی مطلوب پر قناعت نہ کرے گی، سب خلائق کو حیران کر دیتی ہے اور اسفلِ

(۱) استفادہ از 'تربیتنا الروحیۃ' مؤلفہ سعید حوی ص ۲۷

سافلین سے بلند ہو کر الملأ الاعلیٰ کے اندر، اور عرش پر، خدا کے ہاں اپنا تذکرہ کروانے لگتی ہے۔ تب وہ خدا کی مجاورت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جا بسنے کا حق پاتی ہے!

خدا کی یہ مجاورت، جو خلد کے جہان میں جا کر ملتی ہے، کیونکہ یہ ہے ہی خلد میں پانے کی چیز، یہ خدا کی طلب کا ہی انعام ہے۔ خدا کا بکثرت دیدار ہونا اور، حسبِ مراتب، اُس کے ہاں شرفِ باریابی ملتا رہنا اور تا ابد اس سلسلہ کا قائم رہنا اِس انعام میں خود بخود شامل ہے۔ خدا کے ہاں قبول ہو کر وہاں جا پہنچنے والے خوش بخت، خدا کے پاس جس جگہ قیام کریں گے اور پھر وہاں سے کبھی بے دخل نہ ہوں گے، اُس جگہ کا نام قرآن کی زبان میں 'جنت' یا 'جنت الفردوس' ہے...... جس کو پانا سلف کے ہاں خدا کو پانے کا ہی ایک سیدھا سادا عنوان ہے، اور اِس پر پیچیدگیوں میں پڑنا خوامخواہ کا ایک تکلف اور بسا اوقات تو دل کا ٹیڑھ پن اور خدا کے ہی بیان سے اعراض!!! کیونکہ ہم دیکھتے ہیں اُس کی کتاب اِسی دل نشیں بیان سے اول تا آخر لبریز ہے اور اِس حقیقت پر نہایت صریح: کہ حجاب اٹھنے کا یہ واقعۂ عظیم باشندگانِ جنت ہی کے حق میں رونما ہوگا اور یہ کہ جو لوگ خدا کو اپنے روبرو پانے سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم رہیں گے وہ دوزخی ہیں جنہیں خدا کی رحمت کے اُس مستقر میں پیر رکھنا رہتی دنیا تک نصیب نہ ہوگا!!! پس جنت جا پہنچنے کی طلب خدا کی طلب کا ہی ایک اسلوب ہے اور خدا کی پیاس بتانے کا ہی ایک پیرایہ! قرآن خدا کی اس ضیافت گاہ کو اسی روپ میں پیش کرتا ہے۔ اس میں اگر بے حد وحساب ٹھاٹھ ہیں تو وہ بھی خدا کے اپنے ہی کلام میں ذکر ہوئے ہیں! یوں بھی جس کو بادشاہ کے پاس ٹھہرایا جانا ہو، اس کی تواضع کچھ اس کی اپنی اوقات کو دیکھ کر نہیں، بادشاہ کی شان اور آئینِ دربار کے مطابق ہوا کرتی ہے......! پس وہاں اگر کچھ ناقابل تصور عیش وآرام اور لطف وسرود کا بھی ذکر کر دیا گیا، علاوہ اُس 'لذتِ اعلیٰ' کے جو اِس ساری ضیافت کا اصل عنوان ہے، تو اس پر یقین نہ آنے کی کوئی بھی بات نہیں!

☆☆☆☆☆

خدا کی جانب بڑھنے کا یہ سفر جو ہزار ہا صحراؤں اور کٹھن وادیوں سے گزرتا ہے، اور کسی وقت تو جان لیوا لگتا ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانے کی واحد صورت یہ ہے کہ اس سفر کی حقیقت اور غایت کو ہی اِس 'راہ گیر' کے سامنے بار بار لا رکھا جائے اور اِس کی نظر کسی وقت اُس سے پرے ہونے ہی نہ دی جائے۔ جس قدر اِس کی نظر منزل پہ جمی رہے گی اُتنا ہی اِس کی نظر راستے کی گھاٹیوں اور فتنوں میں اٹک جانے اور ان کو ناقابل عبور جاننے سے اِبا کرے گی۔ جس قدر اِس کی وہ غایت اِس کی آنکھوں کے آگے دھندلی ہونے لگے گی اُتنے ہی اِس کو اپنے سامنے 'پہاڑ' نظر آئیں گے اور اُسی قدر اِس کو راستے کی چڑھائی دشوار دِکھنے لگے گی، بلکہ تو بعید نہیں اِس کا رخ ہی کسی ایسی اترائی کی جانب ہو جائے جو اِس کو تباہی کے کسی گڑھے پر جا پہنچائے۔

پس انسان کی اس اصل 'غایت' اور 'منزل مراد' کا بیان، اس کی اہمیت کا مسلسل تذکرہ، اور راستہ چھوڑ بیٹھنے کی سنگینی کا ذکر ہی 'ایمان کا وہ سبق' ہے جسے خدا کے ابدی کلام اور اس کے رسولؐ کی سچی زبان سے لینا ہماری ہمہ وقتی ضرورت ہے اور پھر ان اسباق کو ہمیں سمجھنا ہے تو ائمۂ سنت سے۔ پس یہ کتاب بلکہ یہ سلسلۂ کتب 'نفوس کے تزکیہ' پر سنت اور سلف کا یہی منہج سامنے لانے کی ایک کوشش ہے۔ توفیق اور قبولیت کے لئے ہم سب خدا کے در کے محتاج ہیں۔

☆☆☆☆☆

قلوب کی اصل غذا کیا ہے، اور ان کو لاحق روگوں کی شفا کہاں ہے، 'وحی' پر اعتماد کی ضرورت کا کچھ بیان کتاب کی ایک فصل میں آگے چل کر آئے گا، کیونکہ اہلسنت کا یہ ایک نہایت بنیادی تنازعہ ہے جو دین کے ہر باب اور ہر شعبے میں کسی نہ کسی فرقے کے ساتھ کھڑا ہوا رہتا ہے۔ بلاشبہ شفائے قلوب اور تزکیۂ نفوس کا شعبہ بھی 'مصادر' اور 'مراجع' کی اس بحث سے نہیں بچا، بلکہ قلوب کا معاملہ چونکہ سب سے نازک ہے، لہٰذا یہاں پر بدعات اور محدثاتِ امور سب سے بڑھ کر جان لیوا رہے ہیں۔

دورِ سلف (صحابہ، تابعین، تبع تابعین) کے بعد ظاہر ہونے والے سلسلے اور طریقے امت کی دنیا اور آخرت دونوں کا ستیاناس کر گئے۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے 'وحدۃ الوجود' اور 'حلول' ایسی ملحدانہ گمراہیوں تک نوبت پہنچی، اور خدا کو پانے کی یہی صورتیں درست باور ہونے لگیں! بلکہ کثیر لوگوں کے ہاں تو خدا کو پانے کی صورتیں ہی یہ رہ گئی تھیں! مگر یہ اس المیہ کا محض ایک پہلو تھا...... وہ لوگ جو سنت اور سلف کا دم بھرتے تھے، خود ان میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو منہجِ سنت کے ان حصوں کی نشاندہی کر کے امت کو دیں جو 'تزکیہ' سے تعلق رکھتے ہیں اور پھر ان کی عملی تطبیق کے معاملہ میں بھی لوگوں کی راہ نمائی کریں۔ دوسرے لفظوں میں، جہاں 'بدعت' نہیں تھی وہاں بھی اِس پہلو سے 'سنت' بہرحال نہ تھی، الا ما رحم ربی!

اس بات کا کچھ تذکرہ آپ آگے چل کر پائیں گے۔ تاہم، علمائے سنت کا دیا ہوا یہ زریں مبحث بیان کر دینا یہیں مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو جس چیز کے ساتھ مبعوث فرمایا وہ دراصل قلوب ہی کی غذا تھی اور نفوس ہی کا تزکیہ۔ لہٰذا اِس کا متبادل ڈھونڈنا صرف قسمت کا پھوٹنا تھا۔ نبیؐ کا خدا کی آیات پڑھ پڑھ کر اہل ایمان کا تزکیہ کرنا اور ان کے دلوں کی حالت بدل ڈالنا قرآن ہی میں جا بجا مذکور ہے۔ قرآن کی آیتوں سے دلوں کے اندر تلاطم برپا ہو جانا اور آنکھوں سے ایک سیلاب بن کر جاری ہو جانا ابتدائے اسلام کا ایک معروف واقعہ ہے، اور خود قرآن ہی میں اس کی جانب جا بجا اشارے ہیں۔ صحابہ تا اتباع تابعین کا تمام تر زمانہ، 'قلبی' بیماریوں کا سب علاج قرآن سے ہی کیا جاتا تھا اور اسی کے دوائے شافی وکافی ہونے پر ان سب کا ایمان تھا۔ ائمۂ سلف کی زبانوں پر آپ کو ایمان کی وہی چاشنی ملے گی اور حقیقتِ ایمان کا وہی بے ساختہ بیان جو چشمۂ وحی سے براہ راست سیراب ہونے کا ہی ایک طبعی و لازمی نتیجہ ہو سکتا ہے۔ وہ عجیب وغریب اصطلاحیں اور وہ پراسرار پہیلیاں جو بعد کے 'سلسلے' آ کر لوگوں کو بجھوانے لگے، اور وہ بھول بھلیاں جن میں محدَث 'طریقوں' نے امت کو دھکیل دیا، یہ سب نہ تو اپنے اسلوب میں قرآنی ونبوی نصوص سے کچھ تعلق رکھتی ہیں اور نہ اپنے مواد اور

مضمون میں۔ ولکنھم قومٌ یفرقون! ہر دو منہج میں جو فرق ہے اور ہر دو کے مواد میں جو واضح تباین ہے وہ نصف النہار سے بھی بڑھ کر عیاں ہے۔

بلاشبہ ان سلسلہ ہائے طریقت میں پائے جانے والے صالح عنصر نے 'شریعت' کو 'طریقت' پر مقدم رکھا، بلکہ شریعت سے خروج کر لینے والوں کو ملحد جانا، جس پر یہ طبقہ یقیناً قابل ستائش ہے، مگر اِن کا اپنے طریقوں اور اپنے ہاں پانے جانے والے فکری مباحث کو 'تزکیہ' اور 'احسان' پانے کی جہد قرار دینا پھر بھی باعثِ تعجب ہے۔ قرآن کی صورت میں ہمارے لئے اور رہتی دنیا کیلئے جو دسترخوان آسمان سے نازل ہوا، اور 'تزکیہ کی مجلسیں' نبی ﷺ نے ابتدائے مکہ میں جس انداز سے جمائیں، اور پھر مدینہ کی مسجد نبوی میں 'ایمان' اور 'احسان' کا جو سماں باندھا، کہ فرشتے جس کا نظارہ کریں، اس آسمانی اور نبوی دسترخوان میں 'تزکیہ' آخر ہماری نگاہوں سے کیوں روپوش ہو گیا؟! اپنی ضرورت کا کیا نہیں جو اِس میں نہ پایا گیا تھا؟؟؟ شفائے قلوب اور طلبِ خداوندی کی تعلیم دینے کیلئے ہی تو خدا کا یہ آخری نبی آیا تھا! آسمان سے آئی ہوئی یہ دولت، قلوب ہی کے لئے تو تھی! دیکھئے کس طرح نبی ﷺ آسمان کی اس بارش کا اثر لینے کے حوالے سے، جو آپؐ سے پہلے زمین پر کبھی نہ برسی تھی، قلوب کی اقسام بیان فرماتے ہیں:

مثل ما بعثنی اللّٰہ بہ من الھدی و العلم کمثل الغیث الکثیر أصاب ارضاً، فکان منھا نقیة قبلت الماء فأنبتت الکلأ والعشب الکثیر، وکانت منھا أجادب أمسکت الماء فنفع اللّٰہ بھا الناس فشربوا وسقوا وزرعوا، وأصاب منھا طائفةً أخریٰ إنما ھی قیعان لا تمسک ماء ولا تنبت کلأً، فذلک مثلُ من فقہ فی دین اللّٰہ ونفعہ ما بعثنی اللّٰہ بہ فعلم وعلم ومثل من لم یرفع بذلک راسا ولم یقبل ھدی اللّٰہ الذی أُرْسلت بہ (البخاری عن أبی موسیٰ الأشعری: ۱/۱۷۵)

"مجھے اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر معبوث فرمایا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہیں جم کر بارش برسے۔ کہیں تو زمین نرم و زرخیز ہو اور اس بارش سے

خوب سیراب ہوکر فصل اگائے اور ہرا بھرا ہو جائے۔ کہیں پر چٹیل نشیب ہوں جو اس پانی کو بس روک ہی رکھیں پھر اس کو بھی اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے منفعت کا وسیلہ کردے کہ وہ اس کو پیئیں، فصلیں سیراب کرنے اور غلے اگانے کیلئے کام میں لائیں۔ جبکہ یہ بارش کسی بنجر زمین پر بھی برسے جو نہ تو پانی کو روک رکھے اور نہ اسے پی کر ہریالی اگا سکے۔ سو یہ مثال اس شخص کی ہے جو اللہ کے دین کا تفقہ حاصل کرے اور اسے میرے ساتھ مبعوث شدہ چیز سے اللہ تعالیٰ یوں فائدہ دے کہ وہ اسے خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے اور یہی مثال اس شخص کی ہے جو اس کو لیکر نہ تو اٹھا اور نہ اللہ کی اس ہدایت کو، جو کہ مجھے دے کر بھیجا گیا ہے، خود قبول کیا‘‘

سو خوش قسمت ہیں وہ ’زمینیں‘ جو آسمان کے اس میٹھے پانی سے رچ گئیں اور شرق تا غرب زمین پر اصل منفعت بخش ہریالی کے لئے صالح آماج گاہ بنیں۔ بخدا تاریخ پڑھنے والا جب تاریخ کے ریگستانوں سے گزرتا ہے تو وہ دورِ سلف کے حسین سایہ دار نخلستانوں کو چھوڑ کر آگے بڑھنے کیلئے بڑی ہی مشکل سے تیار ہوتا ہے!

☆☆☆☆☆

اس باب میں سلف کے منہج کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس کا کل انحصار اُس چیز پر ہے جس کے ساتھ نبی ﷺ مبعوث ہوئے! یہی وحی اور تلاوت وفہمِ آیات اور تدبرِ معانی، یہی توحید اور معرفتِ ذات وصفات، یہی صلوٰۃ اور رکوع وسجود اور تسبیح وقیام اور استغفارِ سحر اور دعاء والتجاء، یہی فاقہ وصیام، یہی صدقہ وانفاق وایثار، یہی حج اور عمرہ اور تلبیہ، یہی جہاد اور یہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر، یہی مسنون اذکارِ صبح وشام، یہی عدل اور اقامتِ حدود اللہ، یہی مکارم اخلاق، یہی ادائے حقوق اور رشتوں کا بندھن اور وحدتِ کلمہ.. جس کے ساتھ نبی ﷺ مبعوث ہوئے، یہی اس منہج پر آنے سے قلوب کے لئے زندگی بن جاتا ہے اور یہی ’زندگی‘ کی تلاش میں کسی بھی طرف دیکھنے سے آدمی کو آخری حد تک کفایت کر دیتا ہے!

عین وہ چیز ہی، جس کے ساتھ نبی ﷺ مبعوث ہوئے، آدمی پر 'ایمان' اور 'احسان' کے سب دریچے وا کر دیتی ہے۔ کسی نے نبی ﷺ کے ساتھ میں زمین پر اترنے والی دولت کا صحیح اندازہ لگایا تو وہ اِس امت کے سلف ہیں اور سلف کے راستے کو اپنا رکھنے والے 'اہلِ اتباع'۔ یہ فطرت پہ قائم منہج ہے اور اِس کا اصل حسن اِس کی اِسی سادگی میں ہے!!!

تکلف کرنے والوں کو سادگی میں حسن نظر نہیں آتا اور اسی وجہ سے وہ کچھ عجیب وغریب کام کر لیتے ہیں، حالانکہ فطرت سے حسین کوئی چیز نہیں!

ہر نومولود جس 'فطرت' کو لے کر دنیا میں آتا ہے وہ صرف اس 'حقیقت' میں آسودگی پا سکتی ہے جو آسمان سے اتری ہو۔ 'انسان' کو سمجھنا اور 'فطرت' کو پانا بھلا کس کے بس میں ہے؟! اور سوال تو یہ ہے کہ قلوب کا فاطر انبیاء کو آخر بھیجتا کس لئے ہے؟!

پس کلام اللہ اور ھَدْیِ محمدؐ کو اہلسنت کے ہاں آخری درجے کی تعظیم دی جانا، اور اس کی 'متبادل' راہوں کا سن کر چہروں کا لال پیلا ہو جانا، جو کہ سلف میں ہمیں جا بجا نظر آتا ہے، کچھ بے سبب نہیں!

پس آپ دیکھیں گے 'وحی' یہاں ایک 'مبتدی' کا دسترخوان ہے اور 'وحی' ہی ایک 'پہنچے ہوئے' کا۔ کسی کا حصہ کم ہے اور کسی کا حصہ زیادہ، مگر کھاتے سب اِسی ایک دسترخوان سے ہیں! سبھی کا توشہ ایک ہے، البتہ حظ ہر ایک کا مختلف، اور بقول ابن قیمؒ لطف بقدرِ ہمت وتن درستی!

یہی پانی، ہوا اور خوراک ہے جس پر ہر ذی روح کا انحصار ہے، مگر صحت میں سب برابر نہیں! صالح خوراک سے زندگی اور توانائی برآمد ہونا بلاشبہ انسان کی 'اندرونی استعداد' پر بھی منحصر ہے، اور بلا شبہ 'یہ' بھی محنت کا ایک بڑا میدان ہے، مگر اس باب میں بھی کوئی چیز کفایت کر سکتی ہے تو وہ آسمانی تنزیل ہے۔ نبی ﷺ خدا کے ہاں سے جس نعمت کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں وہ قلوب کے لئے نہ صرف غذا ہے بلکہ نفوس کی اس 'اندرونی استعداد' کو بہتر بنانے کیلئے بھی یہی باعثِ شفا ہے! کسی کی قدرتی قابلیت کو سامنے رکھتے ہوئے، اسکی یہ 'استعداد' بھی عین اِسی نسخہ سے سدھر سکتی ہے۔ دیگر نسخوں سے بڑھائی گئی استعداد 'غذا'

کیلئے بھی پھر اور ہی چیزوں پر انحصار کرتی ہے! بلکہ دیکھنے میں آیا ہے ان 'اور چیزوں' سے جان چھڑانا پھر اُس کے لئے دوبھر ہوجاتا ہے اور سب سے مشکل پھر 'وحی' سے سیراب ہونا!

☆☆☆☆☆

چنانچہ اس باب میں ہم سلف کے جس منہج سے یہاں متعارف ہونے کی کوشش کریں گے، وہ ایک اصیل منہج ہے۔ سمجھئے یہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ کہنا تو اِس کی بڑی ہی حق تلفی ہوگی کہ یہ 'تصوف' کا سَلَفِی متبادل ہے! پہلے بھی یہی اصل تھا اور آج بھی یہی اصل ہے۔ تصوف میں ضرور کچھ خوبیاں بھی ہوں گی، اور خیر کی ناقدری بہرحال ہمارا منہج نہیں، مگر اصلاحِ قلوب اور تزکیۂ نفوس کے باب میں سلفِ امت کا جو ایک اصیل منہج ہے، اور جس کا اصل انحصار قرآن پر ہے، تصوف کبھی بھی اس کا متبادل نہیں رہا اور نہ کبھی ہوسکتا ہے، چاہے ہم یہ مان لیں کہ کچھ نہ کچھ خیر یہ برآمد کرسکتا ہے اور کرتا رہا ہے۔ پس جب تصوف اِس کا متبادل تک نہیں، تو پھر دونوں کے مابین ایسا کوئی موازنہ ہونا ہی درست نہیں۔ صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک ایسا منہج ہے جس کا کوئی متبادل نہیں!

☆☆☆☆☆

کتاب کا بڑا حصہ 'استفادہ جات' پر مشتمل ہے جو کہ زیادہ تر امام ابن القیمؒ کی تحریروں سے ہوئے ہیں۔ 'استفادہ' کی بابت ہم یہ واضح کردیں کہ 'ترجمہ' یا 'ترجمانی' سے یہ ایک بہت مختلف چیز ہے۔ یوں سمجھئے ہم نے ائمۂ سنت کی کسی تحریر کو بنیاد بنا کر خود اپنے الفاظ اور اپنے اسلوب میں ایک مضمون تیار کیا ہوتا ہے۔ کسی وقت یہ اس کا اختصار ہوسکتا ہے اور کسی وقت اس کی شرح، اور کسی وقت اس سے بھی کچھ مختلف چیز۔ اصل تحریر کو صرف ایک بنیاد بنایا گیا ہوتا ہے جبکہ مضمون کو ضرورت کے مطابق توسیع دینے یا اسکی کچھ جہتیں زیادہ واضح کرنے کیلئے بہت کچھ اس میں ہمارا اپنا بھی ہوسکتا ہے، جس میں عمومی طور پر ہم اُس خیال سے باہر نہیں جاتے جس کو اصل تحریر ذہن میں اجاگر کرنا چاہتی ہے۔

آیات اور احادیث کا مفہوم دیا گیا ہے۔ لفظی ترجمہ بہت کم جگہوں پر دیا گیا۔ آیات کا مفہوم دینے میں اردو کے معروف تراجم سے ہی مدد لی گئی ہے۔

ہمارے اپنے کسی مضمون میں احادیث آئیں تو اس کی سند اور درجہ بیان کر دیا گیا ہے، جس میں زیادہ تر البانیؒ کی تصحیح پر انحصار ہوا ہے۔ البتہ اگر وہ مضمون ائمۂ سنت کی کسی تحریر کا استفادہ ہے، اور اصل تحریر میں اس کا حوالہ نہیں تو بھی کئی جگہ ہم نے یہ کمی اپنے طور پر پوری کی ہے، مگر ہوسکتا ہے کہیں ایسا نہ بھی ہوا ہو۔

☆☆☆☆☆

اس کتاب کا واضح مقصد تربیت کیلئے صالح مواد کی تیاری ہے۔ ویسے تو ہر شخص اپنی ضرورت کا تعین کرنے میں آزاد ہے، مگر مربی حضرات، خواہ وہ والدین ہیں، یا معلمین، یا مساجد میں نوجوان حلقوں کے نگران یا کسی تنظیمی عمل سے وابستہ لوگ وغیرہ...... چاہیں تو ائمۂ سنت سے لئے گئے اس مواد کو، جسکا ہم نے 'استفادہ' کیا ہے، اپنے زیر تربیت افراد یا حلقوں کے زیر استعمال لائیں، جس کیلئے مختلف صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔

نہایت فائدہ مند ہوگا کہ بعض اسباق تربیتی عمل میں ایک ایک کر کے ہی ذہن نشین کرائے جائیں، بلکہ ایک ایک سبق راسخ کرنے پر خاصا خاصا وقت صرف کرلیا جائے، خواہ مہینے کیوں نہ لگیں۔ صرف مثال کے طور پر: صبح کرتے وقت اپنے آپ کو یا برخوردار کو یہ یاد کرانا کہ:

شام تک، مختلف شکلوں میں تین سو ساٹھ صدقے کرلو، تو سمجھو آج کے دن کیلئے جہنم سے بچ گئے ہو۔

یا یہ یاد کرانا کہ:

کوئی مردہ دنیا و مافیہا دے کر اگر یہ ایک دن خرید سکے جو تمہیں آج مل رہا ہے، تو ضرور وہ یہ ایک دن خرید لے اور اس کو ایسے برتے کہ جنت لئے بغیر نہ رہے۔

ایمانی مطالب پر مشتمل بہت سے نکات اور اسباق ایسے ہوسکتے ہیں جنہیں ایک ایک کر کے ہی زیر تربیت شخص کے شعور میں اتارا جائے، یوں کہ ایک ایک پر مدت لگتی ہو تو لگا دی جائے، تو اسکا تربیتی اثر نہایت خوب رہے۔

عنقریب یہ مضامین صوتی شکل میں بھی دستیاب ہوں گے۔ ان شاءاللہ

حامد کمال الدین

وثائق

(استفادہ از الوابل الصیب، مؤلفہ ابن القیم)

لطفِ مناجات......

اسمائے حسنیٰ!!

'صفات' کا مسئلہ، 'علم کلام' حتیٰ کہ 'عقیدہ' کے نام پر پائی جانے والی بعض 'جدلیاتی کتب' نے ایک خشک موضوع بنا دیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ 'اسماء وصفات' کا درجہ 'ربوبیت' اور 'الوہیت' کے بعد آتا ہے۔ مگر ایک لحاظ سے یہ سب سے پہلے ہے۔ اللہ کا صحیح تعارف ہی اُس کو رب اور الٰہ ماننے کا داعیہ بنتا ہے۔ اس ہستی کی پہچان کا بہترین ذریعہ قرآن ہے۔ جس میں ڈوبنا اور ڈوب کر پڑھنا دنیا کی پر لطف ترین نعمت ہے۔

حبیب بن عبداللہ البجلیؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:

''ہم ایمان سیکھتے، پھر قرآن سیکھتے، تو ہمارے ایمان میں اضافہ ہوتا'' (مختصر الصواعق المرسلہ)

قرآن سے ایمان کا سبق لینے کیلئے......سب سے پہلے آیئے امام ابن قیم کی ایک مجلس میں شرکت کریں!!

انسان پیدا ہوا تو اِس کی سرشت میں ایک نور بھرا گیا۔ یہی زمین پر زندگی اور ہدایت کا اصل سبب ہے۔ اس نور کی امانت انسان کی فطرت کو سونپی گئی۔ مگر چونکہ یہ انسان کی درماندگی کا تنہا علاج نہ تھا، سو اِسے جلا دینے کو آسمان سے ایک اور نور اور ایک روح انبیاء کے جلو میں اتری، جسے فطرت اپنے سابقہ نور کی مدد سے پا لیتی رہی۔ تب نبوت کی ضوفشانی سے فطرت کی مشعلیں جل اٹھیں۔ فطرت کے نور پر وحی کا نور! نُورٌ عَلٰی نُور ......!!!

پھر کیا تھا!؟ دل روشن ہوئے۔ چہرے دمکنے لگے۔ پژمردہ روحوں کو زیست کی تازگی ملی۔ جبینِ نیاز میں تڑپتے سجدے حقیقتِ بندگی سے آشنا ہوئے۔ آسمان کی روشنی سے دل خیرہ ہوئے تو پھر زمین کے قمقمے جلنے نہ پائے۔ ایک بصیرت تھی کہ دل کی آنکھ چشمِ ظاہر سے آگے دیکھنے لگی۔ یقین کا نور ایمان کے سب حقائق منکشف کرنے لگا۔ پھر دل تھے گویا رحمٰن کے عرش کو پورے جہان سے اوپر دیکھتے ہیں۔ اُس عرش کے اوپر انکے رب نے استوا فرما رکھا ہے۔ ہو بہو جیسے اسکی کتاب اور اسکے رسول نے خبر دی ہے۔

وہ اُس عرشِ عظیم کے اوپر سے اپنے رب کو آسمان وزمین میں فرماں روا پاتے ہیں۔ جو وہیں سے حکم صادر فرماتا ہے۔ مخلوق کو چلاتا ہے۔ روکتا اور ٹوکتا ہے۔ بے حد و حساب خلقت کو وجود دیئے جاتا ہے۔ پھر ہر ایک کو کھلاتا اور رزق دیتا ہے۔ مارتا اور جلاتا ہے۔ فیصلے کرتا ہے جنکا کوئی حساب نہیں۔

کوئی فیصلہ نہیں جو اس عرش کے اوپر سے صادر ہو پھر دنیا میں لاگو نہ ہو پائے۔ وہ کسی کو عزت وتمکنت دے۔ تو کسی کو ذلت ورسوائی۔ رات پلٹتا ہے تو دن

الٹتا ہے۔ گردش ایام میں بندوں کے دن بدلتا ہے۔ تخت الٹتا ہے' سلطنتیں زیر وزبر کرتا ہے ایک کو لاتا ہے تو دوسرے کو گراتا ہے۔ فرشتے، پروں کے پرے، حکم لینے کو اسکے حضور چڑھتے ہیں۔ قطار اندر قطار حکم لے لے کر نازل ہوئے جاتے ہیں۔ احکامات ہیں کہ تانتا بندھا ہے۔ آیات اور نشانیوں کی بارش ہوئی جاتی ہے۔ اُس کے فرمان کو اُس کی مرضی کی دیر ہے کہ نافذ ہوا جاتا ہے۔ وہ جو چاہے' وہ جیسے چاہے، وہ جس وقت چاہے، جس رخ سے چاہے، ہوجاتا ہے۔ نہ کوئی کمی ممکن ہے نہ بیشی' تاخیر ہوسکتی ہے نہ تقدیم۔

اُسی کا حکم چلتا ہے آسمانوں کی پنہائیوں میں، زمین کی تنہائیوں میں۔ روئے زمین سے پاتال تک، وہ ہرلمحہ ہرنفس کا فیصلہ کرتا ہے۔ ہر سانس کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ہر لقمے ہر نوالے کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ہر نیا دن، ہر نئی صبح اور نئی شام، وہ چاہے تو دیکھنا نصیب ہوتی ہے۔ بحرو بر کا ہر ذی روح اُس کا رہینِ التفات ہے۔ جہان کے ہر کونے ہر ذرے کی قسمت ہرلمحہ طے ہوتی ہے۔ پورے جہان کو وہ جیسے چاہے الٹتا اور پلٹتا ہے۔ پھیرتا اور بدلتا ہے۔ ہر چیز کو علم سے محیط ہے۔ ہر چیز کو گن گن کے شمار رکھتا ہے۔ اسکی رحمت اور حکمت کو ہر چیز پہ وسعت ہے۔

وہ جہان بھر کی آوازیں بآسانی سن لیتا ہے۔ کیسی کیسی زبانیں ہونگی؟ کیسی کیسی فریادیں ہونگی؟ مگر وہ زمین وآسمان کے ہر کونے سے ہرلمحہ اٹھنے والا یہ مسلسل شور سنتا جاتا ہے۔ اس آہ وفغاں میں ہر ایک کی الگ الگ سنتا اور صاف پہچان جاتا ہے۔ ان سب کی بیک وقت سنتا ہے اور کسی ایک سے غافل نہیں!! پاک ہے وہ اس سے کہ التجاؤں کے ازدحام میں اُس کی سماعت کبھی چوک جائے، یا حاجتمندوں کی آہ وفریاد میں کبھی جواب دینا اُس کو مشکل پڑ جائے۔

اُس کی نگاہِ محیط ہر چیز دیکھتی ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں' اندھیری چٹان پر، سیاہ چیونٹی کے قدموں کی آہٹ پالیتا ہے۔ ہر غیب اسکے لئے شہادت ہے۔ کوئی راز اس

کے لئے راز نہیں۔ وہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر کو جان لیتا ہے۔ اسے وہ ہر راز معلوم ہے جو لبوں سے کوسوں دور ہو۔ جو دل کے گہرے کنویں میں دفن ہو یا خیال کی آہٹ سے بھی پرے ہو۔ بلکہ وہ راز وجود پانے سے پہلے اسے معلوم ہوتا ہے کہ کب اور کیسے وہ اس دل میں وجود پائے گا۔

تخلیق اُس کی، حکم اسکا۔ ملک اُس کا، حمد اُس کی۔ دنیا اُس کی' آخرت اُس کی۔ نعمت اُس کی' فضل اُس کا۔ تعریف اُس کی، شکر اسکا۔ بادشاہی اُس کی، فرمانروائی اُس کی۔ حمد و ستائش اُس کی، اقتدار اُس کا۔ ہر خیر اُس کے ہاتھ میں۔ ہر چیز پلٹے تو اُسی کی طرف، اُس کی قدرت ہر چیز پر محیط...... کہ کچھ اس سے ماورا نہیں۔ اُس کی رحمت ہر چیز سے اور ہر چیز پر وسیع ہے۔ ہر نفس اُس کی نعمت کے بار سے دبی ہے، پر شکر سے یوں عاجز کہ اِس عاجزی کے اظہار کو بندگی کی معراج جانے!!!

يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن:۲۹)

''زمین اور آسمانوں کی ہر مخلوق ایک اُسی سے مانگتی ہے۔ ہر آن وہ نئی شان میں ہے''

وہی گناہگاروں کو معاف کرے۔ غمزدوں کو آسودہ کرے۔ اضطراب کو چین میں بدلے۔ وہ چاہے تو چتا میں چتنا نہ رہے اور وہ اسی کو ٹھنڈک کا سامان کر دے اور سراسر سلامتی۔

درماندوں کو وہی فیض بخشے' فقیروں کو تونگری دے تو امیروں کو فاقے دکھا دے۔ جاہلوں کو سکھائے تو بے علموں کو پڑھائے۔ گمراہوں کو سدھائے تو بھٹکے ہوؤں کو سجھائے!

دکھی کو سکھ دے تو وہ۔ اسیروں کو قید کی ظلمت سے چھڑائے تو وہ۔ عرش پر سے وہ زمین کے بھوکوں کو کھلائے۔ پیاسوں کو پلائے۔ ننگوں کو پہنائے۔ بیماروں کو شفایاب کرے۔ آفت زدوں کو نجات دے۔ تائب کو باریاب کرے۔ نیکی اور پارسائی کا

جواب نوازشوں کی بارش سے دے۔ وہی مظلوم کی نصرت کرے۔ ظالم کی کمر توڑے۔ ناتوانوں کا بوجھ سہارے۔ اپنے بندوں کے عیب بندوں سے چھپا لے۔ دلوں کے خوف دور کرے اور اپنے بندوں کا بھرم رکھے۔ امتوں اور جماعتوں میں سے کسی کو بلند کرے تو کسی کو پست!

وہ کبھی نہیں سویا' نہ سونا اُس کو لائق ہے! وہ اپنی رعیت کا ہمہ وقت نگران ہے۔ وہ کسی کو عزت ورفعت دے تو کسی کو ذلت۔ رات کے اعمال دن سے پہلے اُس کی جانب بلند ہوئے جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات سے پہلے۔

اُس کا حجاب ایک نور بیکراں ہے، جسے وہ ہٹا دے تو اُس کے رخ کا نور ہر چیز بھسم کر دے۔ اُس کا دست کشادہ اور فراخ ہے، جو خرچ کرنے اور لٹانے سے کبھی تنگ ہونے کا نہیں! وہ صبح شام لٹاتا ہے۔ جب سے مخلوق پیدا ہوئی وہ لٹائے جاتا ہے، پر اُس کے ہاں کمی آنے کا سوال نہیں!

بندوں کے دل اور پیشانیاں اُس کی گرفت میں ہیں۔ جہان بھر کی زمام اُس کے قضاوقدر سے بندھی ہے۔ روزِ قیامت پوری زمین اُس کی ایک مٹھی ہوگی تو سارے کے سارے آسمان لپیٹ کر اُس کے دست راست میں آرہیں گے۔ وہ اپنے ایک ہاتھ میں سب آسمانوں اور زمین کو پکڑ لے گا۔ پھر اُن کو لرزائے گا۔ پھر فرمائے گا: ''میں ہوں بادشاہ! میں ہوں شہنشاہ! دنیا کہیں نہ تھی تو میں نے بنائی۔ میں ہی اب اِس کو دوبارہ تخلیق کرتا ہوں''!

کوئی گناہ اتنا بڑا نہیں کہ وہ معاف نہ کر پائے، بس دیر ہے تو پشیمانی کی! کوئی حاجت نہیں جسے پورا کرنا اُس کے بس سے باہر ہو جائے، بس دیر ہے تو سوال کی!

زمین وآسمان کی اول وآخر سب مخلوقات، سب انس وجن، کبھی دنیا کے پارساترین شخص جتنے نیک دل ہو جائیں، اُس کی بادشاہت اور فرمانروائی اتنی بڑی

ہے کہ اُس سے ذرہ بھر بھی نہ بڑھے۔ اور اگر یہ سب مخلوقات، سب انس و جن، دنیا کے کسی بدکارترین شخص جتنے کوڑھ دل ہو جائیں، تب اُس کی فرمانروائی میں ذرہ بھر فرق نہ آئے! اگر زمین و آسمان کی اول و آخر سب مخلوقات، سب انس و جن، سب زندہ و مردہ کسی میدان عظیم میں مجمع لگا کر اس سے سوال کرنے لگیں، پھر ایک ایک اُس کے در سے من کی مراد پا تا جائے، تب اُس کے خزانوں میں ذرہ بھر کمی آنے کا تصور نہیں!

روئے زمین کا ہر شجر جو کرۂ ارض پہ آج تک پایا گیا یا رہتے دم تک وجود پائے، اقلام کی صورت اختیار کرے.. سمندر، جسکے ساتھ سات سمندر اور ہوں روشنائی بنیں، پھر لکھائی شروع ہو......تو یہ قلمیں فنا ہو جائیں، یہ روشنائی ختم ہو جائے، مگر خالق کے کلمات ختم ہونے میں نہ آئیں! اُس کے کلمات ختم بھی کیسے ہوں جنکی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا! جبکہ سب مخلوقات ابتدا اور انتہا کی اسیر ہیں۔ سو ختم ہوگی تو مخلوق! فنا ہوگی تو مخلوق! خالق کو کوئی فنا ہے نہ زوال!!

وہ اول ہے جس سے پیشتر کچھ نہیں! وہ آخر ہے جس کے بعد کچھ نہیں! وہ ظاہر ہے جس سے اوپر کچھ نہیں! وہ باطن ہے جس سے پرے کچھ نہیں!

وہ بلند ہے! وہ پاک ہے! ذکر ہو تو بس اُسی کا! عبادت ہو تو ایک اُسی کی! حمد ہو تو اُسی کی! شکر ہو تو اُسی کا!

فریادرسی ایک اُسی کی شان ہے۔ وہ شہنشاہِ مہربان ہے! سوال پورا کرنے میں کوئی اُس سے بڑھ کر فیاض نہیں! قدرتِ انتقام رکھ کر بے پروائی سے بخش دینا اُس کو انتقام لینے سے عزیز تر ہے۔ اک وہی ہے جس کے در سے تہی دست لوٹ آنا محال و مستحیل ہے۔ وہی ہے جو انتقام بھی لے تو عادل ترین ہو۔ اُس کا حلم و بردباری کبھی لاعلمی کا نتیجہ نہیں! اُس کا عفو و مغفرت کسی بے بسی پر مبنی نہیں! وہ بخشش کرے تو اپنے عِز و جلال اور تمکنت کی بنا پر۔ کسی کو دینے سے انکار کرے تو اپنی حکمت و دانائی کی

بنا پر۔ وہ کسی کو دوست رکھے تو محض اپنے احسان سے، اورعزیز جانے تو صرف اپنی رحمت سے!!

بندوں کا اُس پر کوئی حق ہے نہ زور۔ پر وہ خود ہی بے پایاں مہربان ہے! کوئی محنت اُس کے حضور اکارت نہ ہو پائے۔ وہ کسی کو عذاب دے تو اُس کے عدل کا تقاضا ہو۔ کسی پر مہربان ہو تو محض اپنے فضل سے! اُس کا نام کریم ہے۔ اُس کا کرم وسیع ہے، اور اُس کی رحمت اُس کے غضب پہ بھاری ہے!!!

وہ بادشاہِ مطلق ہے، کوئی اُس کا شریک نہیں۔ وہ تنہا و یکتا ہے، کوئی اُس کا ہمسر نہیں! وہ غنی و لازوال ہے۔ کوئی اُس کا پشتبان اور سہارا نہیں! وہ صمد اور بے نیاز ہے۔ کوئی اُس کی اولاد نہیں، کوئی شریکِ حیات نہیں! وہ بلند وعظیم ہے، کوئی اُس کا شبیہ نہیں، کوئی ہم نام وہم صفت نہیں!

اُس کے رخِ انور کے سوا ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے۔ اُس کی بادشاہت کے سوا ہر ملک کو زوال آنا ہے۔ اُس کے سائے کے سوا ہر سائے کو سمٹ جانا ہے۔ اُس کے فضل کے سوا ہر فضل کو فنا ہے۔

اُس کی اطاعت بھی اُس کے اذن اور اُس کے فضل کے بنا ممکن نہیں! اُس کی اطاعت ہو تو وہ قدردان ہوتا ہے! نافرمانی ہو تو درگزر اور بخشش سے مہربان ہوتا ہے۔ وہ کبھی پکڑ لے تو عدل ہوگا۔ وہ بخش دے تو فضل ہوگا۔ وہ انعام میں خلد بریں سے نواز دے تو احسان ہوگا!!

وہ سب سے قریب گواہ ہے۔ وہ سب سے نزدیک محافظ ہے۔ چاہے تو دل کے ارادوں میں حائل ہو جائے! پیشانیوں سے پکڑ لیتا ہے۔ ایک ایک بات لکھتا ہے۔ قدم کا ہر نشان محفوظ کئے جاتا ہے۔ ہر نفس کی اجل لکھتا ہے۔ ہر چیز کی میعاد رکھتا ہے۔ سینوں میں چھپے دل اُس کے لئے کھلی کتاب ہیں۔ کوئی راز اُس کے لئے راز نہیں۔ کوئی غیب اُس سے روپوش نہیں۔ بڑی سے بڑی بخشیش بس اُس کے کہہ دینے پر موقوف

ہے۔اُس کا عذاب اُس کے قول کے اشارے کا منتظر ہے۔کائنات میں ہر امر کو اُس کے 'کُنْ' کی دیر ہے۔پھر وہ جو کہہ دے سو ہو جاتا ہے!

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُون (یٰس:۸۲)

سو جس دل پر اسکے معبود کی صفات یوں جلوہ گر ہوں، جس قلب میں قرآن کا یہ نور یوں جلوہ افروز ہو، اسکی دنیا میں کسی اور کا دیا کیونکر جلتا رہے؟ اسے امید کی کرن کسی اور روزن سے کیونکر ملے!؟ پھر مخلوق اس کی نگاہ میں کیونکر جچے!؟ بھروسہ اُس ایک کے سوا کس پر ہو اور بھلا کیوں ہو!!!

ایمان کی یہ حقیقت لفظوں سے کہیں بلند ہے۔خیال کی پہنچ سے کہیں اوپر ہے۔ بس اس کا ذکر ہی اس دل کو بقعۂ نور کرتا ہے۔چہروں کی تمازت اِسی کے دم سے ہے۔ پیشانیاں روشن ہونگی تو اِس کی بدولت! دنیا میں یہی نور اُس بندے کی متاع عزیز ہے جو بندگی کا خوگر ہو۔یہی روشنی اسکی برزخ اور حشر کا توشہ ہے۔

جس دل میں قرآن کا یہ چراغ جلے، اور جس قدر جلے، اسکی زبان اور سیرت دنیا کو اتنا ہی روشن کرے اور اس کا وجود اس کارخانۂ ہستی میں اسی قدر بامعنیٰ ہو۔ظلمتوں کی روسیاہی ایسی ہی روشنی سے دھلے گی۔دنیا میں یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔یہی روشنی پھر آخرت میں دلیل و برہان ہوگی۔ایسے مومن بھی ہیں جنکے اعمال سوئے عرش بلند ہوں تو سورج کی مانند روشن ہوں۔پھر جب روح اپنا جسد چھوڑ کر اس کے حضور باریاب ہونے کو آسمانوں میں چڑھے تو فضائیں اسکی راہ میں روشن ہوتی جائیں۔اور جو قیامت کے روز اس روشن چہرے کو روپ ملے گا وہ تو پھر نظارۂ خلائق ہوگا......!!!

اے اللہ! بس تجھی سے امید ہے اور تجھی پر بھروسہ!

(اردو استفادہ از: الوابل الصیب من الکلم الطیب. مؤلفہ ابن القیم

طبع دار البیان للتراث ص ۸۷-۹۱)

(استفادہ از: مدارج السالکین، مؤلفہ امام ابن القیم)

عبدیتِ تام

مقامِ ''ایاک نعبد'' کو پانے کیلئے کوشاں حضرات اس سوال کا جواب تجویز کرنے کے معاملہ میں متعدد اصناف کے اندر منقسم ہوتے ہیں کہ:

'عبادت یا عبدیت کی کونسی صورت سب سے برگزیدہ اور سب سے نفع بخش ہے اور سب سے بڑھ کر اس لائق کہ عبدیت کی باقی سب صورتوں پر اسی کو ترجیح دی جائے اور اسی پر خصوصی توجہ؟'

مختصراً، عبدیت کی برگزیدہ ترین صورت کے تعین میں لوگوں کی چار اصناف پائی جاتی ہیں:

ا) ایک صنف کے ہاں سب سے برگزیدہ اور سب سے نفع بخش عبادت وہ ہے جو نفس پر سب سے بڑھ کر شاق ہو اور اس کی بجا آوری سب سے زیادہ مشکل ہو۔ اس کی توجیہ کرتے ہوئے یہ حضرات کہتے ہیں: ایسی عبادت کا ہوائے نفس سے سب سے زیادہ دور ہونا آپ سے آپ عیاں ہے، جبکہ ہوائے نفس سے دوری اختیار کرنا ___ بقول انکے ___ عبادت کی اصل روح ہے۔ مزید یہ کہ: اجر بقدرِ مشقت۔ اس پر یہ ایک بے بنیاد حدیث بھی لاتے ہیں کہ **أفضل الأعمال أحمرها** یعنی 'افضل ترین اعمال وہ ہیں جو سب سے زیادہ پر مشقت ہوں'۔

یہ اصحاب 'مجاہدے' کرنے اور 'نفس کو مارنے' کی ریاضتوں کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے: نفس کو استقامت اسی چیز سے ملتی ہے۔ کیونکہ نفس کی طبیعت میں کاہلی پائی گئی ہے۔ نامرادی اور دنیا میں دل لگا بیٹھنا اس کے مزاج میں ہے۔ پس اس کو سیدھا کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ اس پر ہول طاری کر کے رکھا جائے اور اس کو مسلسل مشقتیں کروائی جائیں۔

۲) دوسری صنف یہ رائے اختیار کرتی ہے کہ عبدیت کی افضل ترین صورت یہ ہے کہ آدمی دنیا میں زہد اختیار کرے۔ نہایت تھوڑے پر گزارا کرنا اپنا معمول بنا لے۔ دنیا کی ضرورتیں اور حاجتیں کم سے کم کر لے۔ دنیا کا خیال دل سے نکال دے۔ لطف ولذت کا پیچھا تو بالکل ہی چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ دنیا کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی اس کیلئے گراں ہونے لگے۔

یہ صنف آگے مزید دو صنفوں میں تقسیم ہوتی ہے:

الف) ایک 'عوام' کی صنف ہے۔ عبادت گزاروں کی یہ صنف سمجھتی ہے کہ تقویٰ اور دینداری کی یہی اصل غایت ہے۔ چنانچہ اس کو پانے کیلئے یہ نہایت محنت میں لگے ہوتے ہیں۔ ہر وقت اس چیز پر زور رہتا ہے۔ لوگوں کو بھی دعوت دیں گے تو دین کے اسی تصور کی۔ یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ اصل نیکی تو یہ ہے اور یہ کہ علم پڑھنے اور عبادتیں کرنے سے بھی یہ مرتبے میں بڑھ کر ہے۔ ہمیشہ ان کی بات اسی چیز پر ختم ہوتی ہے کہ زہد اختیار کرنا اور دنیا سے دل اچاٹ کر لینا ہی عبادت کی اصل غایت ہے اور نیکی کا اصل سرا۔

ب) دوسری 'خواص' کی صنف ہے۔ ان کے نزدیک: یہ چیز مقصود ہے مگر لذاتہٖ نہیں بلکہ لغیرہٖ۔ ان کے نزدیک دنیا سے دل اچاٹ کر لینے سے اصل مقصود یہ ہے کہ قلب کی کل توجہ خدا کی جانب ہو جائے۔ انسان کی سب کی سب سوچ اسی پر مرکوز ہو جائے۔ دل کو صرف خدا کی محبت کیلئے خالی کر لیا جائے تاکہ سب کی سب انابت، توکل اور رضا جوئی خدا کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ اس فریق کے نزدیک سب سے افضل عبادت 'خدا کی

جانب توجہ میں دلجمعی' ہے اور قلب اور لسان کی وساطت ہر وقت اُس کے ذکر میں مشغول ہونا اور ہر ہر لمحہ اپنے اوپر یہ حالت طاری کر رکھنا کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے، یعنی مراقبہ۔ ان کے نزدیک ہر وہ چیز جو خدا کی جانب آدمی کی توجہ میں دلجمعی کم کر دے اور اس کے دل کو کسی اور جانب مشغول کرے اس سے بچنا اور زیادہ سے زیادہ اس سے دامن کش رہنا عبادت کا نہایت افضل مرتبہ اور بندگی کی برگزیدہ ترین صورت ہے۔ ان کو عارف بھی کہا جاتا ہے۔

ان کے یہ خواص آگے مزید دو صنفوں میں تقسیم ہوتے ہیں:

اول: جو بیک وقت، عارف ہیں تو متبعِ شریعت بھی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کا امر و نہی آ جائے تو اس کی تعمیل کرتے ہیں، بے شک یہ انکی اس قلبی کیفیت میں تعطل لانے کا باعث بنے اور ان کی 'خدا توجہی میں دلجمعی' کو ختم کرنے کا باعث کیوں نہ ہو۔

دوم: ان کے خواص کی دوسری صنف وہ ہے جو منحرف اور بھکے ہوئے لوگ ہیں: ان کے نزدیک عبادت کا مقصود ہی چونکہ 'خدا توجہی میں دلجمعی' ہے، اس لئے جو چیز بھی دل کی اس کیفیت کو متاثر کرے اور آدمی کو خدا کی جانب متوجہ نہ رہنے دے، وہ ہرگز ہرگز قابل التفات نہیں۔ ان میں سے بعض بھکے ہوئے یہ تک کہہ گئے کہ: پانچ وقتہ عبادات وغیرہ تو ہیں ہی ان کے لئے جس کا دل خدا سے غفلت کا شکار ہے۔ جبکہ اس دل کا تو معاملہ ہی اور ہے جو ہر وقت حالتِ عبادت میں ہے!

'عارفوں' کا یہ منحرف گروہ آگے مزید دو صنفوں میں تقسیم ہوتا ہے:

ایک: ان میں سے وہ بھکے ہوئے جو اپنی 'خدا توجہی میں دلجمعی' سے اس حد تک بھی 'دستبردار' ہونے کیلئے تیار نہیں کہ یہ شرعی فرائض و واجبات تک کو ادا کرنے کے روادار ہوں۔

دوسری: وہ جو فرائض تو ادا کرتے ہیں البتہ سنتیں، نوافل، دین میں مستحب اعمال اور حصولِ علم ونشرِ خیر ایسے امور انجام دینے کے روادار نہیں، کیونکہ یہ ان کے نزدیک ان کی 'دلجمعی' پر اثر انداز ہوتی ہے!

ایسے ہی کسی بھکے ہوئے شخص نے ایک بار کسی حق پرست شیخِ عارف سے دریافت کیا: حضرت! جب مؤذن اذان دیتا ہے اور میں 'خداتوجہی میں دلجمعی' کی حالت میں ہوتا ہوں، تو اگر میں اسی وقت اٹھ کھڑا ہوں اور اپنی وہ مجلس چھوڑ کر نکل پڑوں، تو میری توجہ بٹ جاتی ہے اور دل کی وہ حالت باقی نہیں رہ پاتی۔ اسی حالت میں بیٹھا رہوں تو میری وہ دلجمعی باقی رہتی ہے۔ فرمایئے میرے حق میں کیا چیز افضل ہے؟ شیخ نے جواب دیا: سنو، جب مؤذن اذان دے دے تو اس وقت اگر تم عرش کے نیچے بھی جا پہنچے ہوئے ہو، اٹھو اور خدا کی جانب سے دلوائی گئی اس صدا پر لبیک کہو۔ بعد میں بے شک وہیں پر جا بیٹھنا!

یہ اس لئے کہ یہ 'دلجمعی' روح اور قلب کا اپنا حظ ہے۔ جبکہ اذان کی آواز پر لبیک کہنا اور نماز کی تیاری میں مصروف ہو جانا خدا کا حق۔ پس جو شخص اپنی روح کے حظ کو اپنے رب کے حق پر ترجیح دے وہ اہلِ "**ایاک نعبد**" میں سے نہیں۔

۳) ایک اپروچ یہ ہے کہ عبادت اور نیکی سب سے بہتر وہ ہے جس کا فائدہ متعدی ہو۔ یعنی جس کا اوروں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ ان لوگوں کے ہاں عبادت کی یہ صورتیں ان صورتوں سے افضل ہیں جن کا فائدہ انسان کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کے نزدیک غریبوں کی مدد واعانت، رفاہ عامہ کے کام، خدمتِ خلق، اور آدمی کا اپنے مال یا اپنے اسٹیٹس اور اثر ورسوخ سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا سب سے برگزیدہ عمل ہے۔ چنانچہ یہ اسی کو نیکی کا سب سے اہم کام سمجھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اسی کو اپنا معمول بناتے ہیں۔

اس پر یہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: **الخلق عیال اللہ، وأحبهم الیہ أنفعهم لعیاله**. رواہ أبو یعلی (۱) "خلق سب کی سب خدا کی عیال ہے اور خدا کو سب سے زیادہ پسند وہ شخص ہے جو خدا کی عیال کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش ہو"۔

ان کی توجیہ یہ ہے کہ ایک عابد اپنے ہی آپ تک محدود رہتا ہے۔ جبکہ ایک سماجی خدمتگار کے کام کا فائدہ دوسروں تک جاتا ہے لہٰذا یہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ ان کے نزدیک یہی وجہ ہے کہ ایک عالم کی فضیلت ایک عابد پر ویسی ہی ہے جیسے چاند کی فضیلت تاروں پر۔

خلق کو فائدہ پہنچانے کے برتر ہونے پر یہ اس حدیث کو بھی بطور حجت لاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "یقیناً اگر اللہ تیرے ذریعے ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو وہ تیرے لئے سرخ اونٹوں (سب سے مرغوب دولت) سے بھی بہتر ہے"۔ اس عمل کی یہ فضیلت اسی لئے ہوئی کہ اس کا فائدہ متعدی ہے، یعنی اس کا فائدہ اوروں تک پہنچتا ہے۔

علاوہ ازیں اس حدیث سے دلیل لیتے ہیں: **من دعا الیٰ هدیً کان له من الأجر مثل أجور من اتبعه من غیر أن ینقص من أجورهم شیء** "جو

(۱) امام ابن قیم نے یہاں اس حدیث کی صحت پر کوئی بات نہیں کی۔ ہم اس حدیث کی بابت امام البانیؒ کی تخریج سے کچھ نقل کریں گے:

البانیؒ سلسلہ ضعیفہ میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اس حدیث کی صحت کی بابت کہتے ہیں: ضعیف جداً یعنی "بہت کمزور"۔ (دیکھئے السلسلة الضعيفة، روایت نمبر ۳۵۹۰، جلد ۸ ص ۸۵)۔ تاہم محدث البانیؒ اسی حدیث کا ضعف بیان کرتے ہوئے ایک اور جگہ (دیکھئے السلسلة الضعيفة روایت نمبر ۱۹۰۰، جلد ۴ ص ۳۷۲) لکھتے ہیں: اس حدیث کا دوسرا جملہ الفاظ کے فرق کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے اور (اس صحیح حدیث کے) یہ الفاظ ہیں: خير الناس أنفعهم للناس یعنی "انسانوں میں سے سب سے بہتر وہ ہیں جو انسانوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے ہوں"۔

شخص کسی ہدایت کی بات کی دعوت دے تو جو جو اس پر چلے ان سب جتنا اس اکیلے شخص کو اجر ملتا ہے بغیر اس کے کہ ان لوگوں کا اپنا اجر کچھ بھی کم ہو"۔

علاوہ ازیں یہ حدیث: **ان اللہ وملائکتہ یصلون علیٰ معلمی الناس الخیر** "بے شک اللہ اوراس کے فرشتے لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والوں پر درود بھیجتے ہیں"۔

علاوہ ازیں یہ حدیث: **ان العالم لیستغفر لہ من فی السمٰوات ومن فی الأرض، حتی الحیتان فی البحر، والنملة فی جحرھا** "ہر ذی نفس جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں، ایک عالم کیلئے استغفار کرتا ہے، یہاں تک سمندر کے اندر پائی جانے والی مچھلیاں اور اپنے بل میں پائی جانے والی ایک چیونٹی بھی"۔

علاوہ ازیں، یہ حقیقت کہ ابن آدم جب مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ جبکہ جو عمل دوسروں کیلئے فائدہ کا ذریعہ بنا وہ منقطع نہیں ہوتا بلکہ اس کا اجر برابر جاری رہتا ہے۔

اور پھر یہ کہ انبیاء بھی مبعوث ہوئے تو وہ مخلوق کی بھلائی کیلئے اور ان کی ہدایت اور ان کی دنیا وآخرت کے فائدہ ونفع کا ذریعہ بننے کیلئے، نہ کہ اپنی خلوتیں سجانے کیلئے اور لوگوں سے کٹ کر عبادتیں کرنے کیلئے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان اشخاص پر نکیر فرمائی جو الگ تھلگ ہو کر اور لوگوں سے دور، عبادت گزاری کے خواہشمند تھے۔

یہ فریق اس رائے پر ہے کہ 'خدا توجہی میں دلجمعی' سے افضل عمل یہ ہے کہ خدا کے دین کیلئے آدمی کو اپنی اس کیفیت کی قربانی دینی پڑے تو دے ڈالے اور ہر حال میں خلقِ خدا کے فائدہ اور بھلائی کا ہی ذریعہ بنا رہے۔

۴) چوتھی صنف کا کہنا یہ ہے کہ عبدیت کی برگزیدہ ترین حالت یہ ہے کہ آدمی یہ دیکھے کہ کس لمحے خدا کی خوشنودی کس چیز میں اور کس انداز میں زیادہ ہے، اور پھر اسی کے مطابق آدمی خدا کو خوش کرنے میں لگ جائے......

چنانچہ اگر کہیں پر جہاد کا وقت آن کھڑا ہوا ہے تو سب سے برگزیدہ عبادت اس لمحے جہاد ہی ہے، بے شک اس کیلئے آدمی کو اپنی عبادت کے معمولات چھوڑنے کیوں نہ پڑ جائیں۔ بے شک رات کا قیام اور دن کے روزے رکھنا اس سے کیوں نہ متاثر ہوتا ہو۔ بلکہ فرض نماز جس طرح حالت امن میں بصورتِ تمام ادا کی جاتی ہے، فرض نماز کی وہ بدرجۂ اتم ادائیگی اس سے کیوں نہ متاثر ہوتی ہو اور آدمی کو قیام وغیرہ کی قربانی دے کر گھوڑے کی پیٹھ پر نماز کیوں نہ پڑھنی پڑے۔

گھر میں مثلاً مہمان آ گیا ہے تو اس وقت سب سے افضل کام یہی ہے کہ آدمی اس کا حق ادا کرنے میں لگ جائے بے شک اس سے آدمی کے مستحبات کا کوئی معمول کیوں نہ متاثر ہوتا ہو۔

ایک وقت میں بیوی کا حق ادا کرنا سب سے افضل عمل ہوگا اور ایک وقت میں اہل وعیال اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا۔

سحر کا وقت ہو تو سب سے افضل عمل یہ ہوگا کہ آدمی قیام کے اندر خدا کے ساتھ مناجات کرے۔ اُس کا کلام پڑھنے میں مگن ہو۔ اُس کے ساتھ دعا اور پکار کا رشتہ بحال کرے اور بکثرت استغفار کرے۔

جس وقت ایک طالبِ علم اور ایک ملتمسِ ارشاد تمہارے پاس آ کھڑا ہو یا کسی بے علم کو کچھ بتانے سمجھانے کا تقاضا پیش آ چکا ہو تو اپنی کل توجہ اس کی تعلیم کی جانب کر دینا اور علم اور بھلائی سے اس کی جھولی بھر دینے کیلئے کوشاں ہو جانا اس لمحے کیلئے بہترین عمل ہوگا۔

اذان ہوگئی ہے تو اس وقت 'سب سے افضل' عمل یہ ہے کہ نیکی کے دوسرے سب معمولات چھوڑ کر آدمی اس صدا پہ لبیک کہتے ہوئے پیر سے پیر ملائے عبادت گزاروں کی صف میں آ کھڑا ہو۔

پنجوقتہ نمازوں کے اوقات میں، سب سے افضل عمل یہ ہے کہ آدمی کی تمام تر توجہ اور سنجیدگی اس بات پر مرکوز ہو جائے کہ یہ نماز بہترین سے بہترین انداز میں کیونکر ادا

کی جائے۔ اول وقت کو پانا کیونکر یقینی بنایا جائے اور مسجد دور بھی ہو تو بھی پہلی صف کو کیونکر پایا جائے۔

جس وقت ایک غریب محتاج کی مدد کرنا ضروری ہو اور آدمی کا اپنے مال سے یا اپنی جسمانی صلاحیت سے یا اپنے اثر ورسوخ یا اپنی سماجی حیثیت سے کام لیتے ہوئے ایک حاجتمند کے کام آنا اس لمحے کا تقاضا ہو، جس وقت کسی کی فریادرسی کرنا آدمی سے مطلوب ہو......تو اس وقت یہی کام سب سے افضل کہلائے گا، چاہے اس کیلئے تمہیں اپنے نیکی کے معمولات اور اپنے مسنون ورد و ظیفے کیوں نہ چھوڑنے پڑیں اور اپنی خلوت کو کیوں نہ سمیٹنا پڑے۔

جس وقت قرأتِ قرآن کیلئے بیٹھو تو سب سے افضل عمل اس وقت یہی ہے کہ اس کے معانی میں ڈوب جاؤ، اپنے دل کی پوری توانائی کے ساتھ اور آخری درجے کی دلجمعی اختیار کرتے ہوئے تدبر اور غور وفکر کی راہ سے اس کے حقائق میں غوطہ زن ہو جاؤ، یوں سمجھو اس وقت گویا خدا خاص تمہی سے ہم کلام ہے۔ اپنے دل کا ایک ایک گوشہ مجتمع کر کے خدا کی بات سننے کی جانب متوجہ ہو جاؤ اور اس کے معانی سے اپنی روح کو خوب خوب سیراب کرو۔ اس کے کلام میں اس کے جو جو احکام گزریں ان پر عمل پیرا ہونے کا ساتھ ساتھ عزم کرتے جاؤ۔ ویسے تم جانتے ہو ایک آدمی کو بادشاہ کی جانب سے کوئی مراسلہ موصول ہو تو اس کو بغور پڑھنا اور مراسلہ میں لکھے گئے اس کے احکامات کی تعمیل کا عزم کرتے جانا اس سے کہیں زیادہ اہم ہے کہ اس لمحے تم بادشاہ کی تعظیم ایسے احساسات میں دلجمعی پیدا کر رکھنے پر ہی اکتفاء کئے رہو!

۹ ذوالحجہ کو اگر تم عرفہ میں کھڑے ہو تو اس وقت 'افضل ترین عمل' یہی ہے کہ خدا کے آگے خوب گریہ کرو۔ دعا میں اپنا دل ڈال دو۔ خوب مناجات کرو۔ خشوع وخضوع اور رقت کے ساتھ خدا کا ذکر کرو۔ جبکہ روزے سے، جو کہ اس عمل کی بدرجۂ اتم ادائیگی کے معاملہ میں تمہاری کارکردگی کم کرسکتا ہے، اس دن احتراز کرو۔

ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں تو افضل ترین عمل عبادت گزاری ہے، خصوصاً تکبیر، تہلیل اور تحمید وغیرہ، جو کہ ان دنوں میں غیر فرضِ عین جہاد سے بھی افضل ہے۔

رمضان کی آخری دس راتیں ہیں تو افضل ترین عمل خدا کے گھروں میں ڈیرے ڈال دینا ہے اور مسجد کا کوئی کونہ سنبھال کر خدا کے ساتھ خلوت اختیار کر لینا اور پورا ایک عشرہ خدا کا مجاور بنا رہنا۔ اس وقت افضل عمل یہ نہیں کہ لوگوں کے ساتھ گھلو ملو اور ان کو بھلائی پہنچانے میں مصروف ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ اس وقت اعتکاف اور لوگوں سے کنارہ کشی کئے رکھنا علماء کی ایک بڑی تعداد کے نزدیک لوگوں کو تعلیم دینے اور قرآن پڑھانے سے بھی افضل ہے۔

تمہارا بھائی بیمار، صاحب فراش ہوا پڑا ہے، یا بستر مرگ پہ چلا جانے کی نوبت آ گئی ہے، اس وقت سب سے افضل عمل اس کی عیادت کرنا ہے۔ تمہارا بھائی فوت ہو گیا ہے تو اس لمحے افضل ترین عمل اس کے جنازے میں شرکت کرنا ہے اور اس کی میت کو کندھا دینے کیلئے نکلنا۔ اس وقت اس عمل کو ہی ترجیح دی جائے گی نہ کہ خدا کے ساتھ خلوت اختیار کر رکھنے کو اور مراقبے اور اس کی جانب توجہ کی دلجمعی کو۔

کوئی بڑا واقعہ ہو گیا ہے، لوگوں پر کوئی آفت ٹوٹ پڑی ہے، تو اس وقت ہنگامی صورتحال پر قابو پانے میں جو کچھ کر سکتے ہو وہ کرنا اور لوگوں کو اس آفت سے نکالنا سب سے برگزیدہ عمل ہوگا۔

لوگوں کو حق بات بتانا اور کسی باطل سے روکنے کا فرض درپیش ہے تو اس محاذ پر ڈٹ جانا ہی اس لمحے کا برگزیدہ ترین عمل ہے۔ لوگ اس پر تمہیں برا بھلا کہتے ہیں تو بدستور لوگوں کے مابین رہنا اور ان کو حق بتانا اور اس پر ان کی ایذا رسانی برداشت کرتے چلے جانا، مگر ہرگز میدان نہ چھوڑنا افضل ترین عمل ہے۔ (از روئے حدیث) مومن جو لوگوں کے ساتھ گھلتا ملتا اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے اس مومن سے افضل ہے جو نہ ان کے ساتھ گھلتا ملتا ہے اور نہ اسے ان کی ایذا رسانی پر صبر کی ہی اسکو ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

لوگ خیر پر ہوں تو ان کے ساتھ گھل مل کر رہنا، ان سے دور رہنے کی نسبت افضل ہے۔ معاملہ شر کا ہو، تو ان سے دور رہنا ان میں گھلنے سے افضل ہے۔ ہاں آدمی یہ دیکھے کہ وہ ان کے ساتھ گھلے گا تو اس شر کا ازالہ کر سکے گا یا اس کو کم کر سکے گا، تو اس صورت میں شر کے باوجود ان کے ساتھ گھلنا، ان سے دور رہنے کی نسبت افضل ہوگا۔

پس مطلق طور پر کوئی چیز افضل ترین اور برگزیدہ ترین ہے تو وہ ہے یہ دیکھنا کہ عین اس لمحے اور اس صورتحال میں خدا کو سب سے بڑھ کر خوش کرنے والی کیا بات ہے۔ اس سوال کا جو جواب آئے آدمی اسی کو ترجیح دے۔ پس افضل ترین عمل یہ ہوا کہ آدمی ہر لمحے کے فرض کا تعین کرے اور پھر اسی میں جت جائے۔

یہ ہے 'تعبدِ مطلق'۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو 'عبدیتِ تام' کے درجے پر فائز ہوتے ہیں۔

جبکہ اس سے پہلے جن اصناف کا ذکر گزرا وہ 'مقید تعبد' کی مثالیں ہیں۔ ایسا شخص جب بھی عبادت کی اس 'شکل' سے باہر آتا ہے جس سے وہ مانوس ہے اور جس کو وہ 'اصل' عبادت سمجھتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اوپرا محسوس کرتا ہے اور گویا اس کے یہاں کوئی نقص واقع ہو گیا ہے اور وہ 'اصل' عبادت سے دور ہو گیا ہے! وجہ یہ کہ وہ خدا کو کسی ایک ہی خاص صورت میں پوجنے سے واقف ہے، نہ کہ خدا کو ہر ہر انداز میں پوجنے سے۔

جبکہ وہ شخص جو 'تعبدِ مطلق' یا 'عبدیتِ تام' کے منہج پر ہے، عبادت کی کسی بھی خاص شکل کے ساتھ اس کی اپنی کوئی بھی غرض وابستہ نہیں ہوتی کہ وہ بس اسی کو عبادت کی دوسری ہر صورت پر فوقیت دینے پہ مصر ہو۔ اس کو تو غرض صرف ایک بات سے ہے اور وہ یہ کہ عین اِس لمحے اس کے مالک کی خوشنودی کہاں پائی جاتی ہے۔ جہاں وہ پائی جائے گی وہاں یہ پایا جائے گا اور جیسے جیسے وہ ایک صورت سے نکل کر دوسری صورت اختیار کرے گی عین اسی اخلاص اور تجرد کے ساتھ یہ اس کے ساتھ چلتا جائے گا۔ پس اِس کے تعبد کا سب انحصار اسی پر ہے کہ اِس کے مالک کا مطلوب کہاں ہے۔ پس یہ

شخص عبودیت کی ایک منزل سے دوسری منزل پہ جاتا ہے تو دوسری سے تیسری پر۔ جونہی اس وفا شعار کے سامنے عبدیت کی ایک صورت لائی جاتی ہے یہ پوری دلجمعی کے ساتھ اس کو اختیار کر لینے کی جانب لپکتا ہے۔ یہ عبادت کی ہر ہر شکل میں خوب سے خوب رنگ بھرتا ہے اور بندگی کی ہر ہر صورت پر کمال کی محنت کرتا ہے، تا آنکہ اس کے سامنے عبدیت کی کوئی اگلی منزل اور بندگی کی کوئی دوسری صورت لے آئی جاتی ہے۔ یوں، اس کا کام مالک کی منشا اور رضا کے پیچھے چلتے جانا ہے۔ وہ اس کو جب تک چلائے، جدھر کو چلائے، جیسے چلائے، یہ چلتا ہے!!! اس کے سوا اسے کسی بات سے غرض نہیں!!!

پس جہاں تم علماء اور علم کی مجلسیں دیکھو، اِس کو بھی وہاں ان کے ساتھ دیکھو گے!!!

جہاں عبادت گزاروں کے جمگھٹے ہوں، تم اِس کو وہاں ان کے ساتھ پاؤ گے!!!

جہاں تم مجاہدین کو دیکھو گے، اِس کو وہاں ساتھ دیکھو گے!!!

ذکر کرنے والوں کی مجلسوں میں تم اسے باقاعدہ موجود پاؤ گے!!!

اور وہ لوگ جو خدا کو اپنی توجہ کا مرکز بنانے پر خوب خوب محنت کرتے ہیں اور اس باب میں دلجمعی کی نعمت پانے کیلئے کوشاں دیکھے جاتے، اور جو قلب کو خدا کا اعتکاف کرواتے ہیں، اس کو تم وہاں ان کے ساتھ دیکھو گے!!!

لوگوں کی خوشیوں غمیوں میں تم اسے غائب نہ پاؤ گے۔ فقیروں حاجتمندوں کی خدمت، مظلوموں کی فریاد رسی اوردردمندوں کے غم بانٹنے کی سرگرمیوں سے تم اس کو مفقود نہ پاؤ گے!!!

پس یہ ہے مطلق خدا کا عبد۔ نہ یہ کسی خاص صورت کا پابند۔ نہ کسی خاص شکل کا اسیر۔ نہ کسی خاص ہیئت میں محدود۔ نہ رسمیات سے مانوس۔ اس کی سعیِ عمل اپنے نفس

کے مطلوب کا پیچھا کرنا نہیں اور نہ ہی اپنی پسند کی عبادت کا چناؤ کرنا۔ یہ اپنے رب کے منشا و مطلوب کا متلاشی رہتا ہے، خواہ اِس کے اپنے نفس کی لذت اور راحت خاص اُس چیز میں ہو یا کہیں اور۔

یہ ہے وہ خوش قسمت جس نے مقامِ 'ایاک نعبد و ایاک نستعین' کو درحقیقت پالیا ہے۔ اور جو کہ اس کی حقیقت پر واقعتاً قائم ہے!!!

اس کی پوشاک، جیسی اس کو میسر آ گئی،

کھانا، جیسا مل گیا،

اس کی مصروفیت، ہر لمحے خدا نے جو مامور ٹھہرا رکھا ہے،

اس کی نشست گاہ، جہاں اس کو بیٹھنے کی جگہ مل گئی، یا جہاں اس کیلئے گنجائش نکل آئی، یا جہاں اس کا پایا جانا ضروری ہوا،

نہ اس پر کوئی خاص لیبل،

نہ اس کے سوچنے اور عمل کرنے کا کوئی خاص دائرہ،

اور نہ اس پر کوئی خاص ٹھپہ،

اور نہ کوئی بہت ہی خاص حلیہ،

نہ دست بوسی، نہ رسومِ آستانہ،

مطلق آزاد!!! مطلق عبد!!! کسی چیز، کسی صورت، کسی ہیئت کا پابند نہیں سوائے خدا کے حکم کا تتبع کرنے کے۔ جہاں خدا کی فرمائش، وہاں یہ۔ اس کا قافلہ مسلسل سفر میں رہتا ہے اور کوئی مقام اس کا نقطۂ اختتام نہیں۔ اس مسافر کا پڑاؤ وہیں جہاں اس کو کچھ دیر رک جانے کا حکم ہو۔ خدا کے سوا کوئی اس کی آخری منزل نہیں!!!

ہر حق پرست اِس سے اُنس پائے،

ہر باطل پرست اِس سے وحشت کھائے،

وہ باران جو جہاں برسے وہاں ہریالی کر دے،

وہ نخلستان جس کا پت جھڑ نہیں (۱)،

یہ پورے کا پورا فائدہ مند ہے، حتیٰ کہ اس کے کانٹے بھی!!!

خدا کے دشمنوں اور نافرمانوں کیلئے چبھتا ہوا کانٹا،

خدا کی حرمتوں کی پامالی ہو تو یہ ننگی تلوار،

خدا شناسوں کیلئے بریشم کی طرح نرم!!!

پس یہ خدا کا ہے، خدا کے دم سے ہے، خدا کے ساتھ ہے!!!

خدا کے ساتھ ہوتا ہے تو مخلوق سے ماوراء ہو کر،

مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے تو نفس سے ماوراء ہو کر،

خدا کے ساتھ اس کا معاملہ ہوتا ہے تو سب خلائق بیچ سے روپوش ہو جاتی ہیں اور یہ بھری دنیا میں رہتا ہوا دنیا سے نکل آتا ہے! یہ خدا کے ساتھ ہوتا ہے تو گویا کوئی دوسرا نہیں ہوتا!!!

اِس کا معاملہ خلقِ خدا کے ساتھ ہوتا ہے تو نفس بیچ سے روپوش ہو جاتا ہے۔ اور یہ ان کیلئے مجسم خلوص ہوتا ہے!

زہے خوش نصیبی! یہ بھری دنیا میں کس قدر اجنبی ہے!!!

بسی دنیا میں اِس کیلئے کس قدر اداسی ہے!!!

خدا کے ساتھ اِس کا کیسا دل لگتا ہے!!!

معبود کے ہاں یہ کیسی خوشی، کیسی طمانینت اور کیسا گہرا سکون پاتا ہے!!!

خدایا! تیری مدد اور تیرا بھروسہ!!!!!

(استفادہ از: مدارج السالکین، مؤلفہ امام ابن القیم ج ا ص ۸۵-۹۰)

(۱) بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے، نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے، اور وہ مومن کی مثال ہے، بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: لوگوں نے طرح طرح کے خیال ظاہر کئے۔ میرے دل میں آیا یہ کھجور ہے۔ مگر میں (چھوٹی عمر کے باعث) شرم سے کہہ نہ سکا۔ تب صحابہ نے آنحضور سے عرض کی: آپ ہی بتائیے۔ فرمایا: کھجور۔

قلوب کی دنیا!

ظاہری حسن پر جانا، ایک عام انسانی رویہ ہے۔ ایک کثیر تعداد 'مظاہر' سے ہی وابستہ ہوتی ہے، متاثر 'ہونے' کے معاملہ میں بھی، اور متاثر 'کرنے' کے معاملہ میں بھی۔ تھوڑے ہیں جو 'ظاہر' سے آگے گزر جانا لازم رکھیں۔ ابھی یہ دنیوی معاملات میں ہے۔ عجیب یہ ہے کہ 'دین' میں بھی ایک بڑی تعداد کی توجہ 'مظاہر' پر رہتی ہے!

دین میں 'مظاہر' یقیناً مطلوب ہیں اور دین کا باقاعدہ حصہ ہیں، اور ان کی اہمیت کا انکار کرنے والا ایک گمراہ اور زندیق ہی ہوسکتا ہے...... پھر بھی ''دین'' میں اصل چیز 'مظاہر' نہیں۔ جس طرح 'درخت' سطحِ زمین پر 'چپکائے' نہیں جاتے؛ ان کے لئے زمین کے اندر، بہت نیچے تک، بڑی ہی مضبوط تناور جڑیں رکھنا ضروری ہوتا ہے...... عین اسی طرح 'اعمال' بھی 'قلوب' کی سرزمین میں جڑیں گاڑے ہوتے ہیں اور اپنے وجود، اپنی غذا، اپنی بقاء اور اپنی نمو کیلئے وہیں پر سہارا کرتے ہیں۔ مگر بہت کم ہیں جن کا زور 'ظاہری اعمال' سے بڑھ کر 'قلوب کی تعمیر' پر ہو۔

جس قدر کوئی کام انسان کے حق میں زیادہ فائدہ مند اور خدا کو زیادہ پسند ہوگا، اسی قدر شیطان اس میں رکاوٹ بن کر آئے گا۔ آدمی کا مطلوب جس قدر عظیم ہو، اتنی ہی دشواریاں اس کی راہ میں لائی جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ سب

سے مشکل اور سب سے نادر، یہاں جنت کی مانگ ہے؛ جس کی راہ مشکلات سے سجا دی گئی ہے، کہ ہزار میں سے کوئی ایک ہو جو اِنہیں پار کر کے اپنی اُس منزلِ مراد پہ جا پہنچے!

چنانچہ شیطان انسان کے جس راستے میں سب سے زیادہ جم کر بیٹھتا ہے اور اس کو یہاں سے راستہ دینے پر کسی صورت تیار نہیں، سوائے یہ کہ انسان یہاں خدا کو آواز دے اور اُس کی مدد سے یہ راہ پار کرے...... یہ 'قلب کی ترقی واصلاح' ہی ہے؛ جو اگر حاصل ہونے لگے تو 'اعمال' کے پھر کیا کہنے! انسان کی مساعیِ آخرت تب ایک ایسا حسن پاتی ہے کہ 'قبولیت' کے دروازے کھل جاتے ہیں!

خدا نے بھی تخلیقِ کائنات اور پھر اس کے اندر موت وحیات کا یہ سلسلہ قائم کر رکھا ہے تو وہ کچھ اسی مقصد سے کہ انسان سے یہ جوہر برآمد ہو:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ (الملک:۲)

"اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون حسنِ عمل میں سب سے بہتر رہتا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے"

تو پھر ہم خدا سے اُس کی توفیق مانگتے ہوئے، اس موضوع کو ذرا تفصیل سے جاننے کی کوشش کریں گے..

خدا کی نگاہ پڑنے کی اصل جگہ 'قلوب' ہی ہیں:

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

إن الله تعالىٰ لا ينظر إلىٰ صوركم وأموالكم، ولكن ينظر إلىٰ قلوبكم وأعمالكم "اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہارے مالوں کو؛ وہ دیکھتا ہے تو تمہارے دلوں کو اور تمہارے عملوں کو" (صحیح مسلم)

انسان کے پاس جو سب سے برگزیدہ چیز ہے وہ اس کا 'دل' ہے۔ یہ انسان کے اندر وہ مقام ہے جو خدا کی نگاہ پڑنے کا خاص محل ہے۔ 'ایمان' کو پڑاؤ کرنے کی اِس کے یہاں کوئی جگہ ملتی ہے تو وہ عین یہی ہے۔ یہیں پر ایمان اپنا عمل کرتا ہے اور یہیں سے اپنے نتائج برآمد کراتا ہے۔ ایمان ہوتا ہے تو 'یہاں' ہوتا ہے، نہیں ہوتا تو 'یہاں' نہیں ہوتا!!! کہ اس کا گھر یہی ہے!!! کسی کو یہ احساس نصیب ہو کہ خدا اس کو دیکھے تو وہ خدا کی نگاہ میں خوب جچے.. کسی کو خدا کو 'پسند' آنے کی فکر دامن گیر ہو، تو اس کو اپنا آپ سب سے زیادہ 'یہیں' سنوارنا ہوگا۔ جس طرح کسی آئے گئے کا سامنا کرنے سے پہلے انسان اپنا آپ 'درست' کرتا ہے، ویسے ہی خدا کی نظر پانے کیلئے آدمی کو یہیں پر سب سے زیادہ صفائی ستھرائی کر کے رکھنا ہوتی ہے۔ حسن، جمال، زینت، خوشبو...... سب کا بندوبست یہیں پر سب سے بڑھ کر ضروری ہے! اِس کو توبہ سے دھوئے۔ استغفار سے مانجھے۔ انابت کی ردا پہنائے۔ توحید سے آراستہ کرے۔ جہاد وعزم الامور کی عبا، خشیت کا سنگار اور محبت کا عطر...... غرض وہ ڈھونڈنے بیٹھے، اور اس جانب اس کی توجہ ہو جائے، تو زینت اور جمال کے ایسے ایسے اسباب اس کے ہاتھ آئیں گے کہ یہ رشکِ خلائق ہو جائے اور عرش پر الملأ الأعلی کے مابین اس کا ذکر ہو۔ یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں اگر خدا کی توفیق حاصل ہو!

'یہیں' پر آدمی کے ہاں اگر خدا کو ناپسند آنے والی چیزیں ہر طرف بکھیر رکھی گئی ہوں، اور 'پاکیزگی' کا ایک خاص اہتمام 'یہیں' پر نہ کر رکھا گیا ہو، تو خدا کی نگاہ میں جچ پانا آدمی کا خیال ہوسکتا ہے، حقیقت نہیں۔ ظاہر کی آرائش، باطن کو سنوارے کئے بغیر خدا کے ہاں کام دینے والی نہیں۔ خدا نے قرآن میں جہاں 'پوشاک' کا ذکر کیا، وہاں ظاہر اور باطن دونوں کے لبادے بیان کر دیے:

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُوَارِي سَوْءَاتِكُمْ وَرِيشاً

وَلِبَاسُ التَّقْوَىَ ذَلِكَ خَيْرٌ (الأعراف:۲۶)

''اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور (جو) پرہیزگاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے!''

اسی طرح فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الاحزاب:۵۱) ''اللہ جان لیتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے''......

یہ اسی لئے تو فرمایا کہ دلوں میں کوئی چیز ہے جو خاص طور پر دیکھنے کی ہے!

تو پھر لازم ہے کہ ہر وقت آدمی کے خیال میں رہے کہ اس میں جو دیکھنے کی چیز ہے وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

'جوارح' کا درست رہنا 'قلوب' کے درست رہنے پر منحصر ہے:

یا عبادی! لو أن أولکم وآخرکم، وإنسکم وجنکم، کانوا علیٰ أتقیٰ قلب رجل منکم، ما زاد ذلک فی مُلکی شیئاً!!! یا عبادی! لو أن أولکم وآخرکم، وآنسکم وجنکم، کانوا علیٰ أفجر قلب رجل واحد منکم، ما نقص ذلک من مُلکی شیئاً!!! (صحیح مسلم)

''اے میرے بندو! تم اول تا آخر، انسان تا جن، سب کے سب کبھی دنیا کے پارساترین شخص جتنے نیک دل ہو جاؤ، تو اس سے میری بادشاہت ذرہ نہ بڑھے گی!!! اے میرے بندو! تم اول تا آخر، انسان تا جن، سب کے سب کبھی دنیا کے بدکارترین شخص جتنے کوڑھ دل ہو جاؤ، تو اس سے میری بادشاہت ذرہ نہ گھٹے گی!!!

حدیث کے لفظ ہیں: کانوا علیٰ أتقیٰ قلب رجل منکم.. کانوا علیٰ أفجر قلب رجل منکم.. یہ دلیل ہوئی اس بات کی کہ پارسائی اور بدکاری کا اصل

محل قلوب ہی ہیں۔ دل کو پارسائی سکھا دی گئی ہو تو جوارح میں وہ آپ سے آپ جھلکنے لگے گی۔ دل میں بدکاری بیٹھی ہو تو جوارح میں وہ آپ سے آپ آئے گی۔

(استدلال از ابن رجب، جامع العلوم والحکم ص ۵۱۱-۵۱۲)

ألا إن فی الجسد مضغة، إذا صلحت صلح الجسد كله، و إذا فسدت فسد الجسد كله، ألا و هی القلب. (متفق علیہ)

"خبردار رہو، بے شک جسم میں ایک لوتھڑا ہے جو اگر صالح ہو تو پورا جسم صالح ہوتا ہے، اور اگر وہ فاسد ہو تو پورا جسم فاسد ہوتا ہے، خبردار رہو، یہ دل ہے"۔

سو دل میں اگر خدا کی بندگی گھر کر لے۔ یہاں اگر خدا کی تعظیم ہونے لگے۔ یہاں خدا کے ساتھ ایک خاص رشتہ استوار ہو جائے.. تو آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پیر، سبھی خدا کی جانب اپنا رخ کر لیں گے اور خدا کی جانب بڑھنے میں اس کے مددگار ہوں گے۔ البتہ یہاں بندگی اگر خدا کی قائم نہیں ہوتی تو اکیلے 'اعضاء' خدا کی کیا بندگی کریں گے!؟

من أحب لله، و أبغض لله، و أعطىٰ لله، و منع لله، فقد استكمل الإيمان

(ابوداود، البانی نے صحیح کہا ہے)

"جو شخص اللہ کی خاطر محبت کرے، اللہ کی خاطر بغض رکھے، اللہ کی خاطر دے، اور اللہ کی خاطر دینے سے رکے، تو اس نے ایمان پورا پا لیا"

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ: جب اِس کی محبت خدا واسطے کی ہو جائے اور اِس کا بغض خدا واسطے کا ہو جائے، جبکہ یہ دونوں دل کا عمل ہیں، اور پھر اِس کا دینا خدا واسطے کا ہو جائے اور اِس کا دینے سے رکا رہنا خدا واسطے کا ہو جائے، جبکہ یہ دونوں بدن کا عمل ہیں، تو یہ ظاہر اور باطن میں انسان کا ایمان مکمل ہونے پر دلیل ہوتی ہے!!!

(استدلال ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ج ۱۰ ص ۷۵۴)

خدا واسطے کی محبت کیا ہے؟ یہ کہ نہ صرف خدا محبوب ہو، بلکہ خدا کو جو محبوب ہو وہ آدمی کو محبوب ہونے لگے۔ اس میں توحید آتی ہے اور موحدین بھی۔ شریعت آتی ہے اور اہل شریعت بھی۔ شریعت کے عالم، شریعت کے پیروکار، سنت اور اہل سنت، خدا کے احکام، خدا کے ٹھہرائے ہوئے فرائض، خدا کے مستحبات، خدا کے اولیاء، خدا کے طلبگار.. غرض یہ سب انسان کے محبوب ٹھہریں!

خدا واسطے کا بغض کیا ہے؟ یہ کہ خدا کے ہاں جو مبغوض ہے وہ انسان کے ہاں مبغوض ٹھہرے۔ کفر، فسوق، عصیان.. شرک، بدعت، فساد.. اور پھر جو جو ان اوصاف سے متصف ہو اور ان کا داعی ہو، وہ آدمی کے یہاں پائے جانے والے بغض میں اپنا حصہ لئے بغیر نہ رہے!

البتہ وہ شخص جس کے محبوبات اور مبغوضات، اور جس کا دینا اور دینے سے رکا رہنا اپنے نفس کی پیروی ہو، تو یہ ایمانِ واجب کے اندر نقص شمار ہوگا۔ اِس سے بچنا بہت مشکل ہے تو اِس سے تائب ہوتے رہنا نہایت لازم۔

(استدلال ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم ج۲ ص ۳۸۹)

تو بھائی! کوئی ایک لوتھڑا یہاں اگر ایسا ہے کہ اسی میں یہ سب کرشمے پائے جاتے ہیں، اور پھر انسان کی قسمت میں تیرگی آئے تو وہ بھی یہیں سے اٹھتی ہے...... تو اس 'لوتھڑے' کو روز ٹٹولنا اور اس کو نہایت خوب حالت میں رکھنا تو پھر بے حد ضروری ہو جاتا ہے!!!

سب سے زیادہ تغیرات یہیں پر واقع ہوتے ہیں:

مقداد بن الاسودؓ کا قول ہے: جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک بات سنی تو اب میں کسی آدمی کے بارے میں اچھا یا برا کبھی نہ کہوں جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہوتا ہے۔ پوچھا گیا: آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا؟ کہا:

آپ ﷺ نے فرمایا: لقلب ابن آدم أشد انقلابا من القِدْر إذا اجتمعت غلیاً "بخدا، ابن آدم کا دل اس سے کہیں زیادہ شدت سے حالتیں بدلتا ہے جتنا کہ ہنڈیا کا ابال جب وہ پورے جوبن پر ہو"۔ (مسند احمد، البانی نے حدیث کو صحیح کہا)

ابن قیمؒ کہتے ہیں: اس حدیث میں جو مثال بیان کی گئی، معاملہ کی سنگینی کو سمجھا دینے اور صورت حال کو ذہن سے قریب تر کر دینے میں نہایت موثر اور بلیغ ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ 'قلب' کا لفظ ہی اپنی حقیقت پر آپ دلیل ہے۔ عربی میں اس کا مطلب ہے الٹ پلٹ ہونا اور ایک حال سے دوسرے حال میں چلے جانا۔ یہاں ہر دم طوفان آتے ہیں اور کہیں کی چیز کہیں لے جاتے ہیں...... خدایا خیر!!!

روایت ابوموسیٰ اشعریؓ سے، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

إن هذا القلب كريشة بفلاة من الأرض، يقيمها الريح ظهرا لبطن "یہ جو دل ہے اس کی مثال ایک پر کی ہے جو بیابان میں پڑا ہوا اور ہوا اس کو الٹ پلٹ کرتی پھرے"

(مسند احمد، ابن ماجہ، البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

ایک پر بھلا کیا وزن رکھتا ہے؟ عام سی ہوا بھی اس کو اپنی حالت پہ رہنے نہیں دیتی۔ فتنوں کی آندھیاں ہوں تو ان کے آگے بھلا وہ کیا ٹکے گا، جب تک خدا فضل نہ کرے!

فتنوں کی آماجگاہ بھی 'قلوب' کی سرزمین بنتی ہے:

حذیفہؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تعرض الفتن على القلوب كعرض الحصير عودا عودا، فأى قلب أشربها نكتت فيه نكتة سوداء، وأى قلب أنكرها نكتت فيه نكتة بيضاء، حتىٰ تعود القلوب على قلبين: قلب أسود مربادا كالكوز مجخيا

لا یعرف معروفا ولا ینکر منکرا، إلا ما أشرب من هواه، وقلب أبیض، فلا تضره فتنة ما دامت السماوات والأرض. (صحیح مسلم)

”قلوب کا فتنوں کی زد میں آنا اس طرح ہے جس طرح کھجور کی چٹائی ایک ایک تنکا کر کے بنی جائے۔ جو دل فتنے کو جذب کر جائے اس میں ایک سیاہ نشان لگ جاتا ہے۔ جو دل فتنے کو پاس نہ آنے دے اس پر ایک سفید نشان لگ جاتا ہے۔ ہوتے ہوتے قلوب کا معاملہ دو طرح کا ہو رہتا ہے: یا تو ایک بالکل کالا سیاہ دل، اس کوزے کی طرح جو الٹا کر دھرا گیا ہو، نہ معروف اس کو معروف لگے اور نہ منکر اسے منکر لگے، سوائے انہی اہواء و افکار کے جو اس نے جذب کر رکھے ہوں..
اور یا پھر ایک نہایت سفید کورا دل، جس کا رہتی دنیا تک کوئی فتنہ کچھ نہ بگاڑ سکے“

چنانچہ فتنوں کے دلوں پر وارد ہونے کے معاملہ میں آپؐ نے قلوب کی دو صنفیں بیان فرمائیں:

ألف وہ دل کہ بدعت، باطل رجحان، عقل کی پھسلن، حق سے انحراف یا شہوت و خواہش وغیرہ کا فتنہ اس پر وارد ہو تو وہ اس فتنہ کو یوں جذب کرنے لگے جس طرح اسفنج کو میلے پانی میں ڈالیں تو وہ اس کو چوس جائے۔ ایسا دل جب اپنا آپ بتا دیتا ہے کہ وہ کس خراب چیز کو اپنے اندر راستہ دینے کیلئے تیار ہے تو اس پر ایک سیاہ نشان آپ سے آپ آ لگتا ہے۔

ایک عرب شاعر نے کیا خوب بات کہی: دل کے پینے کو اس کی پسند کا گھاٹ مل جائے تو پھر واپس آنے کا بھلا وہ کب نام لیتا ہے!

تب یہ دل فتنوں کو 'پینے' لگتا ہے۔ ایک فتنہ، پھر دوسرا، پھر تیسرا...... راستہ ملتا جاتا ہے، 'رنگ' چڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ کالا سیاہ ہو جاتا ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے جو بات بتائی وہ یہ کہ آخر میں یہ دل سیاہ ہی نہیں، اوندھا بھی ہو رہتا ہے۔ فرمایا: کالکوز مجخیا ”جیسے وہ کوزا جو الٹا کر رکھ دیا گیا ہو“۔ برتن اوندھا کر رکھا گیا ہو تو اس میں جو چیز

ڈالیں وہ بہہ کر نیچے تو جا گرے گی مگر اس کے اندر نہ جائے گی۔کیسی خوفناک تمثیل بیان فرمائی رسول اللہ ﷺ نے! یعنی اِس میں جو مرضی اور جتنا مرضی ڈالنے کی کوشش کرو، سب زمین پر جائے گا مگر اس کی قسمت میں نہ ہوگا! برتن اوندھا ہو تو اس میں تو پہلے سے اگر کچھ ہو، وہ بھی نیچے جا رہے گا! حسبی اللہ ونعم الوکیل! اب جب یہ سیاہ بھی ہو چکا اور اوندھا بھی ہو چکا، تو اس کو دو صورتیں پیش آتی ہیں:

پہلی: یہ کہ اس کو منکر اب منکر نہیں لگتا۔معروف، معروف نظر نہیں آتا۔حق، اس کے لئے حق نہیں رہتا باطل، باطل نہیں۔بلکہ تو معاملہ کسی وقت بدبختی کی اس حد کو پہنچتا ہے کہ ایک معروف اس کو منکر نظر آنے لگے اور ایک منکر، معروف۔سنت اس کو بدعت لگنے لگے اور بدعت، سنت۔جو حق ہے بدقسمت کو وہ باطل نظر آئے اور باطل، عین حق اور لائقِ عمل۔کتنے ہیں جو انبیاء کی راہ پر چلنے والوں کو نہایت قابل ترس اور بے چارہ جانتے ہیں اور شیطان کے دیے ہوئے کسی فیشن یا نظریے کو پورے زمانے کے لئے واحد معیار! عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے: ''برباد ہوا وہ شخص جس نے وہ دل نہ پایا جو اسکو معروف، معروف دکھائے اور منکر، منکر''۔یہی ہے وہ دل جو مردہ ہو جاتا ہے۔اس کی زندگی جواب دے جاتی ہے اور جس کام کیلئے یہ تخلیق کیا گیا وہ کام کرنا آخری حد تک بند کر دیتا ہے۔درحقیقت یہ منافق کے دل کی تصویر ہے، جو کہ قلوب کی دنیا کی بدترین مخلوق ہے۔یہ دل اس قدر الٹا ہو چکا ہوتا ہے کہ یہ باطل کو حق اور حق کو باطل بنانے کے لئے سرگرم ہو اٹھتا ہے، قرآن نے ایسے ہی دل کے بارے میں فرمایا:

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (التوبۃ:٦٧)

''منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے جیسے ہیں؛ کہ منکر کا حکم کرتے ہیں اور معروف سے منع کرتے اور (خرچ کرنے سے) ہاتھ بند کئے رہتے ہیں۔اُنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی اُن کو بھلا دیا بیشک منافق نافرمان ہیں''۔

دوسری: بجائے اس کے کہ اپنی ہویٰ کو یہ رسولؐ کی لائی ہوئی ہدایت کے تابع کرکے اپنے لئے جنت کھری کرے، الٹا یہ ہوائے نفس کا بندہ بن جاتا ہے۔

ب دوسرا، سفید براق دل۔ یہ حق کو پہنچانتا ہے۔حق سے محبت کرنا جانتا ہے۔حق کو اپنے اندر راستہ دے سکتا ہے۔حق کو دوسری ہر چیز پر ترجیح دے سکتا ہے۔ یہ وہ اجلا دل ہے کہ یہاں ایمان کی روشنی جلاؤ تو خوب جلتی ہے۔ایمان کا چراغ دھرو تو جگمگ کرنے لگتا ہے۔فتنہ پاس آئے تو یہ اسے رد کردیتا ہے!

یہاں بھائیو رسول اللہ ﷺ نے کیا عظیم الشان بات بتائی؛ یعنی فتنوں کا اِس پر وارد ہونا اس کی لو بڑھاتا ہے اور اس کی سفیدی اور اجلاپن میں اضافہ کرتا ہے!

سبحان اللہ!!!!! قلوب کی زندگی باطل کے خلاف شمشیر بکف رہنے میں ہے!

والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا!!!

درجات میں فرق آنا، قلوب کی حالت پر منحصر ہے:

دو آدمی ایک ہی عمل کرتے ہیں، ایک کا عمل فضیلت میں نہایت بڑھا ہوتا ہے اور دوسرے کا عمل بہت ہلکا رہ جاتا ہے۔اکٹھے، ایک ہی جگہ، ایک سا عمل، ایک سا وقت صرف ہوا، ایک ہی چھت تلے، ایک ساتھ، ایک امام کے پیچھے، دونوں نے نماز ادا کی یا عبادت کا کوئی اور عمل انجام دیا مگر اجر اور فضیلت میں دونوں کے مابین زمین آسمان کا فرق! سبب یہ کہ اعمال کا خدا کے ہاں مول پانا کچھ ان کی ہیئت پر نہیں۔ مسئلہ تعداد اور شمار کا بھی نہیں۔ اعمال وزن پاتے ہیں قلوب کی حالت کے دم سے۔ یہاں کتنا ایمان تھا؟ کتنی محبت تھی؟ کتنی تعظیم تھی۔ خدا کے جلال اور ہیبت کا شعور کتنا تھا؟ خدا کی جانب دل کی توجہ کتنی تھی؟ یہ ہیں وہ اشیاء جن کے دم سے کوئی عمل اتنا وزن پاتا ہے کہ پہاڑ بھی اس کے مقابلے میں کچھ نہ ہوں۔ جبکہ کوئی عمل ہوسکتا ہے ذرہ وزن نہ رکھے۔

ما من مسلم يتوضأ فيحسن وضوئه، ثم يقوم فيصلی ركعتين مقبل عليهما بقلبه ووجهه، إلا وجبت له الجنة. (رواہ مسلم)

"جو مسلمان وضو کرے اور نہایت خوب وضو کرے، پھر کھڑا ہو کر دو رکعتیں ایسی پڑھے کہ دل بھی خدا کے روبرو ہو اور چہرہ بھی، تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے"۔

(وضوء اور ثوابِ وضوء کے ذکر کے بعد، فرمایا:)......فإن هو قام فصلیٰ، فحمد الله وأثنیٰ عليه، ومجده بالذی هو له أهل، وفرغ قلبه لله، إلا انصرف من خطيئته كهيئة يوم ولدته أمه. (صحیح مسلم)

"تو پھر اگر وہ نماز میں کھڑا ہو جائے، خدا کی حمد کرے، اُس کی ثناء کرے، اور اس کے شایان اس کی کبریائی کرے، خدا کے (ساتھ محو ہونے کے) لئے دل کو سب (خواطر) سے خالی کر لے، تو گناہ سے پاک ہونے میں اس کی عین اس دن کی سی حالت ہوتی ہے جب اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا"!!!

اسی طرح، قرآن کی ایک چھوٹی سورت کی نہایت غور، اور تدبر، اور فہم، اور دل کی پوری لگن، اور توجہ کے ساتھ، اور لطف لے کر تلاوت کی ہونا.. اجر میں، اس بات پر سبقت لے جائے گا کہ آدمی شروع سے آخر تک پورا قرآن ختم کر لے نہ اس میں وہ کوئی تدبر کر پایا ہو، نہ فہم، اور نہ دل کی توجہ۔ یوں، کسی شخص کی چند گھڑیوں کی عبادت میں ہو سکتا ہے ایمان کی ایسی افزائش ہو جاتی ہو اور اس کے اندر قرآن کا ذوق یوں چھلکتا ہو، کہ وہ خدا کے ہاں پسندیدگی پانے میں ایک دوسرے شخص کی مہینوں کی ریاضت پہ بھاری ہو!

(مفتاح دار السعادۃ، مؤلفہ ابن القیمؒ ج ۱ ص ۵۵۳)

قرآن کے اندر سورۃ ہود (آیت ۷)، سورۃ الکہف (آیت ۷) اور سورۃ الملک (آیت ۲) میں تنوعِ اسلوب کے ساتھ ایک ہی بات کہی گئی ہے کہ تخلیق کائنات، زمین کی

یہ سب زینت اور آبادی اور موت اور حیات کا یہ سب سلسلہ یہ آزمانے کیلئے ہے کہ انسان کے ہاں حسنِ عمل کس قدر پایا جاتا ہے۔ تینوں آیتوں میں 'حسنِ عمل' کی بات کی گئی ہے نہ کہ 'کثرتِ عمل' کی، جو کہ نہایت توجہ طلب ہے۔

انہی جلیل القدر مطالب کی تکمیل کے پیش نظر...... صالحین کی محنت کا اصل میدان 'اعمال کی کثرت' نہیں بلکہ 'اعمال کا حسن' ہوتا ہے، جو کہ درحقیقت قلوب سے پھوٹتا ہے۔ اربابِ ذوق کو فکر اس بات کی اتنی نہیں کہ 'چیز کتنی ہے'، جتنی فکر ان کو اس بات کی کہ چیز 'معیاری کتنی ہے'!

رہے دوسرے لوگ جو اس علم اور اس ذوق کی نعمت سے محروم رہے......تو وہ عملوں کی 'تعداد' گننے پر لگے رہے اور 'کثرت' پر خوش ہوتے رہے! اونچی چھتیں کیا کریں گی جب بنیادیں بہت کام کی نہ ہوں!!!

دل کی عبودیت، جوارح کی عبودیت سے عظیم تر اور دائم تر ہے:

قلب، مرتبہ میں، سب اعضاء و جوارح پر فوقیت رکھتا ہے۔ لازم ہے کہ قلب کا عمل بھی پھر سب اعضاء و جوارح پر فوقیت رکھے۔ جو شخص شریعت کے حقائق پر غور کرتا ہے وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ 'جوارح کا عمل' 'قلوب کے عمل' کے ساتھ کس انداز میں مربوط ہے، اور یہ کہ قلوب کے اعمال کے بغیر وہ سرے سے فائدہ مند نہیں، اور یہ کہ فرضیت میں قلوب کے اعمال جوارح کے اعمال سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ 'مومن' اور 'منافق' کے مابین پایا جانے والا وہ عظیم الشان فرق جو ہم سب جانتے ہیں، اسی 'اعمالِ قلوب' کے ساتھ ہی تو متعلق ہے، ورنہ 'جوارح کا عمل' تو مومن اور منافق دونوں کرتے ہیں!

آدمی اسلام میں داخل ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کا دل داخلِ اسلام ہوتا ہے۔ پس دل کا عمل پہلے ہوتا ہے اور جوارح کا اس کے بعد یا اس سے متصل۔

قلب کی عبودیت، جوارح کی عبودیت کی نسبت عظیم تر ہی نہیں دائم تر بھی ہے۔ بلکہ یوں کہیے، قلب کی عبادت ہر وقت فرض ہے اور اس میں کسی ایک لمحہ کا بھی تعطل نہیں، جبکہ اعضاء کی عبادت کچھ خاص اوقات میں فرض ہوگی تو کچھ دیگر اوقات میں فرض نہ ہوگی۔ قلب کی عبادت کیا ہے؟ اللہ کے لئے محبت و وارفتگی، توکل، انابت، اخلاص، شکر مندی، خدا کے فیصلے اور حکم پر صبر اور تسلیم، خدا کا خوف، امید اور رجاء اور اسی طرح کے دیگر اعمال جو صرف قلب ہی کے انجام دینے کے ہیں۔ جوارح کے فرائض مانند صوم، صلوۃ، زکوۃ و حج وغیرہ۔

چنانچہ 'ایمان' قلب کا فرض ٹھہرا، جو کہ مسلسل ہے اور اس میں کوئی انقطاع نہیں۔ جبکہ 'اسلام' جوارح کا فرض ٹھہرا جو کہ کچھ متعین اوقات میں ہوگا۔ پس 'ایمان' سے مومن کا قلب تشکیل پاتا ہے اور 'اسلام' سے مومن کے جوارح!

(استدلال ابن تیمیہؒ، مجموع فتاویٰ ج ۱۰ ص ۵...... و ابن قیمؒ، بدائع الفوائد ج ۳ ص ۱۱۴۸)

ابلیس کا اصل نشانہ مومن کا دل ہی ہے:

دشمنِ خدا جو واقف ہے کہ ابن آدم کی اصل دولت کہاں ہے، تو اس کا اصل ہدف بھی مومن کا قلب ہی بنتا ہے۔ سب امور کا دارو مدار جب دل ہے، تو پھر اس کی وارادات یہیں پر سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ چنانچہ وسوسوں کا محل دل ہی بنتا ہے۔ خواہشوں اور شہوتوں کا حملہ یہیں پر ہوتا ہے۔ شیطان کو کچھ بھی گنجائش نظر آئے تو وہ گمراہیاں، ٹیڑھ پن، بدعت، انحراف، ضلالت، شرک، الحاد، طغیانی، سرکشی ایسا بہت سا اپنی ضرورت کا سامان یہیں پر لا دھرتا ہے۔ کتنے ہی دل ہیں جو شیطان کے نہایت بڑے بڑے گودام ہیں اور خلق خدا کو سپلائی کا سب کام وہیں سے انجام پاتا ہے۔

'دولت' والوں نے پس جب یہ دیکھا کہ 'چور' سب سے زیادہ یہیں پر آنیکا موقعہ تکتا ہے اور یہاں اسکا داؤ چل جائے تو وہ کچھ چھوڑتا ہی نہیں، اور یہ کہ یہیں پر قابض ہوجانا

دراصل اسکے پیش نظر ہے.. تو انہوں نے بھی اپنا یہ شیوہ اختیار کیا کہ سب سے بڑھ کر وہ یہیں پر پہرہ رکھیں گے اور ہر دم انکا دھیان بس اسی جانب رہیگا۔ اس کوچے میں 'دولتمندی' کی جانچ کرنی ہو تو، جتنا کوئی بڑا دولتمند ہوگا اتنا ہی وہ اس جانب فکرمند دیکھا جائیگا!

قلوب کے 'طبیب' نادر ہی کہیں ملتے ہیں!

سب سے پوشیدہ مرض وہ ہیں جو قلوب کو لاحق ہو سکتے ہوں۔ دوسرے تو دوسرے، خود مریض کو بیشتر اوقات ان کا ادراک نہیں ہوتا۔ خدا سے غفلت، ناامیدی، بےخوفی، ریاء، خود پسندی، تکبر، شہرت پسندی، جاہ پرستی، غضب، بغض، کدورت، حسد، غرور، بےحیائی، دیوثی، گناہوں کا رسیا پن، حبِ بدعت، صورت پرستی، غیر اللہ کے آگے ذلت اور عاجزی.. غرض ایسے ایسے مرض ہیں جو اندر ہی اندر پلتے ہوں اور کسی کو ان کی خبر نہ ہو، حتیٰ کہ مریض کو بھی نہیں!

پیچھے، ہم قلوب کی اہمیت سے اگر واقف ہو آئے ہیں تو یہ خود بخود واضح ہے کہ دنیا میں امراض کی کوئی سب سے خطرناک اور جان لیوا قسم ہو سکتی ہے تو وہ قلوب ہی کی بیماریاں ہیں؛ یعنی خطرناک بھی سب سے بڑھ کر اور پوشیدہ بھی سب سے زیادہ۔ اکثر کو ان کا پتہ ہی تب چلا جب چڑیاں چگ گئیں کھیت! کوئی اور بیماری ہو، اس کا معاملہ موت سے پہلے بہرحال کھل جاتا ہے۔ پر یہ بیماریوں کی وہ قسم ٹھہری جن کا اندازہ بیمار کو عموماً تب ہوتا ہے جب اس کی آنکھ بند ہو جائے!

انبیاء دراصل تو 'قلوب' ہی کے طبیب تھے۔ نہایت خوب دوا جو لاعلاج سے لاعلاج بیماروں کو شفایاب کر دے، انبیاء ہی کے دینے کی رہی ہے۔ بڑوں کو یہ زعم رہا کہ یہ مسیحائی ان کے کر لینے کی ہے، مگر وہ ہستی جس نے 'قلوب' کو نہایت خوب 'فطرت' پر پیدا کیا...... اُسی کے ہاں سے آنے والے اور اُسی کے 'سند یافتہ' معالج اس مریض کو اُس کے حکم سے صحت یاب کر سکے۔ اوروں نے تو اپنے 'علاج' سے اس کے روگ ہی بڑھائے! بلکہ تو صحت مندوں کو بیمار کرنے کے درپے رہے! وہ 'نسخۂ کیمیا' جس میں اس

مریض کی ایک ایک علت کا نہایت مفصل علاج ہے اور اس کی صحت اور تن درستی کے کمال شرطیہ اکسیر بوضاحت درج ہیں، وہ نسخۂ کیمیا کسی اور پر اترا ہی نہیں، سوائے انبیاء ومرسلین کے!!! صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِمْ!!!

انبیاء کے علاوہ جس جس نے یہاں 'معالج' ہونے کا دعویٰ یا کوشش کی، وہ دراصل انسانوں پر 'تجربات' کرتے اور 'اٹکل' آزماتے رہے! انسانی مخلوق کی اس سے بڑی دشمنی کوئی نہ ہوسکتی تھی!

پس انسانی دنیا پر خدا کی سب سے بڑی کوئی عنایت ہوسکتی تھی تو وہ 'بعثتِ انبیاءؑ' ہے!

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُّبِينٍ (آل عمران ۱۶۴)

"اللہ نے مومنوں پر درحقیقت یہ احسان کیا کہ اُن میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی سکھاتا ہے، جبکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح حالتِ گمراہی میں تھے"

یہاں تک آنے میں شاید بہت لوگ ہمارا ساتھ دیں۔ مگر ہماری بات یہاں ختم نہیں ہوجاتی، سمجھئے شروع ہوتی ہے......

وہ نسخۂ نایاب جو قلوب کی شفایابی کیلئے خدا انبیاء کے ہمراہ بھیجتا رہا اور انبیاء کے سوا وہ کسی کے ہاں پایا نہ جاسکتا تھا.. خدا انسانوں پر اس قدر مہربان رہا کہ وقت آنے پر جب وہ انبیاء کو اٹھا لیتا، تو ان کے ساتھ آیا ہوا وہ نسخۂ کیمیا البتہ نہیں اٹھ جاتا رہا۔ انبیاء کو تو وہ بس اس لئے بھیجتا رہا کہ وہ اِسے خدا سے وصول کر کے انسانوں کو یہ امانت پہنچا کر اور اِس کا طریقۂ استعمال انکو عملاً سکھا کر یہاں سے جائیں۔ انبیاء اِس نسخۂ شفا کو اپنے پیچھے چھوڑ جانے کے لئے ہی اتنی ساری جدوجہد کرتے رہے، نہ کہ ساتھ واپس لے جانے کے لئے!

انبیاء کے ساتھ اترنے والا یہ نسخہ، جسے انبیاء اپنے پیچھے نہایت امین ہاتھوں میں دے کر جاتے اور 'اِس' کی حفاظت کی انکو خاص تلقین کر جاتے اور 'اِس' میں کوئی کمی بیشی ہو جانے کی بابت حد درجہ خبردار کرتے، اور لوگوں کو اپنے سب روگ دور کرنے کیلئے 'اِسی' کی جانب رجوع کی تاکید میں 'حد' کر دیتے...... انبیاء کے ساتھ اترنے والا یہ نسخۂ نایاب 'وحی' کہلاتا ہے!!!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاء لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ قُلْ بِفَضْلِ اللّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُواْ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (یونس:۵۷-۵۸)

''لوگو! تحقیق آ پہنچا تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے: ایک پند، ایک شفا ان (بیماریوں) کے لئے جو سینوں میں پائی جائیں، ایک ہدایت، اور ایک رحمت؛ مومنوں کے لئے.. کہہ دو! یہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہے۔ تو چاہئے کہ خوب خوش ہوں اِس سے؛ یہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں''

یہ نسخہ جو صدور کی تسکین اور قلوب کی شفایابی کیلئے آیا ہے: اس کا نام ہے 'خدا کی وحی'۔ انبیاء اپنے پیچھے درماندہ انسانوں کی مسیحائی کیلئے کچھ چھوڑ گئے تو وہ یہی ہے۔ پس یہ دولتِ دل پائی جاسکتی تھی تو انہی طبقوں کے ہاں جو اس وحی کے امین وحفاظ رہے ہوں۔ منطقی بات ہے، خدا نے 'وحی' کے سوا قلوب کی کوئی شفا اور کوئی غذا اگر نہیں اتاری تو وہ خاتم المرسلین ﷺ کے رحلت فرما جانے کے بعد 'اصحابِ قرآن' اور 'اصحابِ حدیث' کے سوا کسی کے ہاں پائی ہی نہ جاسکتی تھی۔ دورِ سلف کی صدیوں میں یہی نسخہ نہایت کامیابی سے برتا گیا اور آدھی دنیا یہاں جھولیاں بھر بھر کر اپنے من کی مراد پاتی رہی۔ دھرتی پر خیر کی اتنی بارش کبھی نہ ہوئی ہوگی جتنی کہ دورِ سلف کی ان صدیوں میں!!!

مگر پھر کیا ہوا، ایسے لوگ آئے جنہوں نے شفائے قلوب کے معاملہ میں 'وحی' پر انحصار کم کر دیا اور کچھ دیگر 'مجرب' اشیاء آزمانا شروع کر دیں۔ بلکہ کئی ایسے ہوئے جنہوں نے 'وحی' پر انحصار سرے سے ختم کر دیا اور اپنی ہی پراگندہ خیالی کو اس باب میں نہایت 'قابل اعتماد' اور 'قابل ترجیح' جانا۔ اف!!! کس قدر نادان ہے انسان اور کس قدر حد سے گزر جانے والا! إنه كان ظلوما جهولا. ایک زیادتی اور دوسری نادانی، ''وحی'' ہاتھ سے چھوٹے تو یہی چیز ہاتھ آتی ہے اور یہ اِس کو کمال کی چیز لگتی ہے......!

یہ لگے اپنے وہی 'اٹکل' آزمانے جن سے انسان کو کفایت کر دینے کیلئے ہی انبیاء کے جلو میں ایک صاف شفاف ''وحی'' اترتی رہی تھی۔ آپ یہ ترتیبِ زمانی دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ ادھر دورِ سلف یعنی خیر القرون (از روئے حدیث: اسلام کی پہلی تین نسلیں: صحابہ، تابعین، تبع تابعین) کا زمانہ ختم ہوتا ہے، ادھر امت کے اندر جگہ جگہ 'سلسلے' نکل آتے ہیں! 'شفائے قلوب' کا دعویٰ لے کر نئے سے نئے 'طریقے' متعارف ہونے لگتے ہیں۔ سلف کا طریقہ جاتا رہا۔ بات بات پر 'حَدَّثَنَا' کا حسن اب کہاں ملے!!!؟ ایک ایک مسئلہ کے ثبوت پر، نہایت اعتماد کے ساتھ اور پوری دیانت سے، خاتم المرسلین ﷺ تک سند پہنچا کر آنا.. اور اپنی ایک ایک چیز کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے مستند ذخیروں سے ثابت کر سکنا، بلکہ سلف کی طرح پیر پیر پر حوالہ ہی اپنی ہر ہر بات کا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے دینا اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ سے ثبوت کے بغیر کوئی بات ہی سرے سے نہ کرنا.. یہ اِنکا شیوہ تھا، نہ اِنکے بس کی بات، اور نہ اِنکے وارے کی!!! خیر سے کبھی کوئی چیز اِنکے ہاں اگر ایسی ملتی جو 'اخبار' یا 'احادیث' یا 'آثار' کے زمرے میں شمار ہو سکے، تو وہ مرویاتِ 'ضعفاء' و 'متروکین' ہوتیں، بلکہ تو 'موضوعات' کے پلندے!!!

نصیب کی بات ہے، کسی کی زبان پر آیات اور مستند آثار و سنن کے حوالے رکنے کا نام نہ لیں...... اور کسی کی زبان پر 'حدیث' کا ذکر بھی اوپرا لگے

سوائے یہ کہ وہ نہایت ضعیف بلکہ موضوع ہو!!! كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ!!!☆

ان میں سے کچھ اچھے لوگوں نے "ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما إن تمسکتم بھما: کتاب اللہ و سنتی ☆"، پر مشتمل نبویؐ منشور کو قابل اعتناء جانا بھی تو وہ 'شریعت' کے ساتھ تمسک کی حد تک! رہا یہ کہ وہ اپنی 'طریقت' بھی براہِ راست کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے ہی برآمد کریں اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہؐ کی نصوص ہی یہاں بھی پیر پیر پر ان کا مرجع اور حوالہ ہوں...... رہا یہ کہ ان کا 'مشرب' بھی براہ راست کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ کا وہ گھاٹ ہو جس سے خلقِ خدا 'خیر القرون' میں سیراب ہوتی رہی اور جسکے سوا ان کا کوئی گھاٹ نہ تھا......تو "لن تضلوا ما إن تمسکتم بھما" سے یہ مراد لینا ان خردمندوں کے ہاں بھی بڑی حد تک متروک ہی ٹھہرا، سوائے بہت تھوڑوں کے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، خیر القرون کے ختم ہوتے ہی دھڑا دھڑ 'اصلاحِ قلوب' کے نئے سلسلے سامنے آتے ہیں، وہ بھی زیادہ تر عجمیوں کے زیر اثر اور عجمی خطوں میں۔ یہ سلسلے یہاں ہر طرف پھیل جاتے ہیں اور ان کی مسلسل افزائش ہونے لگتی ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں جوں جوں ان کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے توں توں عالمِ اسلام کا معاملہ نیچے جاتا ہے۔ مجالسِ تفسیر اور مسند ہائے حدیث متروک، اب یہاں 'خانقاہیں' اور 'آستانے' متعارف ہوتے ہیں، اور قسما قسم 'خلفاء' اور 'سلسلہ ہائے فیضِ عام'، جنکا نعرہ ہی 'دوائے قلوب' ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے امت میں ہر جگہ یہ نئی طرز کے 'شفا خانے' کھل جاتے ہیں جو اس سے پہلے، خصوصا ادوارِ سلف کے اندر، کبھی دیکھنے میں آئے اور نہ کبھی سننے میں۔

☆ "ہر ایک کے لئے وہ چیز آسان کر دی جاتی ہے جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا" (متفق علیہ، لفظ صحیح بخاری: کتاب التوحید، باب: قول اللہ تعالیٰ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر)

☆ "میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، کہ تم کبھی نہ بھٹکو گے اگر ان دونوں کو مضبوط تھام کر رکھو: اللہ کی کتاب اور میری سنت" (یہ حدیث الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ حدیث کی متعدد کتابوں میں آئی ہے، اور مشہور اور صحیح ہے)

مگر امت کے گراف پر نگاہ رکھنے والا دیکھتا ہے، ادھر 'شفا خانے' بڑھتے ہیں ادھر امت کے 'روگ' بڑھتے ہیں۔ یوں 'بیمار' کی صحت مسلسل نیچے ہی جاتی ہے۔ 'مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'!

'شفا' تو رکھی گئی تھی خدا کی 'وحی' میں:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلاَ يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إَلاَّ خَسَاراً (بنی اسرائیل:۸۲)

''اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے'' (ترجمہ جالندھری)

'وحی' کے سوا 'شفا' کہاں سے ملتی؟!! اور اگر مل جاتی تو 'وحی' کی پھر کیا خصوصیت رہ جاتی؟! یعنی 'غیر دوا' بھی وہی کام کرے جو 'دوا' کرتی ہے؟!!! شفاءٌ لما فی الصدور خدا نے اپنی تنزیل کو کہا ہے۔ 'بدعت' میں اُس نے شفا کب رکھی ہے؟!

وہ 'سلسلے' اور وہ 'طریقے' جن میں قال اللہ وقال الرسولؐ کی گونج صبح شام نہ سنی جاتی ہو اور جن میں ایک ایک بات کیلئے سند کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ سے پیش کرنے کا شدید اہتمام نہ ہوتا ہو...... وہ 'طریقے' خود ایک 'آشوب' ہو سکتے تھے 'علاج' کیونکر ہوتے! ایک آشوب کو بغیر علاج چھوڑ دیا جانا ہی باعث ہلاکت ہے کجا یہ کہ آشوب کو ہی 'علاج' سمجھ لیا جائے!!! ایسا مریض بھلا کب بچ سکتا تھا؟! آخر دین بھی گیا اور دنیا بھی!

ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ قلوب کے طبیب بہت کم ہیں۔ کتاب اور سنت کی بات کرنے والے کئی ایک طبقے بھی، ضروری نہیں، اس میدان میں لوگوں کی تشفی کریں۔ چیز جتنی بیش مایہ، اتنی نایاب! 'طلبگاروں' کا یہ بھی تو امتحان ہے!!!

(اس مضمون میں بعض علمی حوالوں اور آثارِ سلف کی نقول کے سلسلہ میں عربی رسالہ 'اصلاح القلوب' مؤلفہ عبدالہادی بن حسن وہبی یکے از مشائخ لبنان، پر انحصار کیا گیا ہے)

(استفادہ: از الفوائد، مؤلفہ ابن القیمؒ)

تعمیرِ اساس!

عمارت بہت اونچی لے جانا چاہتے ہو تو بنیاد بہت پختہ کر لو......

'اعمال' اور 'فضائل و درجات' ایک عمارت ہیں تو 'ایمان' اس کی اساس۔ بنیاد مضبوط ہو تو عمارت جتنی مرضی اونچی اٹھالو! پیروں میں جان ہے تو بوجھ جتنا مرضی لاد دو!

بالائی عمارت کا کوئی حصہ منہدم بھی ہو جائے تو اس کی تلافی اور اس کی بحالی کچھ اتنی دشوار نہیں۔ البتہ بنیاد کا کوئی کمزور حصہ ڈھ جائے تو پوری عمارت ہی زمین پر آ رہتی ہے۔

پس جو شخص درحقیقت عارف ہے اس کی کل توجہ بنیاد مضبوط کرنے پر رہتی ہے اور اس کی ہمت اور محنت کا بڑا حصہ 'عمارت' کے اسی زیریں حصہ پر صرف ہوتا ہے۔ تب جوں جوں اوپر کے حصہ کا ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے، نہایت شاندار شکل سامنے آنے لگتی ہے!

البتہ ایک جاہل شخص دیواریں اونچی کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ بنیادوں پر عرصے لگا دینا اس کو بڑا ہی عجیب لگتا ہے! اس کی عمارت آئے دن کہیں نہ کہیں سے گری ہوتی ہے، پھر بھی یہ اس کو اوپر سے اوپر اٹھانے ہی کیلئے پریشان رہتا ہے!

عمارت کی بنیاد ایک پوری رتجھ کے ساتھ اٹھانا، غور کیا جائے تو قرآنی ہدایت ہے، نبوی طریقِ عمل اور ایک کارِ حکیمانہ:

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَى مِنَ اللّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىَ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ (التوبۃ: ۱۰۹)

''بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور اُس کی رضامندی پر رکھی وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد، گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اُس کو دوزخ کی آگ میں لے گری؟''

'بنیاد' اور 'عمارت' کا ایک لحاظ سے وہی تعلق ہے جو 'قوت' اور 'بدن' کا۔ زیادہ قوت ہو تو وہ ایک بدن کو پھرتی کے ساتھ اٹھائے پھرتی ہے۔ صرف یہی نہیں، وہ بدن سے ہزار آفتیں بھی دفع کر رکھتی ہے۔ ناتوانی ہو تو بھاری جسم نرا عذاب ہے۔ پھر، ہر آفت جب آتی ہے تو ایسے ہی جسم کو اپنے لئے بہترین آماج گاہ پاتی ہے!

پس لازم ہے کہ تم اپنی ساری عمارت 'ایمان' کی بنیاد پر ہی اٹھاؤ۔ عمارت کی توسیعات میں کوئی خرابی نکل بھی آئے، یا کوئی چیز بس سے باہر بھی ہونے لگے تو بالائی حصہ میں اس کا تدارک کر لینا 'بنیاد' کی مرمت کرانے کی نسبت کہیں آسان ہوگا!

بنیاد ڈالنے کا کام دو حصوں پر مشتمل ہے:

پہلا: صحیح معرفت اور واقفیت پانا: اللہ کی، اللہ کے دین اور مشن کی، اور اُس کے اسماء اور صفات کی،

دوسرا: اخلاص اور یکسوئی پانا اللہ اور اس کے رسول کیلئے انقیاد اور تابعداری کے اندر، اس کے ماسوا ہر چیز سے مکمل دامن کش رہتے ہوئے۔

یہ دونوں خوب محنت کے کام ہیں، جو اگر ہو جائیں تو سمجھو تمہاری بنیاد تیار ہے اور تم اس پر جتنی اونچی چاہو اپنے عمل کی بنیاد اٹھا لو۔

ابتداء کے اندر بھی، اور پھر آگے چل کر بھی جیسے جیسے کام بڑھے، سب سے زیادہ توجہ اسی پر دینا ہوگی کہ جس قدر توسیع ہو رہی ہے اس کا 'بنیاد' سے رشتہ کتنا مضبوط ہے؟ اس میں قوت اور مضبوطی کا کیا معیار رکھا گیا ہے؟ اور اگر کوئی ایسے عوامل پائے

جارہے ہیں جو کہیں کمزوری اور بوداپن لے آنے کا باعث بنیں گے اور عمارت کے کسی حصے کی، بنیاد سے پیوستگی کو یقینی نہ رہنے دیں گے، تو ان کے ازالے کی کیا صورت ہے؟ بے شک کہیں پر بوجھ ہلکا کرنا پڑے، مگر اس بات کا روادار کبھی مت ہونا کہ ایک ایسی عمارت کے مالک کہلاؤ جس کا کوئی بھروسہ نہیں!

بعینہٖ ویسے ہی جیسے قوت اور بدن کا معاملہ ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آدمی کی 'صحت کیسی ہے' نہ کہ 'جثہ کتنا ہے'! چستی، پھرتی اور حصولِ مقاصد جسم کا اصل مطلوب ہے نہ کہ وزن کا بھاری بھرکم ہونا! خون سے بڑھ کر جسم کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے، مگر وہ بھی صاف ستھرا اور صالح مواد پہ مشتمل ہو تو ہی۔ خون پورے جسم میں زندگی بن کر دوڑتا ہے تو خون ہی سب سے بڑھ کر مرض بردار خاصیت بھی رکھتا ہے۔

کوئی جسم اگر دن بدن بے جان ہوتا جارہا ہے، مگر 'وزن' تیزی سے بڑھنے لگ گیا ہے، 'فاسد مادے' نہایت تیزی کے ساتھ سرایت کرنے لگے ہیں اور ان کے اخراج کی کوئی صورت اختیار نہیں کی جارہی، تو وجود کا یہ پھیلاؤ امید افزا ہرگز نہیں بلکہ خوفناک اور تشویش ناک ہے!

کسی وقت جسم کو غذا چاہیے تو کسی وقت فصد اور استفراغ تو کسی وقت فاقہ اور بھوک تو کسی وقت ریاضت! اصل مطلوب جسم کا کارآمد ہونا ہے نہ کہ سیر اور فربہ ہونا!

دھیما چلو مگر کہیں پہنچو سہی! میانہ روی ہی دور دراز کی مسافتوں کو طے کر لینے کی کامیاب ترین حکمت عملی ہے!

☆☆☆☆☆

جیسے جیسے 'عمارت' بنتی جائے، ویسے ویسے مکارمِ اخلاق اور مخلوق کے ساتھ حسنِ معاملہ کا خوش نظر رنگ بھی اِس پر کرتے جاؤ۔ پرہیز گاری کی ایک فصیل بھی ساتھ ہی اس کے ارد گرد کھڑی کرنا ہوگی، دشمن بہت ہیں اور روز نقب لگانے آئیں گے! باہر سے نظر اندر نہ پڑے، اس کا بھی انتظام کرنا ہوگا، دروازوں کھڑکیوں پر کئی طرح کے

'پردے' درکار ہوں گے! سب سے اہم 'مرکزی پھاٹک' ہے، اس پر بڑا سا 'خاموشی' کا تالہ لگا رکھنا ہوگا، جو ضرورت کے وقت ہی کھلے! ہر اس چیز سے جس کے انجام کے معاملے میں تم مطمئن نہیں، اس کا گزر یہاں سے بند رکھنا ہوگا۔ اس قفل کیلئے ایک کنجی بنوا کر پاس رکھنا ہوگی جو ذکر اللہ سے کھلے اور ذکر اللہ سے بند ہو!

اب تمہارا پورا ایک قلعہ تیار ہے۔ قلعہ بغیر پہرے اور سپاہ کے نہیں ہوتا۔ فصیل بھی ہے تو وہ اس لئے کہ دشمن بغیر کسی رکاوٹ کے اندر گھستا چلا نہ آئے۔ البتہ یہاں کماندار کھڑے نہ کر رکھے جائیں تو دشمن کی راہ میں اکیلی فصیل بڑی دیر رکاوٹ بنی نہیں رہ سکتی! دشمن کو ہر حال میں فصیل سے پرے رکھنا ہر اہم کام سے بڑھ کر اہم ہے۔

خدانخواستہ، کسی کوتاہی کے باعث دشمن کو اندر آنے کا موقعہ دے دیا گیا تو اس کو دھکیل باہر کرنا پھر بے حد مشکل ہوگا۔ اس صورت میں یا وہ کوشش کرے گا کہ تم پر قابو پا کر رہے اور یہاں اسی کی مطلق العنانی چلے۔ یا پھر، اگر وہ اتنی قوت نہیں پاتا تو اختیارات میں یہاں تمہارا حصہ دار بن کر رہے۔ یا پھر وہ تمہیں ہر وقت کی جھڑپوں میں یوں الجھا کر رکھے کہ تم اپنے بہت سے مصالح کیلئے وقت، گنجائش اور یکسوئی نہ پا سکو۔

پس ہر دم خبردار رہو، کسی ایک وقت کی کوتاہی نہایت دوررس اثرات کے حامل واقعات کے ایک پورے سلسلے کو جنم دے سکتی ہے! یہاں تک کہ ایک بنی بنائی عمارت ملیامیٹ بھی ہو سکتی ہے!

(استفادہ: از الفوائد، مؤلفہ ابن القیمؒ ص ۱۵۶)

أَفضَلُ الذِّکر "لا اِلٰہ اِلاّ اللہ"

اللہ کے دین کی حقیقت معلوم ہونا انسان کے لیے دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہوسکتی ہے!

یہ 'دین' کیا ہے جس کی حقیقت معلوم ہونا دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے؟

وہ سب جذبات جو بندگی اور پرستش کے الفاظ سن کر آپ کے تخیل میں سما سکیں! وہ سب احساسات جو کسی بڑی طاقتور ہستی کا شدید خوف آنے سے دل پر کبھی گزر جائیں! ایسی وارفتگی جو کسی کی چاہت اور محبت میں سب کچھ بھلا دے! ایسی عاجزی اور حاجتمندی جو انسان کو اپنی ہر سکت سے بے خبر کردے! وہ کیفیت جو وفا اور رضا جوئی کی انتہا ہو اور دل میں آپ سے آپ موجزن ہو۔ ایسا کردار جس میں اطاعت اور فرما نبرداری مجسم ہوکر 'انسان' کی شکل دھار لے......!!!

'دین' حقیقت میں خشیت اور محبت کا ایک ایسا ہی بے اختیار جذبہ ہے۔ بندگی کا ایک لطیف احساس ہے اور کردار کی ٹھوس حقیقت!

اتنی وسعت اور گہرائی تو ابھی لفظِ 'دین' کی ہے!!!

مگر جب یہ 'دین' اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہو جائے پھر تو اس کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اس کیفیت کی تعبیر کے لیے تب انسان کے پاس تکبیر اور تسبیح کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا! جتنا بڑا معبود ہوگا اتنا ہی بڑا اس کا تعارف!!! اب اللہ سے بڑا کون

ہے؟ زمین میں یا آسمانوں میں؟؟؟ وہ تمام جہانوں کا رب ہے!!! رب الاولین والآخرین!!! جو کچھ نظر آتا ہے، جو بڑی سے بڑی چیز ذہن کو متاثر اور مرعوب کرسکتی ہے، اسکی ہے!!! جس ہولناک سے ہولناک مخلوق کا دل پر خوف اور لرزہ طاری ہوسکتا ہے، اسکی ہے اور اس کے عذاب سے پناہ مانگتی ہے!!! جو حسین سے حسین چیز کہیں پائی جاسکتی ہے اور لذت ولطف کی انتہا کہلاسکتی ہے، اس کی قدرت کا کمال ہے!!! پھر اس کی قدرت میں صرف یہی نہیں اس سے بڑھ کر اور بہت کچھ ہے...... اتنا کچھ کہ جو 'نظر' آتا ہے اور 'عقل' میں سماتا ہے وہ اس کے سامنے کچھ نہیں جو نظر سے اوجھل ہے اور عقل پر بھاری ہے!!! اس کی عظمت کے آگے تو بس سجدہ ہوسکتا ہے!!! صرف ماتھا دھرا جاسکتا ہے!!! تخیل اور عقل کو اس کا 'احاطہ' کرنے کے لیے نہیں اس کو 'سجدہ' کرنے کے لیے وجود ملتا ہے!!! انسان اسکی کبریائی کو صرف اپنی عاجزی کا واسطہ دے سکتا ہے!!! ایک انسان ہی کیا زمین و آسمان کی ہر مخلوق اس کے لطف ورحمت کو اپنی ذلت اور لاچاری ہی کا واسطہ دیتی ہے!!!

اتنے بڑے معبود کی تو پہچان ہی کتنی بڑی ہوگی! اس کی صفات کا احاطہ کر ہی کون سکتا ہے! اور اس کی عظمت کا اعتراف تو ہو ہی کیونکر سکتا ہے......!

لوگ تو اپنے چھوٹے چھوٹے اور حقیر معبودوں کی تعظیم سے سیر نہیں ہوتے! 'وطن' کے گیت گاتے نہیں تھکتے! 'قوم' کی ترقی کا ورد نہیں چھوڑتے۔ 'ملک' کے استحکام پر جان دے دیتے ہیں۔ 'آزادی' پر تو قومیں اپنی نسلیں وار دیتی ہیں۔ 'انسانی حقوق' کی راہ میں قربانیاں ایک انسان کو امر کر جاتی ہیں اور لوگ اس کے فنا ہو جانے کے بعد اس کے مجسمے تک پوجتے ہیں!

لوگ 'جمہوریت' کی بحالی کے لیے 'شہید' ہوتے ہیں۔ 'کرکٹ میچ' ہارنے یا جیتنے پر لوگوں کو دل کے دورے پڑ جاتے ہیں۔ سیاسی اور فلمی 'ستاروں' کی موت پر غشیاں پڑنے لگتی ہیں!

قبیلے، برادری اور ملک کی جنگ میں، مائیں اپنے سپوت پیش کر دینا ہر دور میں باعث شرف سمجھ لیتی رہی ہیں۔قوم کے محسنوں کو 'زندہ و پائندہ باد' کے نعروں سے صبح شام عقیدت کا خراج پیش کیا جاتا ہے۔ وطن کے پرچم کو 'ایڑی چوٹی' کے پورے زرو سے سیلوٹ ہوتا ہے اور قومی تفاخر کے مواقع پر اس کی مورتی دل کے پاس سینے پر سجائی جاتی ہے! پتھر اور لکڑی جیسی حقیر چیزیں بھی اگر قومی یادگاروں میں استعمال ہو جائیں تو انکے تقدس کا یہ حال ہوتا ہے کہ ایسے پتھر اور لکڑی کے لیے 'توڑنے' یا 'گرانے' کے لفظ تک حرام ہو جاتے ہیں!

کسی بھی قوم کے ہیرو یا ملک کے بانی کی توہین ہو جائے یا اسکے بت کی بے حرمتی، اس پر جلوس نکل سکتے ہیں۔ اس کے لیے معمولی نازیبا الفاظ کے استعمال پر قیامت برپا ہوسکتی ہے، اگرچہ رب العالمین کے ساتھ صبح و شام وہاں کیسا بھی کفر اور بغاوت کیوں نہ ہوتی رہے!

ایک ہاتھ پیر ہلانے سے عاجز بزرگ کی پس مرگ زیارت کے لیے ہزاروں میل کا پیادہ پا سفر کرکے عقیدت کا 'ادنیٰ' سا اظہار کیا جاتا ہے! ایک مردے کی قبر کی توسیع کیلئے یہاں آدھا شہر اٹھا دیا جاتا ہے! ایک مٹی میں ملے معبود کی 'خوشی' کی خاطر ہزاروں زندوں کا نقصان خوشی خوشی جھیلنا 'سعادت' سمجھا جاتا ہے!

حیران کن بات تو یہ ہے کہ ان جھوٹے اور حقیر معبودوں کے لیے یہ جو کچھ ہوتا ہے، اس میں ان معبودوں کا کوئی بھی کمال نہیں! دراصل 'عبادت' ایک جذبہ ہی ایسا ہے! 'بندگی' چیز ہی ایسی پیاری اور خوبصورت بنائی گئی ہے! تبھی تو صرف یہ اللہ کا حق ہے!! پرستش مر مٹنے کا نام ہے۔ سچ پوچھیں تو مر مٹنے کا اپنا مزہ ہے۔اس کے بغیر انسان ادھورا ہے۔تبھی تو لوگ دیوانے ہو جاتے ہیں! مر مٹنے کے لیے 'کوئی بھی' چیز ڈھونڈتے ہیں! مٹی نہ ملی تو پتھر اٹھا لیا۔ پتھر نہ ملا تو لکڑی تراش لی۔لکڑی سے جی بھر گیا تو پلاسٹک

سے بہلا لیا! زندوں سے مایوس ہوا تو مردوں کا رخ کر لیا! کیسی وحشت ناک زندگی ہے یہ! اصل معبود نہ ملے تو انسان کیسے پاگل ہو جاتا ہے! کیسے کیسے خبط مارتا ہے! انسان اللہ سے واقف نہ ہو تو کتنا حقیر ہو جاتا ہے! کیسی گھٹیا حرکتیں کرتا ہے! قوم پر مرتا ہے۔ عصبیت پہ فدا ہوتا ہے۔ روپے کو خدا بنا لیتا ہے۔ پیسے کو خوشی اور غم کا راز سمجھ بیٹھتا ہے۔ لکڑی، پتھر اور کپڑے کے حضور کبھی مذہبی اور کبھی قومی جوش وخروش کے ساتھ آداب اور کورنش بجالاتا ہے۔ مُردوں کو خوش کرنے کے لیے معصوم بچوں کے منہ کا نوالہ چھین کر ایک بے حس وحرکت معبود کو چڑھاوا دے آتا ہے۔ زندوں اور مردوں کو ہیرو بنا کر پوجتا ہے اور انکی شان میں گستاخی کو برداشت سے باہر سمجھتا ہے۔ حقیر ہستیوں کی عظمت وناموس کے لیے مرنے مرانے پر اتر آتا ہے۔ ملک کی عزت پہ کٹ مرتا ہے اور وطن کی مٹی کو سلام پیش کرتا ہے...... اور وہ مالکِ ارض وسماوات جو حق رکھتا ہے اس جان پر، پرستش کے ان نفیس جذبات پر، اُس ایک کو بھول جاتا ہے! کیسا ظالم ہے وہ انسان جسے عقیدت اور بندگی کا خراج دینے کو جہانوں کا رب نظر نہ آئے تو وہ اسے مٹی پہ ڈھیر کر دے!

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ أَئِفْكاً آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (الصافات ۸۵۔۸۷)

(ابراہیمؑ نے) جب اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیا تم پوجنے بیٹھے ہو؟ نرے بے حقیقت من گھڑت معبود۔ یہ تم اللہ کو چھوڑ کر پوجنا چاہتے ہو؟ پھر یہ تو بتلاؤ کہ تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟

مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَاراً ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَاراً ۝ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقاً ۝ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوراً وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجاً ۝ وَاللَّهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتاً ۝ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا

وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجاً وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطاً لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلاً فِجَاجا (نوح ۱۳-۲۰)

(نوحؑ نے کہا) تو کیا تمہیں بس ایک اللہ ہی کے مرتبے کا پاس نہیں!
وہ تو وہ ہے جس نے مرحلہ در مرحلہ تمہاری تخلیق کی۔
کیا دیکھتے نہیں وہ اللہ جس نے سات آسمان تہ در تہ بنائے۔
پھر ان میں چاند کا اجالا کر دیا اور سورج کا چراغ دھر دیا،
اور تم کو بھی زمین سے کیا عجب طریقے سے اگایا اور وجود دیا
وہ تو تمہیں پھر اسی مٹی میں ملا ڈالے گا، پھر اس سے یکا یک وہ تم کو نکال کھڑا بھی کر لے گا۔
اور زمین کا تمہارے لیے فرش بچھایا۔
تا کہ تم اس کے اندر کھلے راستوں اور وادیوں میں چلو'

پس یہ 'بندگی' تو بذات خود کتنی بڑی زبردست اور حیران کن چیز ہے! پھر جب یہ اللہ کے لیے ہو جائے.. اور ایک اسی کی ہو جائے.. تب تو یہ دنیا کا سب سے بڑا واقعہ کیوں نہ ہو، نہ صرف سب سے بڑا واقعہ بلکہ خوبصورت ترین اور برحق ترین بھی!

غرض ''اللہ کے دین'' کا مطلب ہوا کہ آدمی کو بندگی کی اصل حقیقت معلوم ہو اور پھر......اللہ کی پہچان ہو جائے! تب اس کی خوشی اور سعادت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہتا!

علم کے پس یہ دو ہی حقیقی میدان ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں اشرف العلوم ہیں: ''بندگی کی حقیقت'' اور ''اللہ کا تعارف''..

پھر انکے ساتھ ایک تیسری چیز اور شامل ہو جاتی ہے جس کی سب کی سب اہمیت ہے تو انہی دو باتوں کے دم سے مگر اہمیت بہت ہے بلکہ اتنی زیادہ کہ لگتا ہے یہی اصل ہے: اس علم کا نام ہے شرک سے بچنا اور مشرکوں سے براءت رکھنا......

دین دراصل کوئی مصنوعی چیز نہیں۔ بندگی کا جذبہ انسان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ کسی نہ کسی چیز کو ٹوٹ کر چاہنا انسان کی مجبوری ہے۔ پھر جسے یہ ٹوٹ کر چاہے اسے پا نہ سکنے کا ڈر اور بے یقینی کے اندیشے اس کو سب سے زیادہ بے چین رکھتے ہیں۔ حتی کہ اُس کو پالے تب بھی اُسے بچا رکھنے کی لگن اور اُس کے چھن جانے کا خوف ہمیشہ اِس پر طاری رہتا ہے۔ مضبوط سے مضبوط انسان بھی ہر دم انجانے خدشوں کا اسیر رہتا ہے۔ بس چاہت اور ڈر کی یہی حالت اور امید و یاس کی یہی کیفیت 'دین' اور 'بندگی' کہلاتی ہے۔ جیسے پانی کا بہاؤ رکتا نہیں کہیں نہ کہیں سے اپنا راستہ بنا لیتا ہے، اسی طرح ''عبادت'' انسان کے اندر سے باہر آ جانے کے راستے ڈھونڈ لیتی ہے۔ اِس کو کہیں نہ کہیں ضرور 'نکلنا' ہے! یہاں اگر انسان اپنے اصل معبود کو ٹھیک ٹھیک نہ پہچانتا ہو تو کوئی اور ہستی یا اور چیز اِس کو معبود سے بڑھ کر یا اُس جتنی اچھی لگنے لگے گی، کسی اور چیز کی عظمت اور سطوت اِس کو اپنا اسیر کر لے گی اور اللہ سے بڑھ کر خوفزدہ کرے گی۔ یوں یہ اللہ کو چھوڑ کر یا اللہ کے ساتھ ایک اس کی بھی کچھ بندگی کرنے لگے گا، چاہے وہ اِس بات کا شعور نہ بھی رکھے اور چاہے وہ اِسے بندگی کا نام دینے تک کا روادار نہ ہو، مگر یہ حقیقت اپنی جگہ رہے گی......

اِس شرک کا سبب پھر یہی تو ہوا کہ یہ خالق کی پہچان سے کورا اور تہی دامن رہا۔ بس یوں سمجھو کہ صاف ستھری اور پاکیزہ غذا پاس ہو مگر کورپن کی وجہ سے دکھائی نہ دے تو آدمی کوڑے کے ڈھیر سے بھوک مٹانے لگے۔ بھوک تو بھوک ہے اور انسان کو ضرور لگتی ہے! پیٹ میں 'کچھ' بھی پڑ جائے تو ذرا دیر کے لیے سہارا ہو ہی جاتا ہے! مگر غلاظت کھا کھا کر کوئی اسی کا رسیا ہو جائے تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ انسان کی بو کی حس مر جاتی ہے۔ تب گندگی اور پاکیزگی اس کے حساب سے ایک برابر ہوتی ہے۔ بلکہ کسی دوسرے کی نسبت اس کو اپنا ہی 'ذوق' بہتر لگتا ہے! چنانچہ اسلام صرف یہ نہیں کہ آدمی شرک کی

غلاظت سے بچے اور توحید کی پاکیزگی اختیار کرلے۔ بلکہ پورا اسلام یہ ہے کہ آدمی غلیظ لوگوں سے ہی دور رہے اور پاکیزگی پسندوں میں صبح وشام اپنا نام لکھوائے۔ ان میں مل کر ایک 'جتھا' بنے، اور پاکیزگی کا ہی ایک 'ماحول' اور ایک 'دنیا' تعمیر کرنے میں مگن ہو:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ☆

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنيَانٌ مَّرْصُوصٌ ☆

اس 'مشرکوں سے براءت' میں 'شرک سے اجتناب' خود بخود آجاتا ہے۔ اسی لیے قرآن اس پر بے انتہا زور دیتا ہے اور ابراہیمؑ کا تعارف ما كان من المشركين کہہ کر کراتا ہے 'کہ وہ مشرکوں سے الگ تھلگ رہنے والا تھا'

چنانچہ شرک یا مشرکوں سے قربت کا باعث یا تو ''خالق کی پہچان'' سے محرومی ہوسکتی ہے اور یا پھر ''بندگی کی حقیقت'' سے ناآشنائی۔

آدمی اپنے فعل کا مطلب نہ جانتا ہو تو اس کو کیا معلوم کہ وہ کسی کی بندگی کررہا ہے یا اپنا کوئی روزمرہ کا کام! خصوصاً 'عبادت' اگر وہ 'مذہب' اور 'دھرم' کے چند مخصوص افعال ہی میں محدود سمجھ لے اور عبادت کے بہت سے کام عبادت نہ جان کر غیر اللہ کے لیے کرتا رہے☆......تو چاہے لاکھ وہ اللہ کی حمد اور تسبیح اور رکوع وسجود کا قائل رہے اس کی بدبختی کے

---

(۱) البقرۃ ۲۲۲ ''اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو توبہ کرتے رہنے والے ہوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والے"

(۲) الصّف ۴ "اللہ کو وہی لوگ پسند ہیں جو ایک صف بن کر اسکے راستے میں لڑتے ہیں گویا وہ کوئی سیسہ پلائی عمارت ہیں"

(۳) جیسا کہ عدیؓ بن حاتم کے بیان کے مطابق (مسند احمد) بہت سے نصاریٰ کو معلوم نہ تھا کہ کسی سے حلال اور حرام کے پیمانے لینا اس کی عبادت کرنا ہے جیسا کہ آج بہت سوں کو معلوم نہیں کہ کسی کا قانون تسلیم کرنا دراصل اسکی عبادت ہے

لیے یہ بھی کافی ہے۔اس صورت میں بھی وہ شرک کا مرتکب ہوسکتا ہےاور مشرکوں کا ساتھی۔نتیجہ یہ نکلا کہ اس بدبختی سے بچنے کے لیےاور ابدی سعادت کے حصول کی خاطر ''بندگی کا مطلب'' جاننا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ''معبود کا تعارف''!

چنانچہ اب ہمارے پاس تین چیزیں ہوگئیں: اللہ کا تعارف۔ بندگی کی حقیقت۔اور شرک ومشرکین سے برأت۔

یہ تین باتیں اتنی عظیم الشان ہیں کہ بس یہی سکھانے کے لیے آسمان سے کتابیں نازل ہوتی رہیں اور پے درپے رسول مبعوث ہوئے۔یہی باتیں ہر دور میں اہل حق کی دعوت کا بنیادی مضمون رہیں اور یہی انکی ساری محنت اور جدوجہد کا اصل محور۔یہی انکی بار بار کی تکرار کا موضوع تھا۔اسی بات پر ہمیشہ انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین نے دنیا سے جنگ کی اور اسی پر صلح۔☆ صرف اسی پر انکی دوستی ہوئی اور اسی پر دشمنی۔اسی پر جینے کی تمنا ہوئی اور اسی پر مرنے اور جان دینے کی آرزو۔ایسا ہو بھی کیوں نہ،اس پر تو جنت اور جہنم کے فیصلے کا مدار ہے! آیئے ذرا اس پر غور کریں کہ اس مسئلہ پر اتنا زور کیوں دیا گیا اور رسولوں اور کتابوں کا یہی اصل موضوع کیونکر ہے......

کہنے کو کہا جاسکتا ہے کہ یہ باتیں جنہیں ہم دینِ توحید کا نام دیتے ہیں گنتی کے چند جملوں میں بیان ہوسکتی ہیں۔پھر اسکے لیے اتنے لمبے چوڑے بیان کی کیا ضرورت تھی؟! یہ باتیں تو ایک معمولی ادیب بھی ایک آدھ صفحے پر سمیٹ سکتا ہے پھر اس پر طوالت اختیار کرنے میں رب العالمین کی آخر کیا حکمت ہوسکتی تھی؟! رسولوں اور نبیوں کو برسوں بلکہ صدیوں اس پر جان کھپانے کی کیا احتیاج ہوسکتی ہے؟! ضرور قرآن کا اصل موضوع کوئی اور ہے آسمانی صحیفوں کا مقصد کچھ اس سے بڑھ کر ہے اور رسولوں کی طویل

☆ لفظ صلح سے یہاں ہماری مراد ''ھدنہ'' یا دوطرفہ طور پر طے شدہ وقتی جنگ بندی (Temporary Ceasfire) نہیں بلکہ قرب واپنائیت اور دوستانہ بقائے باہمی ہے۔

محنت اور جہاد کا موضوع بھی اس سے زیادہ طویل وعریض اور پر مغز و دقیق ہے؟! اور یہ بھی کہ اس توحید کی ضرورت اور اہمیت بجا، مگر اس کے سوا اور بھی تو زمانے میں غم ہو سکتے ہیں جن کا علاج بھی ایک انبیاء ہی کا فرض تھا، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انبیاء نے ایک شرک کے سوا دنیا کے اور کسی غم کا حال نہ پوچھا ہو یا انسانیت کا کوئی دکھ مداوا کئے بغیر چھوڑ دیا ہو؟!

مگر سوال یہ ہے کہ دنیا میں کونسی دعوت ایسی ہے جو چند لفظوں میں بیان نہ ہوسکتی ہو؟ انسانیت کا کونسا 'بنیادی' مسئلہ ایسا ہے جو ایک صفحے میں عرض نہ کیا جا سکے؟ کونسا ازم کونسا فلسفہ کونسا دین کونسا فرقہ یا کونسی جماعت اور تحریک دنیا میں ایسی ہے جس کا مدعا چند جملوں میں نہ آ جاتا ہو؟ پھر اتنا لٹریچر اتنی کتابیں اتنے پرچے اور رسالے اتنی تقریریں کانفرنسیں ، جلسے اور جلوس آخر کس موضوع پر ہو جایا کرتے ہیں؟ اور کیا اتنا کچھ لکھنے اور بولنے کے لیے اسے 'تبدیلیِ موضوع' کی ضرورت پڑ جایا کرتی ہے یا پھر یہ سارا جوش اسی ایک 'بنیادی موضوع' کا مرہون منت ہوتا ہے؟؟؟ پھر جن ادیبوں اور شاعروں کی قادر الکلامی پر دنیا کو بڑا ناز ہے انہی کو لے لیجئے، یہ شمع اور پروانے کی کہانی کو بھلا کتنے لفظ چاہئیں!؟ رخِ یار کی حکایت کتنی طویل ہونی چاہیے!؟ محبوب کا روٹھ جانا یا روٹھ کر مان جانا کتنا وسیع موضوع ہوسکتا ہے!؟ یہ وصل اور ہجر کی داستان کو کتنے صفحے درکار ہیں!؟ رقیب یا ناصح کے کرتوت بتانے میں کتنا وقت لگتا ہے!؟ پھر یہ شاعری کے طویل وعریض دیوان آخر کن باتوں سے بھرے ہیں، جبکہ خیال یہ ہو جو کہ غلط بھی نہیں کہ بڑے بڑے شاعر دریا کو کوزے میں بند کرتے ہیں!؟ اور دیکھ لیجئے، یہ 'وطن کے نغمے' دنیا میں کبھی ختم کیوں نہیں ہوتے!؟ اخباروں اور رسالوں اور سیاستدانوں کی تقریروں میں 'قومی ترقی' کی گردان رکنے میں کیوں نہیں آتی!؟ غربت اور افلاس کا رونا تھم کیوں نہیں جاتا!؟ ظلم اور استحصال کی داستان کا ایک بار خلاصہ کر کے چھوڑ کیوں نہیں دیا جاتا!؟ آزادی کی خوشی

کبھی پرانی کیوں نہیں ہوتی!؟ مٹی میں دفن انسانوں کے مناقب اور انکے لیے زندہ و پائندہ باد کے نعرے فرسودہ کیوں نہیں ہوجاتے!؟ برس ہا برس تک قومی تقریبات پر جو کچھ لکھا اور کہا جاتا ہے اور موجودہ دور میں 'قومی نظریے' پر کسی ملک کے اندر جو کچھ چھپتا اور اداروں میں پڑھایا جاتا ہے اس کی تلخیص کرنے پر آئیں تو آخر کتنے صفحوں کی ضرورت پڑے گی!؟

بات یہ ہے کہ حقائق الفاظ سے بہت بڑے ہوتے ہیں۔ یوں کہیں کہ الفاظ حقائق کا احاطہ کرنے کے لیے ہوتے ہی نہیں۔ وہ صرف حقائق کی جانب انسان کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔ اس لیے انسان جب کسی حقیقت پر ایمان لے آتا ہے یعنی وہ حقیقت اس کے دل میں اترتی ہے تو پھر 'الفاظ' سے اسکی تسلی نہیں ہوتی! تب وہ بار بار وہی الفاظ بولتا اور 'تکرار' سے اسکی کمی دور کرتا ہے۔ پیرائے بدل بدل کر وہی ایک بات کرتا ہے۔ کچھ دیر ٹھہر لیتا ہے تو پھر وہی بات کرتا ہے۔ اِدھر اُدھر کی کوئی بات کرلے تو واپس پھر وہیں لوٹ آتا ہے۔ کسی اور کو اس سے لاکھ بوریت ہو مگر وہ اسی بات میں لطف لیتا ہے۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں ہر آدمی ہر گروہ اور ہر قوم کو غور کرتے رہنا چاہیے کہ وہ کونسی بات ہے جسے بار بار کرنے میں اسے لطف آتا ہے اور جس کی تکرار میں ہی اس کو راحت اور سکون ملتا ہے۔ یہی چیز دراصل اسکا 'دین' ہوا کرتی ہے۔

رب العالمین نے بھی چونکہ اپنے کلام میں انسان سے انسان کی زبان میں خطاب فرمایا ہے اس لیے انسان کی اس ضرورت کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اس نے پورے قرآن میں اپنی صفات کا تعارف، اپنی بندگی کی حقیقت، اور اپنی واحدانیت کا ذکر یوں پھیلا دیا کہ آپ کوئی صفحہ کھولیں یہی بات آپکو نئے سے نئے اور عمدہ سے عمدہ پیرائے میں ملے گی اور صبح بہار سے تازہ اور روئے آفتاب سے روشن تر لگے گی! یہ دل نشین بات اس نے قرآن کے ہر قصے، واقعے اور مسائل واحکام کے ہر حکم، ہر مسئلے اور

آیت میں یوں سمودی ہے کہ آپ اس کی ہر بات کے پس منظر میں یہی بات دیکھیں گے۔ یوں آپکو بس قرآن پڑھنے کی ضرورت ہے، آپ سے آپ بندگی کی حقیقت آپ میں رچ بس جائے گی! اللہ کی عظمت خود بخود آپکے دل میں گھر کر لے گی اور اسکی ہمسری آپکو دنیا میں سب سے بڑی برائی اور انسانیت کا سب سے سنگین جرم نظر آئے گا! قرآن کی ترجیحات جس بے ساختگی سے آپکی ترجیحات بنیں گی اسی نسبت سے آپکا دین، اسلام ہوتا جائیگا! تب آپ دین کی کوئی بات کریں گے اس کے اندر سے قرآن کی یہی حقیقت صاف جھلکتی دکھائی دے گی۔ مگر یہ نعمت اللہ سے طلب کرنی پڑتی ہے ورنہ قرآن سے سوائے اس ایک چیز کے سب کچھ ملتا ہے......خوش قسمت ہے وہ جو قران سے قرآن کا مضمون پڑھ لے!!!

شَهِدَ اللّهُ أَنَّهُ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ وَالْمَلاَئِكَةُ وَأُوْلُواْ الْعِلْمِ قَآئِمَاً بِالْقِسْطِ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّهِ الإِسْلاَمُ (آل عمران ۱۸۔۱۹)

''اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ ایک اس کے سوا کوئی الہ کوئی بندگی کے لائق نہیں ــــ پوری راستی اور انصاف کے ساتھ ــــ اس پر سب فرشتے گواہ ہیں اور علم رکھنے والی تو ہر ہر ہستی یہی شہادت دیتی ہے کہ ایک اس زبردست قوت اور حکمت والے اللہ کے سوا فی الواقع کوئی الہ کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ اللہ کے نزدیک تو دین یہی اسلام☆ ہے''

☆ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّهِ الإِسْلاَمُ ...... آیت میں اسلام پر 'ال' اگر استغراق کا لیا جائے تو مفہوم ہوگا ''اللہ کے نزدیک جو دین ہے وہ تو ہے پورا اسلام' یا یہ کہ ''اللہ کے نزدیک جو دین ہے وہ تو ہے پورا پورا جھک جانا'' اور اگر یہ 'ال' عہد کیلئے ہوتو مفہوم ہوگا ''اللہ کے نزدیک دین تو یہی اسلام ہے'' یا یہ کہ ''اللہ کے نزدیک دین تو ایسا ہی جھک جانا ہے'' اس صورت میں پہلی آیت کو ساتھ ملا کر مراد ہوگی: ''اللہ کے نزدیک تو دین صرف ایسا ہی اسلام ہے یا ایسا ہی جھک جانا ہے جو اس لا الہ الا اللہ کی عملی شہادت ہو' یا یہ کہ ''یہ لا الہ الا اللہ ہی اصل اسلام ہے'' کیونکہ پہلی آیت میں یہ کلمہ دوبار پے در پے گزرا ہے۔

اس آیت میں آپ نے "أُولُوا الْعِلْم" کے الفاظ پر غور فرمایا؟! یعنی اصل علم کی بات یہی ہے کہ آدمی اس لا الہ الا اللہ کی شہادت دے، اور صحیح صحیح شہادت دے، قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ اللہ کے لیے اس کی بندگی اور پرستش کا بار بار اثبات کرے اور غیر اللہ سے بار بار اسکا نفی وانکار...... ہر انداز ہر پیرائے میں کرے، 'دل' سے کرے، 'زبان' سے کرے اور 'عمل' کے ہر ہر پہلو سے کرے...... یہ اس سے بطورِ فرد بھی مطلوب ہے اور بطور جماعت اور تحریک بھی! بطور کنبہ بھی مطلوب ہے اور بطور قوم، ملک، سلطنت بھی! اس کے سوا کچھ بھی مطلوب ہے تو اِسی کی نسبت اور اِسی کے حوالے سے مطلوب ہے۔ فرشتوں اور علم والی ہستیوں کا بھی یہی مطلوب ومقصود ہے۔ وجود میں ہر چیز کا یہی منتہائے علم وسعی ہے...... حقیقی علم ہے ہی صرف یہ، جسے لا الہ الا اللہ کے چند لفظوں میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ باقی سب اس کی تفسیر ہے! پورا دین اسی ایک کلمہ کی وضاحت اور اسی کی تفصیل ہے!!! انبیاء آئے تو اسی لئے۔ خلق وجود میں آئی تو اسی کی خاطر۔ میزان نصب ہوں گے تو اسی کی بنیاد پر۔ عملوں میں جان ہوگی تو اسی کے دم سے۔ دوزخ اور بہشت کے دائمی جہان بسیں گے تو اسی اساس پر۔ پھر یہ انسان کیا ہے اور یہ ملک اور معاشرے کیا چیز ہیں، جو اِن کی زندگی اس کلمہ کی تعبیر نہ ہو؟؟؟!!!

اس دین کی روشنی میں...... اللہ کی کتاب اور رسولؐ کی سنت کی پیروی...... اور سلفِ امت کے انداز میں...... اس لا الہ الا اللہ کی تفسیر ہوتی رہنا ضروری ہے۔ ہر دل کا حال ضرور دوسرے سے مختلف ہے، ہر شخص کی حالت ضرور دوسرے سے جدا ہے، ہر دور کے مسائل مختلف ہوتے ہیں، ہر ملک ہر زمانے کے بت الگ ہوتے ہیں، مگر اس لا الہ الا اللہ کی تفسیر ہر جگہ ہر دور ہر ملک میں ہونا ضروری ہے۔ اللہ کی بندگی ہر حال میں ہر شکل ہر انداز میں ہونا ضروری ہے۔ طاغوتوں سے اس حق کی نفی وانکار ہر حال میں ہر شکل ہر انداز میں ہونا ضروری ہے......

اللہ کے رسول ﷺ جب بھی نماز سے سلام پھیرتے ، ان کلمات کی پکار لگاتے :

لاالہ الا اللہ وحدہ، لاشریک لہ، لہ الملک، و لہ الحمد ، وھو علی کل شیء قدیر، لا حول ولا قوۃ الاباللہ، لا الہ الا اللہ، ولا نعبد الا ایاہ، لہ النعمۃ، ولہ الفضل، ولہ الثناء الحسن، لا الہ الا اللہ، مخلصین لہ الدین، ولوکرہ الکافرون. (رواہ مسلم عن عبداللہ بن الزبیر عن النبیؐ، ودیگر)

”نہیں ہرگز کوئی بندگی اور پرستش کے لائق مگر ایک اللہ۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ بادشاہی ایک اسی کی۔ حمد وتعریف صرف اسی کی۔ وہی ہے جو ہر چیز پہ قبضۂ قدرت رکھے ہوئے ہے۔ کوئی زور نہیں کوئی طاقت نہیں اس سے مدد پائے بغیر۔ خدائی کسی کی ہے نہیں اُس ایک کے سوا۔ ہم پوجیں گے تو صرف اُسی کو۔ نعمتیں صرف اُس کی، فضل صرف اس کا، ستائش کے سب خوبصورت پیرائے اس کے لئے، نہیں ہرگز کوئی بندگی اور پرستش کے لائق مگر ایک اللہ، خالص ترین بندگی ہم اسی کیلئے مخصوص کرتے ہیں...... چاہے کافروں کو یہ سب کتنا ہی برا لگے“

یہ کام، یعنی لا الہ الا اللہ کی عملی تفسیر، جو کہ زندگی کا مقصد ہے اور نجات کا آسرا، بہت عظیم ہے اور نہایت بلند مرتبت۔ اس پر آدمی اللہ ہی سے مدد طلب کرسکتا ہے۔ بلکہ کرتا تو ہے حضورِ قلب اور شعور کے ساتھ کرنا چاہیے۔ **اھدنا الصراط المستقیم** ۔ یہ آدمی کا وِرد تو ہونا ہی چاہیے مگر اس کی سمجھ اور یاددہانی کیلئے اور دین کی حقیقت معلوم کرنے اور اسے بار بار ذھنوں میں تازہ کرنے کیلئے مل بیٹھتے رہنا بھی سلف کی سنت ہے......

مل بیٹھنے کو عربی میں مجلس کہا جاتا ہے اور یاددہانی کو ذکر یا تذکیر۔ مجالسِ ذکر کا تذکرہ آپ اکثر حدیث کی کتب میں پڑھتے ہوں گے۔ جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کہتے ہیں کہ **افضل الذکر لا الہ الا اللہ** یعنی وہ حقیقت جس کا تذکرہ واعادہ انسان کے حق

میں برگزیدہ ترین ہے اور جس کو قلب وذہن میں تازہ رکھنا اور زبان اور بیان کی زینت بنائے رکھنا مالک کی نگاہ میں اعلیٰ ترین ہے اور جس کے مضمون کی گونج ہر دم سنائی دیتی رہنا انسانی دنیا کے اندر نہایت عظیم سرگرمی ہے اور جس کا واسطہ دے کر اس کائنات کے خالق اور فرماں روا کو آواز دینا مؤثر ترین ہے، وہ ہے یہ 'حقیقت' اور یہ 'ورد' اور یہ 'مضمون' کہ: "نہیں ہرگز کوئی بندگی اور پرستش کے لائق مگر ایک اللہ"......!!!

خوش نصیب ہے وہ فرد جس کا خلوت وجلوت کا یہی موضوع ہو جائے......

سرخ رو ہے وہ گروہ، وہ تحریک، وہ معاشرہ اور وہ ملک جس کے مضامین میں سرفہرست بات اور اس کا سب سے اہم مقدمہ جو دنیا کو سننے کو ملے وہ یہی ہو: "نہیں ہرگز کوئی بندگی اور پرستش کے لائق مگر ایک اللہ"......!!!

عبرت نگاہ!

تاریخ ایک کھلی کتاب ہے یہ ہمیشہ ہی کھلی رہتی ہے۔ مگر پڑھی بہت کم جاتی ہے۔ اسے بس کوئی خوش قسمت ہی پڑھتا ہے۔ آپ کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہوگی؟ غالبًا یہی کہ کتاب کھلی ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے جب تک آنکھیں کھلی نہ ہوں۔ ویسے قرآن بھی تقریباً یہی بات کہتا ہے، یہ ضرور ہے کہ قرآن کا انداز اس مسئلے پر بہت سخت ہو جاتا ہے......:

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُو (الحج ۴۶)

”کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں آندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں؟

قرآن تو ایک اور کتاب کی جانب بھی ہر لمحہ انسان کی توجہ مبذول کراتا ہے۔ یہ کتاب بھی ہر دم کھلی رہتی ہے۔ جو اِسے پڑھتا ہے، جو اِس کے خوبصورت اور دیدہ زیب صفحات الٹتا ہے، **سبحان ربی العظیم** کہنے کا لطف بھی بس وہی پاتا ہے۔ یہ کھلی کتاب اُس کی کائنات ہے۔ پڑھنے والے اِسے ہر دم پڑھتے ہیں۔ انسان خود بھی اِسی کتاب کا ایک ورق ہے۔ اِسے پڑھنے والے ہی اپنے اندر بھی جھانکتے ہیں۔ تب

انہیں اپنے اندر و باہر، وجود کے ہر افق پر، اللہ کی آیات اور نشانیاں ہی نشانیاں دکھتی ہیں۔ ہر طرف انہیں خالق کی عظمت اور کبریائی کے دلائل نظر آتے ہیں۔ یہ اس کی قدرت کے کمالات کا مشاہدہ کرنے میں صبح شام لگے رہتے ہیں۔ اُس کی تخلیق کے لطیف دقائق اور اِس بے تحاشا کائناتی جمال سے لاکھوں پیغام پاتے ہیں۔ تب کائنات کا سارا حسن ان کے سجدوں میں آ رہتا ہے۔ ان کی تکبیروں میں ایک بصیرت جھلکتی ہے۔ ان کے قرآن پڑھنے میں ایک سوز ہوتا ہے اور ان کی عبادت میں ایک لطافت اور شیرینی۔ یہ قرآن کی نظر سے کائنات کو پڑھنے کا لطف ہے، جو مومن کے لئے دنیا میں نقد انعام ہے۔

کائنات کی کتاب پڑھنا ہر کسی کے بس میں نہیں۔ اس کو اٹھتے بیٹھتے پڑھنا، کھڑے اور پڑے اس کے اسباق ذہن نشین کرتے رہنا، ہر کسی کا کام نہیں۔ اس کے لئے قرآن نے ایک نہایت خوبصورت مگر کڑی شرط لگا دی ہے...... یہ ہوشمندی کی شرط ہے:

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِّأُوْلِي الألْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُونَ اللّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىَ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱)

''زمین اور آسمان کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے میں ان (اولی الالباب) ہوشمند لوگوں کے لئے تو بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں (تب وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) ''پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے''۔

یہ 'اولی الالباب' ہونے کی شرط پوری کرنا گو بہت کم لوگوں کے حصے میں آتا ہے مگر اس نعمت سے محروم رہنا انسان کا اپنا ہی فیصلہ ہے۔ ورنہ لوگ اس بارے میں اگر اتنے بے بس ہوتے تو 'ہدایت' پانے کا تقاضا اللہ تعالیٰ صرف خاص لوگوں سے بلکہ فارغ لوگوں سے کرتا اور عام لوگوں کو اس تکلیف سے معاف ہی رکھتا، جو بیچارے دیکھنے میں لگتے ہیں کہ بس 'تاریخ کا جبر سہنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ ملک وقوم کی خدمت کے عوض اپنے وڈیروں اور طاغوتوں کا ستم جھیلنے کو وجود میں آئے ہیں۔ جو بیچارے پانچ مرلے کے مکان کا خواب دیکھتے زندگی بتا دیتے ہیں اور روٹی کپڑا اور مکان کی مثلث میں پوری عمر طواف کرتے ہیں۔

اِن کو اس چھوٹی سی مثلث سے نکال کر آفاق اور انفس کی نشانیاں دکھانا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی قرآن اسی پر مصر ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ اِن کو چھوٹی چھوٹی اور حقیر مخلوقات بڑی اسی وجہ سے تو لگتی ہیں کہ اِن کو کائنات کا خدا نظر نہیں آتا۔ مٹی سے بنے ہوئے انسانوں کو لوگ تبھی تو سیلوٹ کرتے ہیں جب اِنہیں مالک الملک کو سجدہ کرنے کا شعور نہیں رہتا۔ لوگ دنیا کی حسرتیں تبھی تو پالتے ہیں جب وہ آخرت کی وسعت سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ لوگ زمین پر تبھی تو مرتے ہیں جب وہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ جس ذلت آمیز زندگی کو لوگ اپنے لئے ہدایت نہ پانے کا عذر سمجھتے ہیں وہی تو ان کا جرم ہے۔ انسان اپنا مرتبہ اور مقام پہچاننا چھوڑ دے، اپنی عقل اور خرد کی سب مہارت روٹی اور کپڑے پر جھونک دے، اپنی سوچ کا وہ استعمال نہ کرے جو اس سے کائنات میں مطلوب ہے، اپنی آنکھوں سے وہ حقائق دیکھنے کا کام نہ لے جو کائنات کا منصوبہ ساز اسے دکھانا چاہتا ہے، اپنے کان اس آواز پر لگانے سے احتراز کرے جو وہ اسے سنانا چاہتا ہے۔ اپنے دل میں کائنات کی سب سے بڑی ہستی کی چاہت اور خوف نہ رکھے.. تو پھر زندگی بھر وہ چھوٹی چھوٹی ہستیوں کی چاہت اور خوف کی ذلت سے کبھی چھٹکارا نہ پا سکے گا۔ پھر یہ اشرف المخلوقات چند مرلوں کے لئے اپنے آپ

کو فنا کر لینے پر ہی تیار رہے گا۔ جو انسان اپنا معاملہ انسانوں کے ہاتھ میں سمجھنے لگے اسے حسرت اور نامرادی کے سوا بھلا کیا ہاتھ آ سکتا ہے؟ اس پستی میں جا گرنے کی نوبت تبھی تو آتی ہے جب انسان اللہ کی تخلیق پر غور کرنا چھوڑ دے اور کائنات کے پیچھے ایک بہت بڑے ہاتھ اور طاقتور ہستی کو محسوس کرنے کا لطف کھودے!

'کائنات' کے علاوہ، قرآن 'تاریخ' کی کتاب پڑھنے پر بھی بہت زور دیتا ہے۔ قرآن تو ہمیں حقائق کی اور بے شمار دستاویزات پڑھاتا ہے۔ یقیناً یہ دستاویزات اور یہ کتابیں قرآن آنے سے پہلے بھی کھلی تھیں مگر، جیسا کہ ہم نے کہا، پڑھی نہیں جاتی تھیں۔ دیکھنے کے لئے آنکھوں کی شرط ہے۔ بینائی کی ضرورت ہے۔ کیا یہ آنکھیں اور یہ بینائی ایک دم کہیں سے آ جاتی ہے؟ آنکھیں ہوتی تو پہلے سے ہیں۔ یہ اللہ کی فطرت کا حصہ ہے جو اپنی اصل حالت میں پیدا کی گئی ہے۔ ہر مولود اس فطرت کے ساتھ دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ اس آنکھ پر 'معاشرے' کا پردہ آ جاتا ہے۔ تب وہ سب حقائق اپنے 'معاشرے' کی آنکھ سے دیکھنے لگتا ہے۔ اسکے لئے دنیا وہی ہوتی ہے جو 'بڑے' سمجھیں۔ جو اخباروں میں چھپے۔ جو ٹی وی میں نشر ہو۔ جو درسی کتابوں میں لکھا ہو۔ قرآن اس کی نظر ٹھیک کر دیتا ہے تو اس کی نگاہ دور دور تک دیکھنے لگتی ہے۔ حقائق اسے بہت صاف نظر آتے ہیں۔ تب 'بڑوں' سے اس کی لڑائی ہو جاتی ہے۔ 'معاشرے' سے جنگ ہو جاتی ہے۔ معاشرہ اسے حقائق جس طرح دکھانے پر ضد کرتا ہے یہ اس سے مختلف دیکھتا ہے۔ معاشرہ تو خود اندھا ہے جو اسے بھی کھینچ کر جہنم میں لے جا رہا ہے۔ اسے سامنے دہکتی آگ کا گڑھا نظر آتا ہے یہ اس میں کودنے کے لئے تیار نہیں۔ معاشرہ جسے سیلوٹ کرتا ہے یہ اسے پاؤں سے مسل دینے کے قابل سمجھتا ہے۔ کوئی اس کی نظر میں اونچا ہو تو یہ اسے سلیوٹ کرے۔ تعظیم سے سر اس کے آگے جھکائے۔ مگر اسے تو یہ سب کیڑے مکوڑے لگتے ہیں۔ اس کرسی پر تو روز نیا چہرہ ہوتا ہے۔ سلامی کے اس چبوترے پر تو روز نئی صورت ہوتی ہے۔ اسے تو اس سے غرض نہیں کہ اس وقت اس چبوترے پر کون

کھڑا ہے۔ یہ تو پوچھتا ہے کہ وہ پچھلا کہاں ہے؟؟؟ ☆ جس انسان کو پچھلے سال اسی میدان میں اسی دن اسی گھڑی تنے ہوئے سینے اور توانا بازو سلام کر رہے تھے، قوم کے چنے ہوئے گبھرو سلامی کی صورت میں جسے اپنی جوانی کا خراج پیش کر رہے تھے، جس کے لئے پچھلے سال اسی میدان میں، اسی دن، اسی گھڑی ہزاروں بوٹوں کی دھمک سے دھرتی ہل رہی تھی وہ اب کہاں ہے؟ وہ کس حال میں ہے؟ وہ کس جیل میں ہے؟ کیا اسے وقت پر روٹی ملتی ہے؟ اس کی کوٹھڑی کتنے 'مرلے' کی ہے؟ کیا اسے مچھر تو نہیں کاٹتے؟ پسو تو نہیں لڑتے؟ چارپائی پر سونے کی اجازت ہے؟ اس کی قضائے حاجت کا کیا بندوبست ہے؟ تب اسے اکیس توپوں کی سلامی نہیں سنتی۔ قومی ترانے کی دھن بھول جاتی ہے۔ گارڈ آف آنر کا شور پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ پچھلے سال بھی یہی ٹی وی تھا۔ شاید اناؤنسر بھی یہی ہو۔ باچھیں کھلا کر آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے والے صاحب بھی شاید یہی ہوں ورنہ اسی دفتر کے کوئی آدمی ہونگے۔ مارچ پاسٹ کرنے والے دستے بھی شاید وہی ہیں وردیاں بھی وہی ہیں۔ بس 'وہ' نہیں ہے۔ باقی سب کچھ وہی ہے۔ باقی تو سب کچھ وہی رہتا ہے۔ بس وہ اوپر والا بدل جاتا ہے۔ دنیا کے 'اوپر والے' اور اس کے 'اوپر والے' میں بس یہی فرق ہے۔ یہ جسے 'اوپر والا' مانتا ہے وہ ہمیشہ اوپر ہی رہتا ہے۔ اس کے نیچے آنے کا سوال نہیں۔ وہی حی القیوم ہے۔ قائم ودائم ہے۔ زندہ اور پائندہ ہے۔ تب اسے یہ پاگل نظر آتے ہیں جو گوشت پوست کے ایک انسان کو سلامی دینے میں لگے ہیں۔ اکیس توپوں کی گھن گرج سے اس کی تعظیم بیان کرتے ہیں۔ اس کے لئے زندہ و پائندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ یہیں اسی میدان میں کل کوئی دوسرا زندہ اور پائندہ ہوگا۔ یہی توپیں کل کسی اور کی عظمت کا اعلان کریں گی۔ یہی کیمرے کل کسی اور چہرے پر نصب ہونگے۔ اور سب سے بڑا پاگل اسے وہ نظر آتا ہے جو چبوترے پر کھڑا

☆ یہ مضمون ابتداء 2000ء میں لکھا گیا تھا، جب ایک حکومت کا تختہ الٹے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا اور معزول حکمران پر سخت وقت بیان کیا جاتا تھا۔ بعدازاں کچھ ردوبدل کر کے یہ مضمون 'ایمان کا سبق' میں شامل کیا گیا۔

سلامی وصول فرما رہا ہے۔ جسے بت بنا ٹی وی سکرینوں پر پورا ملک دیکھ رہا ہے تو اسے اپنی قسمت پر یقین نہیں آتا۔ یہ اپنے بخت پر بار بار ناز کرتا ہے۔ کل جو یہاں کھڑا تھا وہ بھی ایسے ہی جم کر کھڑا تھا۔ جو بھی یہاں آتا ہے بس جم کر ہی کھڑا ہوتا ہے۔ انسان زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہی 'اوپر' جا سکتا ہے! نیچے کی چیز 'اوپر' جا ہی کیسے سکتی ہے!؟ زمین کو پیدا کرنے والے نے کشش ثقل میں بڑا سبق رکھا ہے۔ نیچے سے اوپر جانے میں بڑا زور اور وقت لگتا ہے اور تیزی سے نیچے آنے کا تماشا دنیا کو بہت بھلا لگتا ہے!!!

یہ توپیں، یہ دستے، یہ سلامیاں، یہ کیمرے آخر ہرجائی کیوں ہیں؟ یہ کسی کے وفادار کیوں نہیں؟ ان بے وفاؤں سے سلام کروانے میں کیا نشہ ہے؟ اگر سامنے کھڑے انسان کی یہی وقعت ہے، تخت اور تختے میں اتنا ہی کم فرق ہے، اِس چبوترے اور اُس کوٹھڑی میں فاصلہ اگر اتنا ہی کم ہے تو یہ سلامی اور سیلوٹ کسے کرتے ہیں؟ یہ تو ان بیچاروں کو بھی معلوم نہیں! یہ بات تو خیر بتا ہی کون سکتا ہے! قرآن پڑھے بغیر یہ کیسے سمجھ میں آ سکتی ہے؟ چیز سامنے پڑی ہو تو بھی اندھیرے میں کہاں نظر آتی ہے؟ دیکھنے کے لئے آنکھیں ہوں بھی تو روشنی کی ضرورت سدا رہتی ہے۔ روشنی زمین پر نہیں، آسمان سے آتی ہے۔

قَدْ جَاءكُم مِّنَ اللّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلاَمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنِ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (المائدہ:۲۱۔۲۰)

"تمہارے پاس تو اللہ کی طرف سے ایک روشنی آ گئی ہے اور ایک ایسی حق کو دکھلا دینے والی کتاب جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے"۔

قرآن ایک دل کو روشن کرتا ہے تو اسے حساس اور لطیف بنا دیتا ہے۔ یہ دل پھر ہر خبر اور ہر واقعے سے درست سبق لیتا ہے۔ دنیا ظاہر کو دیکھتی ہے تو اس کی نظر باطن

تک جا پہنچتی ہے۔ یہ امروز کا بندہ نہیں رہتا۔ یہ امروز کو دیروز اور فردا سے ملا کر دیکھتا ہے تو اسے حقائق دنیا کی نگاہ سے یکسر مختلف نظر آتے ہیں۔ 'آنے والے' ہی نہیں 'جانے والے' بھی اس کی نگاہ میں رہتے ہیں۔ یہ جانتا ہے کہ لوگ دراصل یہاں جانے کے لئے آتے ہیں اور ہر آنے والا اصل میں تو جانے والا ہے۔ اور یہ 'آنے' اور 'جانے' کا سارا چکر تو محض اس لئے ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو اپنی اوقات دکھانے کا آزادانہ موقع ملے۔ مالک اِس کے اپنے ہی عمل کا اِسکو بدلہ دے اور دنیا بھی اِس کی نیکیاں یا اس کے کرتوت دیکھ لے۔ یہ سوچ کر اِسے جھرجھری آ جاتی ہے۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لوگ یہاں کس کام سے آئے ہیں اور کس کام میں لگے ہیں۔ یہ اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہے کہ یہ دنیا میں کسی فساد کا حصہ بنے یا اپنے پیچھے انسانیت کے لئے کوئی بری یادگار چھوڑ جائے۔

قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيراً لِّلْمُجْرِمِينَ (القصص: ١٧)

''موسیٰ نے کہا: اے میرے رب تو نے جو مجھ پر احسان کیا میں بھی اب ہرگز بدمعاشوں کا مددگار نہ بنوں گا''۔

قرآن تاریخ کا ایسا سبق پڑھاتا ہے کہ مستقبل بینی کا سلیقہ بھی ساتھ آتا ہے کیونکہ قرآن ذہن کو نہیں دل کو خطاب کرتا ہے۔ قرآن کا پیدا کردہ انسان بہت لطیف اور حساس ہوتا ہے۔ دنیا والوں کے لئے جو واقعہ معمولی حیثیت رکھتا ہے اِس کے لئے اُس میں بے شمار پیغام پڑے ہوتے ہیں۔ علمِ آثار پڑھنا بس اِسی کو آتا ہے۔ کسی بستی کا پن گھٹ اجاڑ پڑا ہو، کنویں کے منڈیر ٹوٹے ہوں، اس پر پانی بھرنے والیاں ساتھ کے قبرستان میں سوئی پڑی ہوں تو یہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ آخر ان کو کونسا سانپ سونگھ گیا؟ کوئی عالیشان محل ویران پڑا ہو، کسی بادشاہ کے گھر کو سیرگاہ بنا دیا گیا ہو، کسی ملکہ کی آرام گاہ پر ٹکٹ لگا دیا گیا ہو تو اس کے دماغ پر گویا ہتھوڑے برسنے لگتے ہیں۔ اسے ماضی کے متکبروں میں آج کے جباروں کا چہرہ صاف نظر آتا ہے۔ اسے زمین پر انسان کی بڑائی

کی حقیقت اسی اجاڑ بستی کے ویران پن گھٹ کی طرح اور کنویں کے ٹوٹے منڈیر کی طرح نظر آتی ہے جس کے اندر پانی بدبودار اور سڑاند بن چکا ہو۔ کوئی اب اس میں ڈول ڈالے تو کیونکر!

فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج ۴۵۔۴۶)

''کتنی ہی خطا کار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا ہے اور آج وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں۔ کتنے ہی کنویں ویران پڑے ہیں اور کتنے ہی قصر کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔ کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینے میں ہیں''۔

مادے کے ایک پجاری کو زمانے سے یہ عمدہ اور بامعنی سبق کیوں ملیں گے جو اتنی بڑی کائنات کو اور اتنی معنی خیز تخلیق کو محض کسی حادثے کا نتیجہ جانے!؟ اندھی قوتوں کی کارفرمائی سمجھے؟! جو ظالم اپنے خیال میں خود کسی حادثے کا نتیجہ ہوا سے تاریخ اور انسانی وجود میں بھلا کیا سبق ملیں گے!؟ اور وہ بدبخت جو کائنات کو خرد اور حکمت سے عاری بہت سے خداؤں کا بٹوارہ سمجھے، اس میں عبرت کا پہلو کہاں پائے گا؟! یہ سبق تو صرف ایک موحد کو ملیں گے جس کا مالک تنہا اور یکتا ہے! علیم اور حکیم ہے! عزیز اور خبیر ہے! عظیم اور رحیم ہے! لطیف اور جمیل ہے! جس نے انسان کو دنیا میں حالات کے دھکے کھانے اور مخلوق کی ذلت سہنے کے لئے نہیں بنایا بلکہ اپنی کبریائی بیان کرنے کے لئے پیدا کیا ہے! جس مہربان نے انسان کو کسی اور کی خدمت کے لئے نہیں خاص اپنے لئے بنایا ہے! جس نے زندگی اور موت کا سلسلہ انسان کے سبق پانے کے لئے پیدا کر

رکھا ہے! جس کا کوئی فعل بھی حادثہ نہیں ہوسکتا! اس کی فرمانروائی میں جو ہوتا ہے حکمت اور دانائی سے پر ہوتا ہے!!!

جس انسان کا خالق کی حکمت پر یقین ہوگا اور جو جانے کہ واقعات کے پیچھے کوئی اندھی اور بے رحم قوتیں نہیں بلکہ حکمت پر مبنی اصول کارفرما ہیں، وہی ہر واقعے کے پیچھے 'حکمت' تلاش کرے گا اور ہر بات سے 'عبرت' لے گا......

یہ مومن تو اتنا حساس ہوتا ہے کہ ایک حدیث کے مطابق کچھ دنوں کے لئے بیمار بھی پڑے تو سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ مالک کی حکمتوں پر غور کرتا ہے۔ اپنے ایک ایک گناہ کو یاد کرتا ہے۔ اپنے قصور معاف کرواتا ہے۔ کیونکہ جانتا ہے یہ بیماری کچھ اسباب کا نتیجہ نہیں مسبب الاسباب کا فیصلہ ہے جو اسے آزمانا چاہتا ہے اور یا پھر اس کے کسی قصور یا فضول وقتی پر اسے تنبیہہ کر رہا ہے۔ تا آنکہ وہ بیماری سے اٹھتا ہے تو اپنی سب خطائیں معاف کرا چکا ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف ایک منافق اور ایمان سے محروم شخص کا حال ___ حدیث کے بقول ___ ایک گدھے کی طرح ہے جسے نہیں معلوم کہ گھر والوں نے اسے باندھا تھا تو کیوں اور اب چھوڑ دیا ہے تو کیوں؟ ایک چھوٹی سی بیماری سے اتنے بڑے بڑے سبق پانے والا پھر قوموں کی تباہی، امتوں کی بربادی، ملکوں کی ذلت اور بستیوں کی ویرانی میں اسباق لینے سے غافل کیونکر رہ سکتا ہے!؟ قرآن پڑھنے والی امت کو اس پر غور و فکر کرنے کی اشد ضرورت ہے!!!

واقعات میں سبق نہ ہوتا تو قرآن کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ ہمیں گزری قوموں کے احوال نہ سناتا۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ ان داستانوں سے نکلنے والے اسباق کا قرآن ویسے ہی خلاصہ کر دیتا۔ درسی کتابوں کے انداز میں اور نمبر وار نکات کی صورت میں یہ ہمارے لئے وہ سارے زریں اصول بیان کر دیتا جو قوموں کی تاریخ سے ہمیں سیکھنا تھے۔ پھر قرآن نے کیوں یہ واقعات ہی اس شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے؟ قرآن کا کمال یہی ہے کہ یہ اشیاء اور علوم کو اس حد تک آسان کر دیتا ہے جس کے بعد

انسان ان کو سمجھنے لگے اور فطرت کی آنکھ سے حقائق کو درست طور پر خود دیکھنے کے قابل ہو۔ چنانچہ یہ اس بات کی گنجائش بھی ساتھ رکھتا ہے کہ انسان اپنی فکر واستنباط کی صلاحیتوں کا بہترین استعمال بھی ضرور کرے اور اللہ نے اس کے اندر جو سوچنے سمجھنے کی خوبی اور کہانی سے نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت ودیعت کی ہے یہ اپنے آپ کو اس خوبی اور صلاحیت کے استعمال سے فارغ نہ سمجھ لے۔ یوں انسان کو اپنی عقل کی اہمیت اور حدود بھی قرآن ہی نے سمجھائی ہیں۔ زندہ ضمیری اور قوتِ احساس کی عظمت سے بھی اسے قرآن ہی آگاہ کرتا ہے۔ قرآن پر آکر ہی انسان اور کائنات کی فطرت یکجا ہوتی ہے۔

قرآن نے قوموں کے عمرانی حقائق اور اصول اسی وجہ سے نمبروار ملخص نہیں کیئے کہ دراصل یہ انسان کی عقل اور قوتِ استدلال کی بہت قدر کرتا ہے اور اسے ہرگز فضول اور کمتر نہیں جانتا۔ یہ انسان کی ان چھپی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کو اجاگر کرنے آیا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ انسان کا قلب وذہن اعلیٰ خیالات اور پاکیزہ افکار کی کاشتکاری کے لئے بہترین اور نہایت زرخیز زمین ہے، اس میں معاشرے نے جاہلیت کا جو جھاڑ جھنکار بو رکھا ہے اسے جڑ سے اکھاڑ کر اگر ایمان کے بیج بو دیئے جائیں تو ان سے عمدہ خیالی، بلند فکری، حقائق بینی اور واقعہ شناسی ایسے بے شمار پھل حاصل کیئے جا سکتے ہیں جو پوری زمین کو اپنی خوشبو اور مٹھاس سے بہرہ مند کر دیں۔ چنانچہ قرآن کے مخاطب نہ تو مشینیں ہیں اور نہ طوطے بلکہ ایسے لوگ ہیں جو کلام کرنے والے کے مقصد کو پہچانیں۔ اس کی حکمت کی داد دیں۔ واقعے سے سبق لیں۔ کہانی سن لیں تو نتیجہ خود نکالیں اور بات سے بات پانے کا سلیقہ جانیں۔

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ (الزمر:١٨)

”جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔
یہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی دانش مند ہیں“۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کبھی ہمیں عاد کی بستی میں لے جا کھڑا کرتا ہے۔ جہاں حدِ نگاہ تک دیو قامت انسانوں کی لاشیں ہی لاشیں بکھری ہیں۔ ایک دراز قامت اور تنومند انسان کی برہنہ لاش میں کتنے پیغام پوشیدہ ہیں! مگر یہاں تو لاشوں کا ڈھیر پڑا ہے۔ آپ ان کے سر پر کھڑے ہیں۔ موت کی سنسنی اور خاموشی ہے۔ تب قرآن ہمیں یہاں چھوڑ دیتا ہے کہ اپنے اپنے قلب وضمیر اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق ہر کوئی اس سے سبق لے اور جو کہانی سنائی گئی اپنی اپنی سمجھ کے مطابق ہر شخص اس سے نتیجہ اخذ کرے۔ یوں کبھی ہمیں یہ ثمود کی ویران بستی کے سرہانے کھڑا کر دیتا ہے۔ کبھی مدین کے کھنڈر دکھانے لے جاتا ہے اور کبھی قوم لوطؑ کی بستیوں پر پتھر برستے دکھاتا ہے۔ جا بجا ان مناظر میں قومیں اپنے نبیوں سے تکرار کرتی نظر آتی ہیں۔ اصلاح کرنے والوں کو اپنے شہروں اور بستیوں سے نکال رہی ہیں۔ کہیں پاکیزگی پسندوں کو پتھر پڑ رہے ہیں۔ کہیں کوئی نبی اپنی اقوام میں گھرا کھڑا ہے۔ ہر طرف ٹھٹھہ اور مذاق ہو رہا ہے۔ شور میں اس کی آواز نہیں سنی جا رہی۔ مگر قرآن کی مدد سے آپ اس کی آواز سن لیتے ہیں۔ وہ نبی آسمان کی طرف بار بار نگاہ اٹھاتا ہے اور اپنی بے بسی کا اعتراف کرتا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ اس ہجوم کو چیر کر اس کے ساتھ جا کھڑے ہوں اور اس کے ساتھ مل کر آپ بھی چیخنے لگیں اور لوگوں سے پوچھیں کہ تمہیں بھلی بات ہی تو بتائی جا رہی ہے تم اپنا بھلا چاہنے والوں کو رسوا کیوں کرتے ہو اور تم نے اس بہترین انسان کی بات کو تماشا کیوں بنا لیا ہے؟ آپ کو لگتا ہے کہ آپ کی یہاں شدید ضرورت ہے اور یہاں خاموش تماشائی بن کر کھڑے رہنا بے ضمیری کی علامت ہے۔ تب قرآن اچانک موضوع بدل دیتا ہے اور آپ کو آپ کے اپنے معاشرے کی طرف دھکیل دیتا ہے، کہ قرآن کی نظر میں ایسے مناظر کی تو ہر دور میں اور ہر ملک میں ہی ضرورت رہی ہے!

قرآن کا یہ مقصد بھی نہیں کہ آدمی قرآن میں مذکور واقعات کی بس تعداد کو شمار کرے اور ان کی تفصیلات کو ہی ازبر کر لے۔ ہزاروں سال پہلے کے واقعات سے

قیامت تک آنے والے انسانوں کا کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ یہ سب کچھ تو ماضی کے آئینے میں حال اور مستقبل کا چہرہ دکھانے کے لئے بیان ہوا ہے۔ اصل میں تو اپنے دور اور اپنے وقت کو سمجھنے کی قابلیت درکار ہے۔ یہ تو مسلمان کے اندر ایک ایسی شخصیت کی تعمیر کے لئے ہے جو روزمرہ واقعات کے پس منظر میں جھانک سکے۔ یہ سب کچھ اس کی اپنی تربیت کے لئے آیا ہے۔

حقائق بینی اور واقعہ شناسی تربیت کا بہت بڑا حصہ ہیں۔ سطحیت اور سادگی مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ ایک 'اللہ لوک' اور 'بھلا مانس' آدمی تیار کردینا قرآن کی منشا نہیں...... جسے دنیا کے بدمعاش اپنے اپنے مقاصد کے لئے حسب ضرورت استعمال کرلیا کریں۔ جس کی نیکی اور جذبۂ شہادت کو دین کے نام پر ورغلایا جا سکے۔ جس کی ایمانداری اور دیانت داری اور جذبۂ بے لوثی سے جاہلی معاشروں کو ترقی ملے اور باطل نظاموں کی عمر میں اضافہ ہو۔

لا یلدغ المؤمن من حجر واحد مرتین (متفق علیہ)

''مومن تو ایک بل سے کبھی دوبار نہیں ڈسا جاتا''

جی ہاں قرآن اتنی ہی سمجھدار قوم کی پرورش کرتا ہے، جو کسی کے سدھانے اور سجھانے کی نہیں۔ جو کسی کے سنبھالنے کی نہیں رہتی۔ نہ یہ کسی سے ڈرے، نہ جھکے اور نہ کسی کے استعمال میں آئے۔ کیونکہ اس نے واقعہ شناسی کا سبق ایمان سے پایا ہے۔ قرآن جس قوم کا استاد ہو، انبیاء جس کے اتالیق ہوں، وہ کسی کے قابو میں کیونکر آ سکتی ہے! واقعات کو پڑھنا اور حالات کے بین السطور کو جاننا اسلامی تربیت کا بہت بڑا حصہ ہے۔

یہ دین صرف لوگوں کو مروجہ معنوں میں ''دیندار' بنانے نہیں آیا۔ یہ محض ذکر و تسبیحات کروانے نہیں آیا۔ یہ چند اعمال پر محنت کروانے بھی نہیں آیا۔ بس دل پر ضربیں لگوانا بھی اس کا مقصد نہیں۔ محض چلے کٹوانا اس کے پیش نظر نہیں۔ علم کو علم کے لئے پڑھنا بھی اس کا مقصود نہیں۔ یہ انسان کی فطرت سے خطاب کرتا ہے۔ قلبِ سلیم کو ٹٹولتا ہے۔

اس کی عقل اور ضمیر کو حاضر کرتا ہے۔ اس کی معقولیت کو جلا دیتا ہے۔ اسے اپنا گرد وبیش دیکھنا سکھا دیتا ہے۔ اسے کائنات میں ہر دم اللہ کی عظمت اور قدرت کے آثار اور نشانات پڑھنا سجھاتا ہے۔ اسے خود اپنی حقیقت پر بار بار غور کرنا سکھاتا ہے۔ اللہ کی بندگی کا سادہ اور آسان ترین مطلوب سمجھاتا ہے۔ اس کے اندر بندگی کی بے ساختہ حقیقت پیدا کرتا ہے جو اسے اپنے ہی اندر کی صدا معلوم ہو۔ اسے بھاری بھرکم رسوم اور تکلفات اور بدعات کے بوجھ سے آزاد کرتا ہے۔ اس کی فطرت کو نکھارتا ہے اور اس کی فطری صلاحیتوں کو بلند مقاصد کے لئے زیر استعمال لاتا ہے۔ اسے اس کے اپنے آپ سے آگاہ کرتا ہے اور اس کی چھپی خوبیاں تک برآمد کرلاتا ہے۔ یہ اسے خالق کی پہچان کرادیتا ہے تو مخلوق کی پہچان اس کو خود بخود ہونے لگتی ہے۔ تب یہ دنیا کے واقعات میں بھی پوری دلچسپی لیتا ہے۔ مسلمانوں کے حالات ہی نہیں کافروں اور طاغوتوں کے معاملات بھی بغور دیکھتا ہے۔ دنیا کے اہم واقعات پر گہری نظر رکھتا ہے۔ ہر واقعے سے سبق لیتا ہے۔ نئے رجحانات کا تجزیہ کرتا ہے۔ اپنے وقت کے انسان کی نفسیات اور ذہنیت سمجھتا ہے۔ اس کے مسائل سے آگاہی رکھتا ہے۔ اسے خطاب کرنے کا انداز سیکھتا ہے۔ اس کے اچھے اور برے پہلوؤں کو تلاش کرتا ہے...... اور یوں اپنے دین کو اپنے وقت کی ضرورت بناتا ہے۔ اپنے دین کو اپنے دور اور اپنے ملک کا اہم ترین مسئلہ بنانے کے لئے مصروف عمل رہتا ہے۔

قرآنی واقعات دراصل ایسے ہی انسان کی تربیت کے لئے ہیں۔ یہ محض اس لئے نہیں کہ انسان بس ان کی تلاوت کرے یا ان پر علمی تحقیقات اور پر مغز مقالات قلم بند کیا کرے۔ یہ سب کچھ تو اپنے زمانے کو سمجھنے کیلئے ہے۔ اس لحاظ سے قرآن تو تباہ شدہ قوموں کو بھی 'اکارت' نہیں جانے دیتا۔ ان کو بھی ہوشمندوں کے 'زیر استعمال' لاکر کارآمد بناتا ہے۔ مردوں میں بھی زندوں کے لئے سبق رکھتا ہے۔ جانے والوں میں آنے والوں کے لئے پیغام چھوڑتا ہے۔ اس زمین پر رونما ہونے والا کوئی واقعہ بھی

ضائع جانے نہیں کے لئے نہیں۔ یہاں ہر واقعہ اپنی قیمت دے کر جاتا ہے۔ یہ قیمت 'ہدایت' ہے مگر اسے کوئی کوئی وصول کرتا ہے۔ اوروں کے لئے تاریخ ایک انسانی 'کوڑا' ہے جسے 'حالات' کی آندھیوں نے بے ہنگم ڈھیر کی شکل دے رکھی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ان کے لئے وقت گزارنے اور دل لگی کا سامان ہے۔ لوگ اس 'ڈھیر' پہ بیٹھ کر گپیں ہانکتے ہیں۔ لوگ اس مضمون کو مشغلے کے طور پر پڑھتے ہیں۔ مگر ایک مومن کے لئے یہ نہایت قیمتی دستاویز ہے اور اس کی اصل قیمت بس وہی جانتا ہے۔ کیونکہ اسے جاننے کے لئے جس زندہ دل اور جاگتے ضمیر کی ضرورت ہے بس وہ اسی کے پاس ہے۔ یہ خوبی صرف قرآن پڑھنے والوں کو ملتی ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (ق:۳۷)

''اس میں عبرت کا سبق ہے ہر اس شخص کے لئے جو دل رکھتا ہو یا جو توجہ سے بات کو سنے''۔

اس مدرسہ میں پڑھ کر حالات و واقعات کو سمجھنے کی ایک خاص صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کی مخلوق میں اللہ کی حکمتوں کو پڑھنے کا موقعہ ملتا ہے اور اپنے گردوپیش سے معاملہ کرنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ یہ آدمی میں نصیحت آموزی کی ایک خاص صفت اور نفسیات پیدا کرتا ہے اور انسان کو آنکھیں کھلی رکھنے پر ہر دم تیار رکھتا ہے۔ پھر وہ قرآن کی بتائی ہوئی داستانوں کو عاد و ثمود اور فرعون و نمرود تک محدود نہیں رکھتا۔ کفار کے مکر و تدبر کو قصۂ پارینہ نہیں جانتا بلکہ ان سب کرداروں کو اپنے زمانے میں تلاش کرتا ہے۔

اِس کے اردگرد میں کسی کی موت واقع ہو جائے تو چونک اٹھتا ہے۔ اِسی جیسے انسان کی موت کی صورت میں اس کے لئے اوپر سے جو پیغام آیا ہے یہ اسے پالیتا ہے۔ تب یہ دنیا اور زمین جتنی چھوٹی اور مختصر ہے یہ اس کے لئے اور بھی مختصر ہو جاتی ہے۔ پھر اس وقت تو عبرت آموزی کی کوئی حد نہیں رہتی جب دنیا میں کسی طاغوت کا جنازہ اٹھے۔

کوئی محل زمین بوس ہو۔ کسی متکبر کا تاج گرے۔ کوئی فرعون غرق ہو۔ کسی کھاتی پیتی قوم کو زوال آئے۔ کسی سلطنت کا خاتمہ ہو یا کسی ملک کو ذلت اٹھانا پڑے۔ یہ خدائی پیغامات یقیناً پوری دنیا کے لئے ہیں مگر ان کو وصول بس یہی کرتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے پیغامات انسانی دنیا میں ہر وقت نشر ہوتے رہتے ہیں۔

یہاں شاہِ ایران کا تخت کھو کر دنیا میں در بدر پھرنا اور جس امریکہ کو اس نے رب سمجھا اسی کے ہاتھوں دھتکارا جانا اور زمانے میں ہر جگہ رسوا ہونا پوری دنیا نے دیکھا۔ جب اسے قبر کے لئے 'کوئے یار' میں تو کیا زمین میں کہیں دو گز جگہ نہ ملتی تھی۔ پھر کیا کسی کو اللہ کی بڑائی یاد آئی؟ دنیا میں جباری کا خواب دیکھنے والے ہٹلر کی کیا پھر کسی کو لاش بھی مل سکی؟ مسولینی، اسٹالن، خروشف، لینن اور چرچل کیا اسی دور کے افسانے نہیں؟ کمیونزم کی قبر کھدے ابھی کتنی دیر ہوئی ہے؟ اپنے یہاں کے سرخوں اور ترقی پسندوں کو کیا سانپ سونگھ گیا؟ رومانیہ کے بچے بچے کو اپنا غلام سمجھ رکھنے والے چاؤسسکو کے سینے اور پیٹ میں یک لخت کتنے درجن گولیاں اتریں؟ انور سادات اسی سلامی کے چبوترے سے تو نیچے گرا تھا! مارکوس کے محلات کا تماشہ کس نے نہیں دیکھا؟ اندرا، سنجے اور راجیو گاندھی کا برا حشر کسے معلوم نہیں؟ نجیب کا تنومند لاشہ کابل کے چوراہے میں کتنے دن تک رسے سے جھولتا رہا؟ پاکستان کے سیاہ وسفید کا مالک بننے کے خواب یہاں کتنوں نے دیکھا؟ قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کی مضبوط کرسی کیا ہوئی اور اسے پھانسی ہونے کا دن کسے یاد نہیں؟ جنرل ضیاالحق کی لاش کے ٹکڑے کس طرح بکھرے؟ بے نظیر کہاں گئی؟ نہرو اور بھٹو خاندان کے مرد کہاں چلے گئے؟ ہر دو کنبے کے انجام سے سبق کس کس نے لیا؟ بھاری مینڈیٹ پر بھروسہ کرنے والا چشم زدن میں تخت سے اتر کر تختے سے کتنا قریب ہو چکا تھا؟ عشرے بھر کیلئے سیاہ وسفید کا مالک بنا رہنے والے مشرف کو چشمِ نمناک کے ساتھ رخصت ہوتا کس کس نے دیکھا؟ عراق کی بعث پارٹی جو بغداد کے چوراہوں میں روز اللہ کو چیلنج کیا کرتی تھی، کیونکر بوسیدہ خاک بنی؟ امریکہ کے برج

الٹتے دنیا نے کتنی دلچسپی سے دیکھے کہ جس کے بعد اس کا طنطنہ سمٹتے سائے کی طرح دیکھا جانے لگا ہے؟ حضرات اللہ کی یہ سب قدرتیں ہم نے اپنے اسی دور میں اور بہت مختصر عرصے میں اپنی انہی آنکھوں سے دیکھیں۔ کیا پھر بھی اللہ بڑا نہیں؟؟؟

یہ سب کچھ دیکھ کر بس ایک مومن ہی کے سجدوں میں بصیرت آتی ہے۔ اوروں کے لئے تو یہ سب کھیل تماشا ہے۔ اخبار پڑھنا بھی بس اسے ہی زیب دیتا ہے۔ اردگرد پر نگاہ ڈالنا اِسی کو آتا ہے۔

قوموں کے عروج وزوال کے محرکات پر ایک مسلمان ہی غور کرتا ہے۔ سورۃ البقرہ ختم کر کے آل عمران شروع کرلیں۔ پھر نساء اور مائدہ پر پہنچ جائیں۔ سورۃ الاعراف پڑھیں...... بنی اسرائیل کی کہانی ختم ہونے میں نہیں آتی۔ مر کھپ چکی قوم کی اتنی دقیق تفصیلات ہم نماز اور تراویح میں کھڑے ہو کر تلاوت کیوں کرتے ہیں؟ اس میں دراصل ہماری ہی کہانی ہے۔ ذرا غور کریں تو اس میں ہمیں اپنے حکمران، علما، عوام، قائدین اور مصلحین سبھی نظر آئیں گے۔ تب ہمیں تاریخ خود کو دھراتی دکھائی دے گی، تاریخ کے دھرائے جانے کی دلیل تو حدیث میں واضح طور پر موجود ہے۔

عن عبداللہ بن عمر قال: قال رسول اللہ لیأتین علی امتی ماأتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل، حتی ان کان منھم من یاتی امہ علانیہ لکان فی امتی من یصنع ذلک، وان بنی اسرائیل تفرقت علی اثنتین وسبعین ملة وتتفرق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلھم فی النار الاملة واحدہ. قالو: ومن ھی یا رسول اللہ؟ قال ما انا علیه وأصحابی ☆

"عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت پر بھی وہی کچھ گزرے گا جو بنی اسرائیل پر گزرا ہے، ہو بہو، حتی کہ اگر ان

☆ الترمذی، البانی نے اسے صحیح کہا ہے، دیکھئے صحیح وضعیف سنن الترمذی رقم: ۲۶۴۱ ج ۶ ص ۱۴۱

میں سے کوئی کھلے بندوں اپنی ماں سے بدکاری کرتا تھا تو میری امت میں بھی ایسا کرنے والا ضرور ہوگا اور بنی اسرائیل بہتر ملتوں میں متفرق ہوئے ہیں جبکہ میری امت تہتر ملتوں میں متفرق ہوگی سب کی سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک ملت کے، صحابہؓ نے عرض کی، وہ کون سی ہوگی اے اللہ کے رسول ﷺ؟ فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریق پر ہوگی"۔

مسلم امت کا ہزار سالہ عروج اور پھر تین سو سالہ زوال جو سو سال پہلے اپنی آخری حد کو چھو چکا تھا، اسی تاریخ کا حصہ ہے۔ جس کی حقیقت قرآن ہمیں مختلف زاویوں سے دکھاتا ہے۔ تاریخ کی کروٹ میں سستی اسی وجہ سے آ رہی ہے کہ مسلمان اپنی تاریخ کے اسباق قرآن سے لینے میں سست رو ہیں۔ یہ اس میں جلدی کر لیں تو تاریخ کی رفتار میں تیزی آ سکتی ہے۔ امت کو اپنے سمجھدار اور ہوشمند ذہنوں کی اشد ضرورت ہے۔ قرآن سے تاریخ پڑھنے والی قوم کا پیچھے رہ جانا قطعی ناممکن ہے۔ لوگ اس امت کے حجم کو دیکھ کر ڈرتے ہیں۔ اس کے جذبۂ شہادت سے ان کے اوسان خطا ہوتے ہیں۔ جس دن قرآنی بصیرت اور ایمانی فراست بھی میدان میں آ گئی تب دنیا کے پاس اس سیلِ رواں کو روکنے کی کوئی تدبیر نہ رہے گی، ان شاء اللہ (تحقیقاً لا تعلیقاً)۔ امت کے اہداف درست کرنا اس دور کی بڑی عبادت ہے۔

امت کے اہداف کی بابت ایک بات بہت واضح ہے۔ یہاں بہت ابتدائی اور بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ افراد کی ذہنیت سے لے کر اجتماعی مقاصد تک سب کچھ تبدیل ہونا ہے۔ مسلمان قوموں اور ملکوں کے موجودہ اہداف کسی معنی میں بھی قرآن کے اہداف نہیں ہیں۔ قرآن کی سمت کسی طرف ہے تو ان ملکوں اور قوموں کی سمت کسی اور طرف۔ اس لئے ان ملکوں اور قوموں کے اہداف پر زور لگانا فضول ہے۔ ان ملکوں کی توسیع کرنا اسلام کی خدمت نہیں۔ ان کے وجود میں اپنے وجود کو ملا دینا اور ان پر اپنا آپ لٹا دینا دین کی منشا نہیں۔ اس امت کو تھوک کے حساب سے ملک اور زمین حاصل ہے مگر

اسلام کی حقیقت ان مملکتوں سے کوسوں دور۔ کیا تاریخ کے اس اتنے بڑے واقعے میں کوئی عبرت کا پہلو نہیں؟

مسلمانوں کے پاس اتنے ملکوں کا ہونا اور عرصۂ دراز سے ان کے پاس رہنا۔ مگر پھر بھی دنیا کو حق اور باطل کا فرق تک معلوم نہ ہونا تاریخ کا ایک خاصا بڑا اور قابل غور واقعہ ہے۔ آنے والی نسلیں ضرور اس پر غور کریں گی۔ پھر کیا یہ ہمارے ہی غور کرنے کی چیز نہیں؟ کیا ہمیں یہ پسند ہے کہ ہم اپنے ملکوں اور معاشروں سمیت آنے والی نسلوں کے لئے تاریخ کا عبرت آمیز سبق بنیں؟ حقیقت یہ ہے کہ جو تاریخ سے سبق نہیں لیتے پھر وہ خود تاریخ کا سبق بنتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی اس تاریخ سے سبق ضرور لیتا ہے۔ یہ دنیا میں ضائع ہونے کی چیز نہیں۔ کاروبار اور بیوی بچوں سے فرصت ملے تو اس پر ذرا سوچ لیجئے گا۔ اپنی دینی اور تحریکی مصروفیات سے وقت نکال کر کچھ اس پر غور کر لینا بھی امید ہے خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ عقیدے کا تاریخ اور حالات سے گہرا تعلق ہے۔ یہ تاریخ قوموں اور ملکوں سے ہوتی ہوئی شہروں اور بستیوں تک آتی ہے، گلی کوچوں اور گھروں تک پہنچتی ہے۔ یہ ہر فرد کو متاثر کرتی اور ہر فرد سے متاثر ہوتی ہے۔ یہ شہر اور بستیاں، گلی کوچے اور محلے اور یہ افراد ہی تاریخ ہیں۔ ہم سب تاریخ ہیں۔ دیکھنے والا اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ آنے والوں کے لئے محفوظ کی جارہی ہے۔ اسی کا ایک نسخہ اگلے جہاں بھیج دیا جاتا ہے۔ دیکھنے والوں کی نظریں لگی ہیں...... کہ ہم کیا کرتے ہیں؟

آیئے یہاں اپنے اپنے کردار کا تعین کر لیں! اپنے فرائض اور امت کی سمت کا تعین بصیرت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ قرآن سے اپنی اور اپنے دور کی حقیقت سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔

واقعے کی دہشت، یا خدا کی ہیبت؟

زمین کا دہلنا خدا کی ایک نشانی ہے۔ جس طرح کہ سورج یا چاند کا گہنا جانا یا کوئی اور کائناتی واقعہ جو اِس دنیا کے زوال کی جانب سمجھ داروں کیلئے غیر معمولی اشارہ کر جایا کرے۔ ایسے اشارے پا کر خوفزدہ ہو جانا اور خدا کے آگے گریہ اور استغفار کرنا اور ایسی سنجیدگی کا آدمی پر طاری ہو جانا کہ حالت غیر ہونے لگے، خدا کی تعظیم کی علامت ہے اور بصیرت کا مقیاس اور سنت کی بہترین تطبیق۔

تاہم اس 'خوفزدہ ہونے' کے معاملہ میں دنیا کے عام بے علم لوگوں کے انداز میں اور موحدین کے اسلوب میں زمین آسمان کا فرق ہے......

طبعی خوف کسی ہولناک واقعہ سے ہر کسی کو آتا ہے۔ مومن کیا کافر، موحد کیا مشرک، سب کے اندر خدا نے یہ چیز رکھی ہے اور اس پر ہرگز کوئی ملامت نہیں۔ نہ ہی یہ توحید کے منافی ہے۔

البتہ توحید کی نعمت سے محروم لوگ یہیں پر رک جاتے ہیں۔ 'گرہن' کے وقت سورج یا چاند کی جانب اشارے کر کر کے ایک دوسرے کو متوجہ کرائیں گے۔ اس پر تعجب کریں گے۔ سراسیمہ نظر آئیں گے، بشرطیکہ کچھ فطرت سلامت ہو.. مگر اس میں زوالِ دنیا اور جلالِ خداوندی کا پیغام نہ پڑھ پائیں گے اور نہ کسی ایسے ایمانی احساس کا تذکرہ ہی کر پائیں گے......!!!

سورج کا بے نور ہو جانا ایک مومن کو بھی اسی طرح ڈراتا ہے جس طرح کہ ایک غیر مومن کو۔ مگر مومن کو اس ڈر کے ساتھ عین اس وقت خدا کا ڈر بھی پوری شدت اور

ہیبت کے ساتھ آتا ہے اور دنیا پر شام پڑنے کی فکر بھی لاحق ہوتی ہے۔تب وہ خدا کی عظمت اور کبریائی میں لرزتے ہوئے اس کی تعظیم کے جس قدر کلمات کہہ سکتا ہے بے ساختہ کہتا جاتا ہے اور انابت و استغفار کے جن پیرایوں پہ قدرت رکھتا ہے والہانہ ادا کرنے لگتا ہے۔ پھر خدا کے آگے طویل سجدے کر کے اس کی عافیت کا سوالی ہوتا ہے۔

زمین لرزتی ہے تو آدمی کو اپنی ہستی کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔کوئی کسی اور وقت کتنا بھی تصنع کرلے اس وقت ہر آدمی بے بسی کے ساتھ ہر انداز سے ہاتھ پاؤں مارتا اور بچاؤ کیلئے جس حد تک ہو سکے بھاگ دوڑ یا ہائے دہائی کرتا ہے اور خدا کو بھی آواز دیتا ہے۔ زلزلے کے مابعد اثرات دیکھ کر ہر شخص ایک سنسنی اور سراسیمگی محسوس کرتا ہے۔ ہر شخص وہاں سنجیدہ ہو جاتا ہے۔مگر ایک موحد کی سنجیدگی بالکل اور طرح کی ہوتی ہے۔زمین کی دہل ایک واقعے کے طور پر ہی اس کو نہیں ڈراتی بلکہ اس کے دل پر خدا کی ہیبت کے ہتھوڑے بھی برساتی ہے۔وہ اس وقت صرف اس واقعے کے ساتھ نبرد آزما نہیں ہو رہا ہوتا۔اس وقت وہ خدا کی عظمت اور جبروت اور اس کی پکڑ کی شدت کے ایسے ایسے اشارے بھی دل پر محسوس کر رہا ہوتا ہے جن کا بیان زبان کر ہی نہیں سکتی۔ استغفار، توبہ، انابت، تضرع اور خشیت کے ساتھ رب العزت کی جانب بار بار رجوع کرتا ہے۔ زلزلے کے اثرات کو وہ کسی اخباری انداز سے نہیں دیکھتا۔نہ ہی اس کا ذکر وہ اس انداز میں کرتا ہے جس انداز سے عام طور پر مجلسوں اور بیٹھکوں میں ان واقعات یا ان کے مابعد اثرات کے چشم دید گواہ اپنی 'حیرانی و سراسیمگی' کے اظہار میں کرتے ہیں اور جس میں خوف اور دہشت تو بے تحاشا جھلکتی ہے، کیونکہ یہ ایک طبعی انسانی ردعمل ہے اور اس میں کوئی بھی معیوب بات نہیں، مگر اس کا خلاصہ کیا جائے تو یہ ایک 'واقعے کی دہشت' ہوتی ہے نہ کہ 'خدا کی ہیبت'۔

ایک موحد کے خوف میں اور ایک جاہل کے خوف میں بس یہی فرق ہے۔

ضروری ہے کہ لوگ اس 'خوف' کی تصحیح کرلیں یا یہ کہ اس 'خوف' کی تکمیل کر لیں۔اس 'طبعی خوف' کے ساتھ 'شرعی خوف' شامل کرلیں اور خدا کی نشانیوں کو دیکھنے کا

موحدانہ اسلوب سیکھیں۔ 'طبعی خوف' پر انسان کیلئے کوئی اجر نہیں۔ مگر 'شرعی خوف' میں گزرا ہوا ایک لمحہ بعید نہیں کہ برسوں کی ریاضت سے بہتر ہو۔ کیونکہ 'خوف' خدا کی تعظیم اور خدا کی بندگی وعبادت کی ایک بہترین صورت ہے اور ان مواقع پر تو واجب تر ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

امام الموحدین محمد رسول اللہ ﷺ خدا کی جب کوئی ایسی نشانی رونما ہوتی تو آپؐ پر خدا کے خوف اور خدا کی ہیبت اور تعظیم اور خشیت وانابت کی ایسی کیفیت طاری ہوتی، جس کی ایک تصویر ہمیں بعض احادیث میں نظر آتی ہے:

بخاری(۱) کی روایت میں ابوبکرہؓ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ سورج کو داغ لگ گیا۔ نبی ﷺ اٹھے آپ اپنی بالائی چادر زمین پر کھینچتے ہوئے جا رہے تھے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوئے۔ بخاری(۲) ہی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: تب رسول اللہ ﷺ اپنی چادر زمین پر کھینچتے ہوئے نکلے یہاں تک مسجد جا پہنچے۔ لوگ بھی ہر طرف سے آپ کے پاس پہنچنے لگے۔ نسائی(۳) کی روایت میں ہے: جلدی کے باعث آپؐ کی بالائی چادر زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی۔ صحیحین(۴) میں ابوموسی الأشعری کے الفاظ ہیں: آپؐ فزع (شدید گھبراہٹ) کی حالت میں اٹھے۔ (ایسے) ڈر رہے تھے (جیسے) قیامت کی ساعت ہو۔ آپؐ مسجد میں آئے اور اس قدر طویل قیام اور رکوع اور سجود کیا کہ اس سے طویل قیام اور رکوع اور سجود میں نے کبھی زندگی میں نہ دیکھا ہوگا۔ مسلم(۵) میں اسماء بنت ابی بکر کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے (جلدی میں) ایک اوڑھنی اٹھالی یہاں تک کہ آپؐ کو اندازہ ہوا تو آپؐ نے اسے چھوڑ کر چادر لی۔ (ابن حجر(۶) اس کی وضاحت میں کہتے ہیں: مراد یہ کہ آپؐ چادر لینا چاہتے تھے مگر بے خیالی میں (زنانہ) اوڑھنی لے لی تھی) سنن ابی داؤد میں(۷) عبداللہ

---

۱) بخاری:۹۸۲ ۲) بخاری:۱۰۰۲ ۳) نسائی:۱۴۸۵
۴) بخاری:۹۹۹، مسلم:۱۵۱۸ ۵) مسلم: ۱۵۱۰ ۶) فتح الباری شرح حدیث ۹۸۲
۷) سنن ابی داؤد:۱۰۰۹

بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں ہے کہ اس روز آپ ﷺ قیام میں کھڑے ہوئے تو گویا رکوع کا نام نہ لیتے تھے۔ رکوع کیا تو اٹھنے کا نام نہ لیتے تھے۔ رکوع سے اٹھے تو سجدے کو جانے کا نام نہ لیتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو سجدے سے اٹھنے کا نام نہ لیتے تھے پھر سجدے سے سر اٹھایا تو گویا دوبارہ سجدے میں جانے کا نام نہ تھا۔ پھر سجدے میں گئے تو دوبارہ اٹھنے کا نام نہ تھا۔ پھر آپ ﷺ سجدے سے اٹھے اور دوسری رکعت میں ویسے ہی کیا۔ پھر آپ ﷺ نے سجدے کے آخر میں یوں سانسیں بھریں: ''اف اف'' پھر آپ ﷺ سجدے میں یہ کہتے (سنے گئے): ''خدایا کیا تو نے مجھے وعدہ نہیں دیا کہ میرے ان میں ہوتے ہوئے تو ان کو عذاب نہ دے گا اور یہ کہ تو ان کو عذاب نہ دے گا جب تک یہ استغفار کرتے رہیں؟''

☆☆☆☆☆

یہاں ہم شیخ عبدالعزیز بن فوزان الفوزان کے ایک مضمون سے بھی اختصار کے ساتھ کچھ اقتباسات نقل کریں گے:

> آج کی اس مادیت نے دراصل ہمارے اس دور کے بہت سے فرزندوں کو بینائی سے محروم کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کیلئے 'اسباب' و 'مسببات' کے ساتھ ساتھ 'اعمال' و 'آثار' کے مابین تعلق قائم کرنا دشوار ہورہا ہے۔ آج آپ دیکھتے ہیں کہ ان تباہیوں کے حوالے سے ان لوگوں کے 'تجزیے' اس بات سے آگے نہیں جاتے کہ زمین کا 'چھلکا' کہیں سے 'بودا' ہوگیا تھا! یا یہ کہ زمین کے اندر کہیں کوئی 'رخنہ' یا 'خلا' پیدا ہوگیا تھا! یا یہ 'پلیٹوں' کی حرکت تھی! وغیرہ وغیرہ۔ ان 'اسباب' کا انکار ہم بھی ہرگز نہیں کرتے۔ واقعتاً یہ اسباب ہیں۔ مگر جو چیز جان لی جانا ضروری ہے وہ یہ کہ ان 'مادی اسباب' کے پیچھے دراصل کچھ 'شرعی اسباب' ہوا کرتے ہیں جو انسانی زندگی پر اتنے بڑے پیمانے پر ایک تباہی لے آنے پر منتج ہوتے ہیں۔
>
> پس یہ مادی اسباب جو یہ لوگ ذکر کرتے ہیں اگر تجربہ و مشاہدہ کی دنیا میں پایۂ ثبوت کو پہنچ بھی لیں تو ان کی حیثیت اس سے زیادہ بہرحال نہیں کہ گناہوں اور

عقوبتوں کے مابین جو ایک تعلق پایا جاتا ہے ان 'شرعی اسباب' کے 'شرعی نتائج' ظہور میں آنے کیلئے ان 'مادی اسباب' کو ایک ذریعہ بنا دیا گیا ہو۔ پس جب لوگ اپنے اخلاق کی پستی کو آ جانے دیتے ہیں اور اپنی معاشرتی حالت کو بدتری کی جانب بڑھنے دیتے ہیں تو خدا بھی اپنی اس عافیت کو جو اس نے ان پر کر رکھی ہوتی ہے، اٹھ جانے دیتا ہے۔ تب وہ ان کے امن کو خوف سے، ان کی عزت کو ذلت سے، ان کی دولتمندی کو تنگ دستی سے، صحت کو امراض اور وباؤں سے اور سکھ چین کو آفتوں اور مصیبتوں سے بدل جانے دیتا ہے۔

وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ويعفو عن كثير (الشوریٰ:۳۰)

''تم لوگوں پر جو مصیبت بھی آئی ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے، اور بہت سے قصوروں سے تو وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے''۔

ولو أن أهل القرى أمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والأرض ولكن كذبوا فأخذناهم بما كانوا يكسبون (الأعراف:۹۶)

''اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، مگر انہوں نے تو جھٹلایا، لہٰذا اس بری کمائی کے حساب میں جو وہ سمیٹ رہے تھے ہم نے انہیں پکڑ لیا''۔

خدا متنبہ کرتا ہے کہ لوگ اپنے عمل سے خدا کی ان پر جو نعمت ہے اس کو زوال پذیر نہ جانے دیں۔ خدا کی ان کو جو عافیت حاصل ہے اس کے پھر جانے کا سبب نہ بنیں اور یہ کہ خدا کی ان پر یکا یک کوئی نقمت نہ آ پڑے:

أفأمن اهل القرىٰ أن يأتيهم بأسنا بياتاً و هم نائمون. أو أمن أهل القرىٰ أن يأتيهم بأسنا ضحى و هم يلعبون. أفأمنوا مكر الله فلا يأمن مكر الله الا القوم الخاسرون (الأعراف:۹۷-۹۹)

''پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت

کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آ جائے گی جبکہ وہ سوئے پڑے ہوں؟ یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکا یک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو"۔

ان معاشروں کے وہ طبقے ذرا دیکھیں تو سہی جو آج نمازیں چھوڑ بیٹھے ہیں۔ جو خدا کی حرمات کا پاس تک نہیں کرتے۔ بے خوف ہو کر سود کھاتے ہیں۔ شرابیں پی جاتی ہیں۔ بدکاریاں بستیوں میں روز بڑھتی ہیں۔ مخلوق پر ظلم ڈھائے جاتے ہیں اور لوگوں کا جہاں بس چلے حق مارتے ہیں۔ کیا یہ سب خدا کی چال سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ کیا یہ خدا کی اس وعید کی بابت سوچتے تک نہیں؟ دلوں میں اگر زندگی کی کوئی رمق باقی ہے تو احساس کرا دینے کو یہ سب کیا کافی نہیں؟ مومنوں کے اندر خشیت اور رہبت پیدا کر دینے کیلئے تو بہت کافی ہے۔ ایمان کی نگاہ سے آدمی اس طرف دیکھتا ہے تو جھرجھری آ جاتی ہے......

سو جب اس دور میں یوں نافرمانی کا چلن عام ہوا اور اس میں روز بروز اضافہ ہونے لگا تب یہ اجتماعی مصائب بھڑک اٹھے۔ آندھیاں، طوفان، سیلاب، زلزلے، آتش فشاں، وبائیں، متعدی امراض، جنگیں، آفتیں، قحط...... یہ وہ بلائیں ہیں جو پچھلے کچھ عرصہ سے دنیا کے اندر روز بروز بڑھنے لگی ہیں اور درحقیقت خدا ان بلاؤں اور آفتوں کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈرا دینا چاہتا ہے اور ان کو اپنی قوت اور سطوت کی یاد دلا دینا چاہتا ہے، اور ان کو انکی اوقات بھی یاد دلا دینا چاہتا ہے کہ وہ اس کے سامنے کس قدر عاجز اور لاچار اور محتاج ہیں اور یہ کہ بندے اگر اس کے امر اور اس کی شریعت کا پاس نہیں کرتے تو اس کو بھی پرواہ نہ ہو گی کہ وہ کس حال میں مرتے ہیں۔ مخلوق جب ایک بڑے پیمانے پر خدا کی شریعت اور خدا کی تنزیل کو سُنا اَن سُنا کر دینے لگے اور فساد اور سرکشی میں سرپٹ چلی جانے لگے تو پھر وہ خدا کی نگاہ میں کوئی بھی تو اہمیت نہیں رکھتی!

بخدا یہ آیات ہیں۔نشانیاں ہیں۔تنبیہیں اور سرزنشیں ہیں۔اس میں ڈھیروں عبرت ہے۔**وما یعقلها الا العالمون**۔یہ انہی کو سمجھ آتی ہیں جو علم سے بہرہ ور ہیں۔ان کو وہی پاتے ہیں اور وہی ان سے خبردار ہوتے ہیں جن کو دانش سے کچھ حظ ملا ہے۔رہے وہ لوگ جو دنیا کے ہو چکے اور آخرت کا گھر جن کی سوچ اور خیال سے بھی پرے ہے وہ ان نشانیوں سے اور ان تنبیہوں سے بھلا کیا سیکھیں گے؟ ان کی سرکشی وخدا فراموشی اور فساد سے یہ نشانیاں ان کو کیا جھنجھوڑیں گی؟

وما تغنی الأیات والنذر عن قوم لایؤمنون ”نشانیاں اور ڈراوے اس قوم کو کیا فائدہ دیں گی جو یقین کرنے والے ہی نہیں“۔

ونخوفهم فما یزیدهم الا طغیا نا کبیرا (الاسراء:۵۹) ”ہم ان کو (ان نشانیوں کے ذریعے) ڈراتے ہیں مگر (ہمارا) یہ ڈرانا ان کی سرکشی میں کچھ اور ہی اضافہ کر دیتا ہے“۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”یا معشر المهاجرین، خمس اذا ابتلیتم بهن، وأعوذ بالله أن تدرکوهن: لم تظهر الفاحشة فی قوم قط حتی یعلنوا بها الا فشا فیهم الطاعون والأوجاع التی لم تکن مضت فی أسلافهم' ولم ینقصوا المکیال والمیزان الا ابتلوا بالسنین وشدة المؤنة وجور السلطان، ولم یمنعوا زکاة أموالهم الا منعوا القطر من السماء و لو لا البهائم لم یمطروا، ولم ینقضوا عهدالله و عهد رسوله الا سلط الله علیهم عدوا من غیرهم فأخذوا بعض ما فی أیدیهم، وما لم تحکم أئمتهم بکتاب الله و یتخیروا مما أنزل الله الا جعل الله بأسهم بینهم“ حدیث صحیح رواه ابن ماجة والحاکم والبزاروالبیهقی والطبرانی وغیرهم

”مہاجرین لوگو! پانچ چیزیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ اور میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ تمہارے دور میں وہ پیش آ جائیں:

فحش وبدکاری جب بھی کسی قوم میں عام ہو جائے یہاں تک کہ وہ کھل کھلا کر اس

کا ارتکاب کرنے لگیں تو ضرور ان میں ایسی وبائیں اور ایسے روگ پھوٹ پڑیں گے جن کا ان کی پہلی نسلوں میں کبھی گزر نہ ہوا ہوگا۔

جب وہ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں گے ان کو خشک سالی سے واسطہ پڑے گا۔ گرانی واشیاء کی عدم دستیابی عام ہوگی اور حکمران طبقے کا ستم سہنا پڑے گا۔

جب بھی لوگوں میں زکات نہ دینے (کا رجحان پھیلے گا) تو ان کو آسمان سے پانی ملنا بند ہو جائے گا۔ چرندے نہ ہوں تو ان کو بارش ملے ہی نہ۔

جب بھی لوگ خدا اور رسول کا عہد توڑیں گے خدا ان پر باہر سے دشمنوں کو مسلط کردے گا جو ان کے ہاتھ میں پکڑی چیز سے (اپنے) حصہ (کا بھتہ) لیں گے۔

جب ان کے حکمران وقائدین کتاب اللہ کی رو سے فیصلے نہ کریں گے اور خدا کے اتارے ہوئے سے (احکام) اخذ نہ کریں گے تو خدا ان کے آپس میں ہی پھوٹ پڑ جانے دے گا"۔

حضرت زینبؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں خدا کی اس سنت کی صراحت کردی گئی ہے جس کی رو سے قوموں پر اس وقت تباہیاں آنے لگتی ہیں اور خانہ خرابیاں ہونے لگتی ہیں جب وہاں منکرات سرعام پائے جانے لگیں اور جب خباثت اور غلاظت حد سے بڑھ جائے اور جب اس قوم کے اچھے لوگ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ کر بیٹھ رہیں۔

بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت (۴۴۵۴) ہے کہ:

"میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! جب بادل گھر کر آتے ہیں تو انہیں دیکھ کر لوگ خوش ہوتے ہیں کہ بارش آنے والی ہے۔ مگر میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ یہ دیکھ کر آپ کے چہرے پر تشویش کے آثار دکھائی دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: عائشہ! مجھے کیا تسلی کہ اس کے اندر کوئی عذاب نہ ہو۔ ایک قوم کیلئے آندھی کو ہی ذریعۂ عذاب بنایا گیا تھا۔ ایک قوم نے عذاب آتا دیکھ کر (خوشی سے کہا تھا) یہ گھٹا ہم پر باران لے کر آنے والی ہے"۔

(استفادہ از: ''الجواب الکافی'' مؤلفہ امام ابن القیمؒ)

نقب زن ابلیس

خدا جو جانتا تھا کہ آدمؑ اور اس کی اولاد کا کس دشمن کے ساتھ واسطہ ہے، اور یہ کہ کہاں تک اِس دشمن کو اُس نے اِن پر مسلط ہو جانے کی آزادی دے رکھی ہے...... اُس نے ذریتِ آدم کی کمک کیلئے ایک پورا لشکر اِن کے ساتھ کر دیا، کہ یہ چاہیں تو اس سے مدد لے کر دشمن کے مقابلے پر اتریں۔ دوسری طرف اِنکے دشمن کو بھی ایک لشکر دے دیا اور کیل کانٹے سے بھی لیس ہو جانے دیا، کہ ایک معرکہ فریقین کے مابین ہو ہی جائے۔ یوں یہ دنیا ہمیشہ سے جہاد کا میدان ہے، گو ہے یہ میدان چند گھڑیوں کیلئے۔ بلکہ تو یہ پوری دنیا، آخرت کے مقابلے میں ایک سانس لینے کی مدت سے بڑھ کر نہیں۔

جس کسی نے بھی دنیا کی اِس فطرت اور مزاج کو نہ جانا وہ یہاں سے بدترین ہزیمت اٹھا کر گیا۔

اس نہایت عظیم معرکہ کے پیش نظر، خدا نے پیشگی مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال خرید کر لئے اور اس کی قیمت بہشت ٹھہرا دی کہ وہ پوری بے پروائی سے اس معرکہ میں اتریں۔ **یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون** خدا کی راہ میں دیوانہ وار لڑیں، ماریں اور مریں، کہ یہ دنیا اس کہانی کا انجام نہیں آغاز ہے۔ پھر، مومنوں کے ساتھ یہ سودا ہو جانے کی بابت اُس نے واضح کر دیا کہ اِس سودے کی توثیق اور یقین دہانی اُس کی تین برگزیدہ ترین کتب میں بڑی صراحت کے ساتھ کرائی گئی ہے؛ توراۃ، انجیل اور قرآن۔

یہاں تک کہ مزید تاکید کیلئے کہا کہ:**من أوفیٰ بعهدهٖ من الله**...... خدا سے بڑھ کر اپنے عہد کا پابند بھلا کون ہوسکتا ہے؟ اور پھر انہیں ہر طرح کے تردد سے منع کرتے ہوئے فرمایا: **فاستبشروا ببیعکم** یعنی بس تم یہ سودا ہو جانے پر خوشیاں مناؤ اور مسرتیں بانٹو۔ کہ کسی سودے کی شان دیکھنی ہو تو آدمی یہ دیکھے سودا کرنے والا کون ہے، چیز کا مول کیا لگا ہے اور سودے کا وثیقہ کہاں تیار ہوا ہے۔ یہ تو ابن آدم کی شان ہے، ورنہ اتنا بڑا سودا بھی کیا اس کائنات میں کبھی ہوا ہوگا؟!! خدا کسی سودے میں خریدار ہو، کیا ایسا کاروبار بھی کبھی دیکھا گیا ہے؟!!!

پھر اسی سودے کو ایک اور سیاق میں بیان کیا: ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے، کیا میں تمہیں پتہ دوں ایک ایسی تجارت کا جو ایک دردناک عذاب سے تمہارے لئے ڈھال بن جائے؟ یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ کے ساتھ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ، اور جہاد کرو اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر کہیں تم جانو۔ (اس کے بدلے میں) وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں داخل کرے گا جنتوں میں کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور (بسائے گا تمہیں) نہایت عمدہ مسکنوں میں کہ جناتِ عدن میں ہیں۔ یہ ہے عظیم کامیابی''۔

مومن، خدا کو اپنی مخلوقات میں سب سے عزیز ہے۔ خدا نے اپنے مومن بندے پر اِس دشمن کو مسلط ہو جانے دیا تو اِسکی وجہ صرف یہ ہے کہ جہاد کی بندگی خدا کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ جہاد کی صورت میں خدا کی بندگی کرنے والے، خدا کی نظر میں سب سے برتر ہیں۔ یہی اُس کے ہاں سب سے بلند درجے پانے والے ہیں اور یہی ہیں جو اُس کے تقرب کا سب سے برگزیدہ وسیلہ پاس رکھتے ہیں۔

اِس برگزیدہ جنگ کا علم خدا نے اپنی خاص الخاص مخلوق کو تھمایا، جو کہ مومن کا قلب ہے۔ قلب جو کہ اصل محل ہے خدا کی معرفت کا، خدا کی محبت کا، خدا کی عبودیت کا، خدا کیلئے عبد کے ہاں پائے جانے والے اخلاص، توکل اور انابت کا...... خاص اپنی اِس مخلوق کو اُس نے اِس جنگ کی سرکردگی سونپ دی!!!

اِس کے ساتھ اُس نے فرشتوں کا ایک لشکر کر دیا، جو کبھی اِس کو چھوڑ کر نہیں جاتے۔ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللّهِ ''اُس کے آگے اور پیچھے اللہ کے چوکیدار ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں''۔ یہ اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اِس کو نیکی کی بات سجھاتے ہیں اور خیر پر اس کو آمادہ کرتے ہیں۔ اِس کو خدا کے ہاں ملنے والے اجر وثواب کی یقین دہانی کراتے ہیں۔ صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ اِس کو بار بار دلاسہ دیتے ہیں کہ یہ سب تکلیف بس ایک ہی گھڑی کی تو بات ہے اور یہ تو ختم ہوئی کہ ہوئی پھر تو ابد کا آرام ہے!

پھر ایک اور لشکر اس کی مدد کو اس کے ساتھ کر دیا۔ یہ اُس کی وحی ہے۔ اُس کا کلام ہے۔ اُس کے رسول، اُس کی کتابیں، اُس کے کلمات۔ یہاں سے اِس کو وہ قوت ملتی ہے اور اس جنگ میں پورا اترنے کیلئے ایسے ایسے ہتھیار ہاتھ آتے ہیں کہ یہ جنگ اس کے لئے کامیابی کی بہترین سیڑھی بن جاتی ہے۔

پھر اس کیلئے اُس نے 'عقل' ساتھ کر دی، جو اس کیلئے ایک بہترین وزیر اور منتظم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کیلئے 'معرفت' ساتھ کر دی جو اس کو پل پل پر نہایت خوب راہ دکھاتی ہے اور اس میدان کا سارا نقشہ اس کیلئے روشن کئے رکھتی ہے۔ پھر اس کو 'ایمان' کی کمک دی، جو اس کو ثابت قدم رکھتا ہے اور اس کیلئے نصرت وتائید لانے کا سبب بنتا ہے۔ پھر 'یقین' سے اس کو تقویت دی، جو کہ اس پر 'حقیقت' کو یوں کھول کر رکھ دیتا ہے گویا وہ سب کچھ یہ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے جو کہ اپنے دشمنوں کے خلاف اس جہاد میں خدا کا اپنے اولیاء سے وعدہ ہے۔

چنانچہ 'عقل' 'قلب' کے اس جیش کا تدبیر وانتظام کرتی ہے۔ 'معرفت' جنگ کے اسباب اور حکمت عملی وضع کرتی ہے اور ہر نا گہانی صورتحال میں پورا اترتی ہے۔ 'ایمان' اس کو ثابت قدم رکھتا ہے اور اس کیلئے صبر واستقامت کا ذریعہ بنتا ہے۔ 'یقین' اس میں اقدام کی طاقت لاتا ہے، جس سے یہ دشمن پر اس دیوانہ وار انداز سے حملہ آور ہوتا ہے کہ اس کے صدق اور وفاء میں پھر کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔

پھر ان نظر نہ آنے والے لشکروں کے ساتھ ساتھ، کچھ اور لشکر بھی اُس نے اِس کے ساتھ کر دیے۔ آنکھ کو اِس کا ہراول بنا دیا۔ کان کو اِس کا مخبر بنا دیا۔ زبان کو اس کا ایلچی اور ترجمان ٹھہرایا اور ہاتھ پاؤں اِس کے معاون مددگار اور اس کی لڑا کا سپاہ۔

پھر اُس نے اپنے ملائکہ اور اپنے عرش برداروں کو تعینات کر دیا کہ وہ اِس کی لغزشوں پر اِس کیلئے استغفار کرتے رہیں، اِنکے لئے دعائیں کرتے رہیں وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ کہ یہ غلطیوں سے بچے رہیں، اور یہ کہ پسِ جنگ یہ باغاتِ عدن میں داخل ہوں ......اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر یہ خدا کی مشروع ٹھہرائی ہوئی اس جنگ میں پیٹھ نہیں دکھاتے تو اِن کا دفاع خدا نے پھر اپنے ذمہ لے لیا۔

اور پھر اُس نے اِن کو اپنا حزب کہا اور فرمایا کہ میرا حزب ہی غالب رہے گا۔

پھر اُس نے اپنے اِن بندوں کو اِس جنگ اور جہاد میں پورا اترنے کا طریقہ بھی بتا دیا اور اس کو چار لفظوں میں بیان کر دیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آل عمران:۲۰۰) ''اے لوگو جو ایمان لائے، صابر رہو، ثابت قدم رہو، محاذ مت چھوڑو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کئے رہو، تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

صبر اور ثبات دونوں منحصر ہیں کہ قلب اپنا محاذ نہ چھوڑے، یعنی اپنا رباط برقرار رکھے۔ وہ سب رخنے جہاں سے دشمن در آ سکتا ہے 'محاذ' کے حکم میں ہیں۔ دشمن 'نگاہ' کی راہ سے در آ سکتا ہے۔ 'کان' کی راہ سے نقب لگا سکتا ہے۔ 'زبان' کی راہ سے حملہ آور ہوسکتا ہے۔ 'شکم' کو اپنی واردات کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ 'ہاتھ'، 'پیر'، سب اس کے در آنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ یہ سب رخنے ہیں جہاں سے موقعہ پا کر وہ فصیل پار کر سکتا ہے اور اگر اسے یہاں گھس کر کھل کھیل کا موقعہ مل گیا تو ممکن ہے پھر وہ یہاں کی ہر چیز تہہ و بالا کر دے۔ چنانچہ 'رباط' یہ ہے کہ 'محاذ' پر جم کر رہا جائے اور کوئی بھی رخنہ دشمن کی کارروائی کیلئے خالی نہ چھوڑا جائے۔

پھر ان تینوں چیزوں؛ یعنی صبر، ثبات اور محاذ سنبھال رکھنا...... ان تینوں چیزوں کا انحصار ایک چیز پر ہے اور وہ ہے خدا کا تقویٰ اختیار کر رکھنا۔ چنانچہ نہ تو صبر فائدہ دینے والا ہے اور نہ ثابت قدمی اور نہ محاذ کی پہریداری جب تک تقویٰ اختیار نہ کیا جائے۔ پس یہ معاملہ صبر سے چل کر تقویٰ تک جاتا ہے تو تقویٰ سے لوٹ کر پھر صبر تک چلا آتا ہے اور وہ جھڑپیں جو فریقین کے مابین یہاں ہر دم جاری رہتی ہیں جیت ہار کے معاملہ میں انہی چار عوامل پہ سہارا کرتی ہیں۔

ذرا اپنے اندر نگاہ دوڑاؤ، دو لشکروں کے مابین مڈبھیڑ ہوتی ہے، ذرا دیکھو کیسے معاملہ کسی بار تمہارے حق میں جاتا ہے اور کسی بار تمہارے خلاف:

کفر کا سرغنہ اپنے جنود اور عساکر کو لے کر حملہ آور ہونے آیا۔ مقابلے میں 'قلب' کو اپنے قلعہ میں تخت پر رونق افروز اور اپنی سلطنت کے دفاع پر مستعد پایا جس نے اپنی سپاہ کو ہر محاذ پر پھیلا رکھا ہے اور ہر رخنہ پر چوکس کر رکھا ہے اور اسکے سب سوار اور پیادے بڑے اخلاص اور وفاداری کے ساتھ مملکت کا دفاع کرنے میں فرض شناسی کا پورا ثبوت دے رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ حملہ نہیں کر پایا مگر پلٹ جانے کیلئے بھی تیار نہیں۔ لازم ہے کہ اب وہ کوئی سازش کرے اور 'مملکت' کے کچھ امراء کو توڑ کر اپنے ساتھ ملائے۔

اب وہ کہتا ہے مجھے پتہ کر کے دو، سلطانِ مملکت کا سب سے بااثر عہدہ دار یہاں کون ہے؟ اسے بتایا گیا کہ یہ 'نفس' ہے۔ وہ اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ اس 'نفس' کو کسی طریقے سے رجھاؤ اور پتہ کرو اس کو کیا پسند ہے۔ اس کو جو چیز سب سے پسند ہے اس کو اسی چیز کا جھانسہ دو، اور اگر وہ اس پر توجہ نہ دے تو اس کے آگے اس چیز کی ایسی تصویر بناؤ کہ سوتے جاگتے وہ اس کی آنکھوں سے پرے نہ ہونے پائے۔

اگر یہ نفس تمہارے اس جھانسے میں آجائے اور تمہیں کچھ توجہ دینے پر آمادہ ہو جائے تو پھر اس پر خواہشوں اور شہوتوں کے ڈورے ڈال دو، یہاں تک کہ وہ تمہارے لئے راستہ بنا کر دینے کی حامی بھر لے۔

چنانچہ جب تم دیکھو کہ نفس، قلب کے ساتھ غدر کرنے کے معاملہ میں تمہارا طرفدار ہوگیا ہے تو پھر وہ چپکے سے آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پیر، ایسے رخنوں پہ تمہارا کام آسان کرادے گا۔ لہٰذا جب تمہارا اس کا گٹھ جوڑ ہوجائے تو پھر ان رخنوں پر اپنا پورا زور صرف کردو کیونکہ کہیں نہ کہیں سے وہ گھر کا بھیدی تمہیں راستہ دے دینے کا انتظام کسی بھی وقت کرا سکتا ہے۔ جتنا جتنا وہ تمہیں موقعہ مہیا کرے ویسے ویسے راستہ بناتے جاؤ، اور جتنا وہاں کا نقصان کرسکو کردو۔ البتہ اگر کسی وقت تمہیں وہ قلعہ میں گھس جانے کا ہی موقعہ دے دے پھر تو کوشش کرنا کہ قلب یا تو مارا جائے یا پھر تمہارا اسیر ہوجائے، اور نہیں تو لہولہان تو ضرور ہوکے رہے۔

اور ہاں کارروائی میں کامیابی کے بعد بھی ہرگز غافل نہ ہونا۔ نہ ان رخنوں کو چھوڑنا اور نہ جنودِ قلب کو ہرگز ہرگز سنبھلنے دینا۔ سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا کہ باہر سے اس کو کوئی کمک نہ پہنچ پائے۔ کوئی نصیحت، کوئی وعظ، کوئی تذکیر، ہرگز اندر آنے کا راستہ نہ پائے۔ قلب کو پسِ ہزیمت ہرگز موقعہ مت دینا کہ وہ خدا کو آواز دے یا فرشتوں کی نصرت کا استحقاق پیدا کرے اور پھر تمہارا بنا بنایا کام ختم ہوکر رہ جائے۔ اور اگر تمہارا بس ہی نہ چلے اور باہر سے آنے والی کمک کا راستہ تم روک ہی نہ پاؤ تو بھی کوشش کرو کہ اتنے مؤثر انداز میں وہ اس کی فریادرسی کو نہ پہنچے اور کوئی نہ کوئی کمزوری اور رخنہ وہاں پھر بھی چھوٹا رہ جائے، تاکہ تمہارے اگلے حملے کیلئے کچھ گنجائش موجود رہے۔

اور ہاں جب تم یہاں پر پوری طرح غلبہ پالو تو پھر تم ہر ہر رخنے پر اپنے انداز کی صورت پیدا کردو۔ نگاہ کو 'عبرت' سے ہٹا کر 'تماشے' کی شیدائی بنادو۔ پھر بھی اگر کسی وقت نظر بچا کر وہ 'عبرت' کی جانب مائل ہوجائے تو اس نگاہ کو 'غفلت' میں بدل ڈالنے پہ پورا زور لگادو۔ اس کو فارغ تو رہنے ہی نہ دو۔ اس نظر کو لذت اور شہوت میں مگن رکھو تاکہ یہ اس طرف کو جا ہی نہ سکے جہاں سے تمہارے لئے در آنا مشکل ہوجائے۔

اور ہاں یاد رکھو، سب سے اہم یہ 'نگاہ' کا رخنہ ہی ہے۔ یہاں سے گزر کر تم جو واردات کر سکتے ہو وہ کہیں اور سے ممکن نہیں، کیونکہ میں نے بنی آدم کا جتنا نقصان 'نگاہ' کے راستے سے کیا ہے اتنا کسی اور راستے سے نہیں کر سکا۔ مجھے یہاں سے ایسا راستہ ملتا ہے کہ میں وہاں سے گزر کر سیدھا 'دل' تک جا پہنچتا ہوں یہاں تک کہ چپکے سے وہاں 'شہوت' کا بیج بو آتا ہوں۔ پھر میں اس کو 'آرزو' کا پانی دیتا ہوں۔ پھر میں آتے جاتے اس کو 'سوچوں' اور 'خیالوں' کی کھاد دیتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ نحیف سا پودا 'عزم' کا ایک مضبوط پیڑ بن جاتا ہے اور آخر کار اپنی 'پیداوار' دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ جبکہ میں برابر اس کوشش میں رہتا ہوں کہ خیر کی کوئی ایسی آندھی وہاں نہ چلنے پائے جو اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ دے اور وہ پھر سے صاف ستھرا ہو کر خدا کی پناہ میں چلا جائے۔

تو پھر سب سے زیادہ زور اسی رخنے پر لگا دو اور جس قدر ہو سکے یہاں فساد مچا دو۔ اس کو رجھاؤ کہ چلو بس اتنی سی نگاہ ڈال لو جس سے تم خالق کی تخلیق کی داد دے سکو اور جس سے تمہارے اندر خالق کی تسبیح کا داعیہ پیدا ہو۔ اس کو وہ فلسفے پڑھاؤ جس سے یہ قائل ہو کہ حسن کے یہ شاہکار خدا نے بے مقصد تو پیدا نہیں کئے اور یہ آنکھیں بھی عبث نہیں بنائیں، بلکہ یہ اسی لئے تو ہیں کہ تم اُس کی صناعی کی داد دو!

پھر اس کے بعد 'کان' کے رخنے پر زور لگا دو۔ خبردار جو یہاں کوئی ایسی چیز گزر کر اندر جانے پائے جو تمہارا کام بگاڑ کر رکھ دے۔ کوشش کرو اس میں صرف باطل کا گزر ہو، اور باطل بھی وہ جو اس کے نفس کو بھلا لگے اور وہ اس پر آسانی سے ریجھ سکے۔ خوب خیال رکھنا، جب کوئی باطل اس کی سماعت میں پڑے تو اس کو ایسے ایسے خوبصورت پیرایوں میں سجایا گیا ہو اور اس کیلئے ایسی ایسی ادبی تعبیرات اختیار کی گئی ہوں اور ایسی زبردست اصطلاحات برتی گئی ہوں کہ وہ اس پر سحر طاری کر دیں۔ اور یہ کبھی نہ بھولنا کہ باطل کی ایک غلط بات حق کے اس مواد کے ساتھ ہی گوندھ دی گئی ہو جو اس کے نفس کو مستحسن لگے۔ اور جب تم دیکھو کہ تمہاری ایک بات اس کی سماعت کے اندر پزیرائی پانے

میں کامیاب ہوگئی تو ساتھ ہی اس سے ملتی جلتی ایک اور بات ڈال دواور یوں جتنا باطل اس کے اندر بھرا جا سکتا ہو بھرتے جاؤ۔ پھر جب تم دیکھو کہ تمہاری ایک بات اس کو نہایت پسند آئی ہے تو پھر یہ کوشش کرو کہ اسی بات کو ہزار انداز میں اس پر وارد کرو۔

اور خبردار جو یہاں سے کوئی ایسی بات گزر کر اندر جانے پائے جو خدا کے کلام یا اس کے رسول کے کلام یا کسی اچھی نصیحت پر مشتمل ہو۔ اور اگر ایسی کسی بات کو اس کی سماعت میں جانے سے روکنے میں کبھی تم ناکام ہی ہو جاؤ، تو پھر اس کے سمجھ آنے میں رکاوٹ بن جاؤ۔ یہ بھی نہ روک سکو تو اس کو اس پر تدبر اور غور وفکر نہ کرنے دو۔ یہ بھی نہ روک سکو تو اس کو اس سے فائدہ نہ لینے دو۔ اس کیلئے یا تو یہ کرو کہ ایک اچھی چیز اس کے ہاں پزیرائی پاتی ہے تو ساتھ ہی کئی ساری باطل چیزیں اس میں ٹھونس دو اور یا پھر اس اچھی چیز کو اس کیلئے متروک الرواج اور نا قابل عمل بنا کر پیش کرو اور اس پر ثابت کر دو کہ اس کا تو زمانہ ہی نہیں اور یہ کہ ایسی کسی بات کو لے کر چلنے سے لوگ تمہارے بارے میں عجیب وغریب تاثر رکھیں گے۔ پھر بھی وہ بضد ہو تو اس کے سامنے دینداری کے وہ نقشے پیش کرو جو ایک بری مثال ہوں اور اس سے کہو کیا تم ایسا بننا چاہتے ہو؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متنفر کرنے کیلئے اس کو وہ عملی نمونے دکھاؤ جو دراصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی غلط تعبیر ہیں مثلاً تنگ نظری، لٹھ ماری، لوگوں کے معاملہ میں دخل در معقولات، اپنی اوقات سے بڑھ کر آزمائش مول لینا، حق کے نام پر لوگوں میں تفرقہ اور فتنہ پھیلانا، وغیرہ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ ابن آدم کے کان میں اچھی بات مت پڑنے دو البتہ بری اور منحرف باتیں اس کی سماعت تک پہنچانے کیلئے معاشرے کے سب سپیکر کھول دو اور سب فورم متحرک کر دو۔ پھر بھی کوئی اچھی بات اس کی سماعت تک پہنچ جائے تو اس کے مفہوم اور اس کی تاثیر کو اس کیلئے فاسد بنا دو۔

پھر وہ کہتا ہے: ایک اور رخنہ اس کی زبان ہے۔ اس پر زور بڑھا دو۔ یہ سلطانِ مملکت کا تعبیر کنندہ اور ترجمان ہے۔ اس سے وہ کچھ بلواؤ جو اس کو تباہی کے گڑھے میں

پھنکوائے۔ اس زبان پر کوئی ایسی بات نہ آنے دو جو اس کے لئے باعثِ نفع ہو۔ اور ایسے کلمات تو اس کی زبان پر ہرگز مت آنے دو جو اس کے گناہ دھوڈالیں اور میزان اعمال میں اس کی نیکیوں کا وزن بڑھائیں۔ خبردار جو اس کی زبان پر خدا کا ذکر جاری ہو۔ اس کی زبان استغفار کرنے لگے اور خدا سے اپنے گناہوں اور زیادتیوں پہ معافیاں مانگنے لگے، کیونکہ خدا کے اس کو معاف کرنے اور تمہارے خلاف اس کی مدد کو آنے میں صرف اسی بات کی دیر ہے کہ یہ خدا کو آواز دے اور اپنے قصوروں پہ بخشش کا سوال کرلے اور پھر تمہارا سب کیا کرایا ضائع چلا جائے۔ خبردار جو تم نے اس کو کتاب اللہ کی تلاوت کیلئے آزاد چھوڑ دیا یا لوگوں کو بتانے کیلئے اچھی باتیں اس کی زبان پر آنے دیں یا نفع بخش علم کو پھیلانے دیا۔

زبان کے اس محاذ پر تمہاری کامیابی کی بس دو ہی صورتیں ہیں:

- یا یہ کہ یہ باطل بولے۔ اگر یہ باطل کی زبان بولے تو پھر یہ تمہارا ہی بھائی بند ہے اور تمہارے ہی جنود کی رونق۔
- اور یا یہ حق سے سکوت اختیار کرے۔ حق بیان کرنے سے خاموشی اختیار کرر کھنے والا بھی تمہارا ہی بھائی ہے۔ 'یہ' تمہارا گونگا بھائی ہے اور 'وہ' زبان رکھنے والا بھائی۔ بلکہ کئی لحاظ سے تمہارے یہ گونگے بھائی بند تمہارے زیادہ بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں اور تمہارے مشن کو کامیاب کرانے میں کہیں زیادہ مؤثر۔

ہاں اگر وہ اس بات پر قائم رہتا ہے کہ بولے تو حق کی بات بولے اور زبان کو روک کر رکھے تو باطل سے روک کر رکھے، یعنی نہ وہ حق سے خاموش ہو اور نہ باطل کو زبان پر آنے دے تو پھر تم ناکام ہو۔ پس باطل کی بات بولنا اس کیلئے حد درجہ مزین کردو۔ حق کی بات بولنے سے اس کو حد درجہ خائف کردو۔ میرے بچو یہ یاد رکھو کہ بنی آدم کے ہاں یہ جو 'زبان' والا رخنہ پایا جاتا ہے یہ ایک ایسا کام کا رخنہ ہے کہ میں نے اپنے بڑے بڑے کارنامے یہیں سے انجام دیے ہیں۔ بڑوں کو میں جہنم میں نتھنوں کے بل گرانے میں کامیاب ہوا ہوں تو وہ یہیں سے۔ کتنے میرے قتیل ہیں اور کتنے میرے اسیر ہوئے اور کتنوں کو میں نے لہولہان کیا تو بس یہیں سے۔

اور دیکھو تم میں سے کچھ ہی ہیں جو انسان کی دنیا میں باطل کا قول رائج کر سکتے ہیں۔ تم میں سے زیادہ کا کام بس یہی رہے گا کہ ان کے معاشرے میں جو چند سر برآوردہ لوگ باطل بولنے میں تمہارے ترجمان بنیں گے تو بس تم ہر جگہ ان کیلئے واہ واہ کرواؤ۔ تم یہ یقینی بناؤ کہ تمہارے کچھ ساتھی ایک بڑی محنت کے بعد کہیں سے باطل کی ایک صدا بلند کروائیں تو ہر جگہ لوگ اس پر سر دھنیں۔ کوئی اس کو سمجھے یا نہ سمجھے یہ ضرور کہے کہ واہ کیا بات کی ہے۔ ہر آدمی تمہارے بلوائے ہوئے بول اس فصاحت سے نہیں بول سکتا اس پر تالیاں تو بجا سکتا ہے۔ اس کا تو گلی گلی انتظام ہونا چاہیے۔ میرے ہاں یہ نہایت آسان اور کارگر تدبیر ہے۔ اب جاؤ اور ان کی دنیا میں طوفان مچا دو۔

کیا تم نے میری وہ قسمیں نہیں سنیں جو میں نے ان کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہو کر کھائیں: فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ. ثُمَّ لآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَآئِلِهِمْ وَلاَ تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ (الاعراف:۱۶-۱۷) ”مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کیلئے بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا“ ☆ تو پھر مجھے ابن آدم کے ہر راستے پر بیٹھنا ہے اور کوئی ایک بھی رخنہ جھانکے بغیر نہیں چھوڑنا۔ میں سب کچھ نہیں کر سکتا تو جو کر سکتا ہوں وہ تو کر کے رہوں گا۔

خود ان کے رسولؐ نے میری اس واردات کا ذکر کیا ہے: ان الشيطان قعد لابن آدم بطرقه كلها، وقعد بطريق الاسلام. فقال: أتسلم وتذر دينك ودين آبائك، فخالفه وأسلم. فقعد بطريق الهجرة، فقال: أتهاجر وتذر أرضك وسماءك، فخالفه وهاجر. فقعد له بطريق الجهاد، فقال: أتجاهد فتقتل فيقسم المال وتنكح الزوجة. ”شیطان ابن

☆ ترجمہ فتح محمد جالندھری

آدم کے ہر راستے میں بیٹھتا ہے۔ یہ اس کے اسلام لانے کے راستے میں بیٹھتا ہے اور اسے کہتا ہے: کیا تو خدا کا فرماں بردار ہو جائے گا اور اپنا اور اپنے باپ دادا کا راستہ چھوڑ دے گا؟ پھر جب وہ اس کو ٹھکرا دیتا ہے اور اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ ہجرت کے راستے میں آ بیٹھتا ہے اور اسے کہتا ہے: کیا تو نقل مکانی کر جائے گا اور اپنی اس زمین اور اپنی ان فضاؤں کو خیر باد کہہ دے گا؟ پھر جب وہ اس کو ٹھکرا دیتا ہے اور ہجرت کر جاتا ہے تو وہ جہاد کے راستے میں آ بیٹھتا ہے اور اسے کہتا ہے: کیا تو جہاد کرے گا؟ پتہ ہے مارا گیا تو تیرا مال ترکہ بنے گا اور تیری بیوی کسی اور سے بیاہی جائے گی؟''

تو جب یہ ہمارا کام ہے تو کیوں نہ کریں؟ تو پھر پوری زمین میں پھیل جاؤ اور خیر کے ہر راستے میں جم کر بیٹھ جاؤ۔ کوئی صدقہ کرنے چل دے تو اس کو پکڑ کر بیٹھ جایا کرو اور اس کو سمجھاؤ کہ یہ جو سوالی ہے کیا تو چاہتا ہے کہ تیرا بھی حال اسی جیسا ہو جائے اور دولت لٹاتے لٹاتے تو بھی ایک دن اسی کی طرح مانگنے پہ آ جائے؟ اس کا حج کا راستہ روک کر بیٹھ جاؤ اور اس کو سمجھاؤ راستے میں ہزار خطرے ہیں۔ اچھا خاصا مال لگ جاتا ہے اور کیا بعید جان بھی چلی جائے۔ یوں اس کے ہر راستے میں پوزیشن لے کر بیٹھ جاؤ اور نیکی کا ہر کام اس کو اس قدر پر صعوبت اور غیر ضروری اور بے کار بنا کر دکھاؤ کہ یہ اس کی جانب لپک کر جانے سے احتراز کرے۔

البتہ اس مخلوق کیلئے برائیوں اور خدا کی نافرمانیوں کے راستے میں ایک خاص ادا کے ساتھ بیٹھو۔ گناہوں کو نہایت خوب پہناوے پہناؤ اور ان کے نفوس کیلئے نہایت مزین کر کے پیش کرو۔ یہاں بہت زیادہ مدد تمہیں عورتوں کی راہ سے ملے گی۔ عورتوں کی راہ سے تم ان کے ہاں بڑے بڑے نقب لگا سکتے ہو اور اگر اس ہتھیار کا خوب استعمال کرو تو بس یہیں سے تم ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ سکتے ہو۔

پھر ہاتھوں اور پیروں کے رخنوں پر آ جاؤ۔ خبردار ابن آدم کا ہاتھ کسی ایسی چیز پر نہ پڑنے دینا جو تمہارا بیڑہ غرق کر دے۔ ڈرو اس وقت سے جب اس کے قدم کسی

عزیمت کی راہ میں اٹھ جائیں اور زمین پر خیر اور حق کے قیام کی سمت میں گامزن ہو جائیں۔اور یہ بھی یاد رکھو اس کے یہ ہاتھ پیر اگر تم نے اپنے مقاصد میں مصروف نہ کئے تو پھر بعید نہیں یہ خیر کی راہوں میں چلنے لگیں۔

اور یہ تو ہر وقت یاد رکھو مومن کی اس مملکتِ دل میں تمہیں اگر کوئی مددگار یا حلیف ملے گا تو وہ اس کے اندر پائی جانے والی نفسِ امارہ ہے۔اس کے بڑھنے پلنے کا خوب انتظام کرو اور پھر اس سے خوب کام لو۔ یہ تم سے بہت کچھ لے سکتی ہے اور تمہیں بہت کچھ دے سکتی ہے۔اس کی نفسِ مطمئنہ سے جو ہمیشہ جنگ رہتی ہے تم اس میں اس کے طرف دار ہو کر اس مملکت کے بہت سے قلعے ڈھا سکتے ہو۔اور سب سے کارگر تدبیر امارہ اور مطمئنہ کی اس جنگ میں تمہارے لئے یہ ہوگی کہ تم مطمئنہ کی سپلائی کے سب راستے کاٹ دو اور امارہ کو اس کی ضرورت کا سب ساز وسامان بروقت مہیا کرتے رہو۔

یاد رکھو، مملکتِ دل میں تمہارے راستے کی اصل رکاوٹ یہ نفس مطمئنہ ہی ہے۔

تو پھر جب اس مطمئنہ کی سپلائی کے سب راستے کاٹ ڈالے جائیں اور نفس امارہ کو اس کی ضرورت کا سب مواد اور سب کمک فراہم ہو رہے، اس کی کارکردگی خوب بڑھنے لگے اور 'مملکت' میں امارہ کی اچھی خاصی چلنے لگے تو پھر اگلا کام یہ کرو کہ قلب کو اس کے تختِ مملکت سے گرا دو اور منصبِ ریاست سے معزول کرا دو۔ یہ تختہ الٹ دینے کے بعد اس منصبِ ریاست پر بھی پھر نفسِ امارہ ہی کو فائز کرا دو۔ ایسا ہو جائے تو پھر تو تمہارے وارے نیارے۔ پھر تو جو تم کہو گے وہی ہوگا اور جو تم چاہو گے وہی انجام پائے گا۔

اور اگر کسی وقت ایسا ہو کہ قلب اپنی اس کھوئی ہوئی سیادت کو واپس لینے کیلئے پر تولے تو اس کو کہو کہ صدارت تمہیں واپس مل سکتی ہے بشرطیکہ تم برائے نام اقتدار پہ راضی ہو جاؤ اور محض ایک علامتی بادشاہ بن کر رہنا گوارا کرلو۔ رہے اس مملکت کے اندر عملی اختیارات، تو اس نفسِ امارہ کو آج سے اپنی ملکہ سمجھو اور یہ سب کارِ ریاست اب اسی کو نمٹانے دو۔ دل کو خبردار کرو کہ اس کا کھویا ہوا اقتدار اس کو واپس مل جانا ایک بڑی جنگ

کے بغیر اب ممکن نہیں۔ دل کو 'عافیت' کی قدر و اہمیت بتاؤ اور 'جنگ' کے نقصانات اس پر واضح کرو۔ اس کو قائل کرو کہ وہ اپنی مملکت کا تن تنہا فرماں روا ہونے کے خواب دیکھنا اب چھوڑ دے، کیونکہ نفسِ امارہ کے ہاتھ اب بڑے لمبے ہیں اور مملکت کے بہت سے کارکن اب اسی کے ہاتھ کے ہیں۔ دل کو اس کی اس ضد کے مضمرات بتاؤ اور اس پر واضح کر دو کہ یہ جنگ کوئی دن دو دن کی تو بات نہیں۔ بہتر ہے فیصلے کے اختیارات تم نفس امارہ ہی کو سونپ رکھو بے شک نام تمہارا ہی چلے اور تم اپنے خوش رہنے کیلئے جو بھی دعوے یا القابات اختیار کر رکھنا چاہو کر رکھو۔ لیکن 'اصل' معاملہ اپنے سوا اب کسی اور پر چھوڑ دو۔ اور یہ کہ اگر تم بات بات پر تکرار کا وتیرہ اپنا رکھنا چاہتے ہو اور اپنی اس 'ملکہ' کے اختیارات محدود کر دینے پر ہی مصر ہو تو پھر دیکھو یہاں بات بات پر ٹھنے گی۔ اپنے ہی گھر میں دنگا بھلا کسے پسند ہے؟ لہٰذا اس ضد پر رہو گے تو پل پل پر تمہارا یہ گھر میدانِ جنگ بنے گا۔ یہاں ہر وقت خونیں جھڑپیں ہوں گی۔ یہ مار دھاڑ کب تک سہو گے۔ خدا کے بندے امن سے زندگی گزارو اور آرام کے ساتھ یہاں دن کاٹو۔ 'راحت' کا بھی بھلا کیا کوئی مول ہے؟؟؟!!! غرض ''جہاد'' چھڑا کر اس کو 'مصالحت' پر کسی طرح لے آؤ۔ ایک بار وہ اس پر حامی بھر لے تو پھر اس کے ساتھ معاملہ کرنے کی تمہارے پاس ہزار صورتیں ہیں! 'مصالحت' کیلئے میرے پاس آیا کبھی مار کھائے بغیر نہیں گیا!!!!!!

اور دیکھو دو لشکر تمہیں ایسے میسر ہیں کہ اگر تم ان کو کام میں لے آؤ تو کبھی شکست نہ کھاؤ:

- ایک لشکر 'غفلت' کا ہے۔ کوشش کرو کہ بنی آدم کے قلوب پر اللہ اور یومِ آخرت کے معاملہ میں غفلت طاری کرا دو۔ اس کیلئے ہر ہر تدبیر اختیار کرو۔ دل کے اوپر غفلت کی ایک تہہ چڑھا دو تو فوراً ہی اس پر دوسری تہہ چڑھانے کیلئے سرگرم ہو جاؤ کیونکہ خدا کا ذکر اس کو کسی بھی وقت پگھلا سکتا ہے۔ پس غفلت کا ملبہ اس پر جتنا ڈال سکتے ہو ڈالتے جاؤ۔ یاد رکھو اس سے بڑھ کر تمہارے لئے کامیابی کا کوئی نسخہ نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ

اللہ اور یوم آخرت کے معاملہ میں دل کی دنیا کے اندر غفلت کا اندھیرا نہ ہوا تو تمہاری واردات وہاں کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔

- اور دوسرا لشکر 'خواہشات و شہوات' کا ہے۔ اِن کو تم اُن کے دلوں میں جتنا مزین کر سکو کر دو۔ اِن کو تم اُن کی نگاہوں میں جتنا حسن دے سکو دے ڈالو۔ ان کے ذریعے سے میں جو وار کرتا ہوں اس سے کوئی کوئی ہی بچتا ہے۔

تو پھر ان دو لشکروں کو میدان میں لاؤ اور ان کے ذریعے سے ان پر حملہ آور ہو۔ تم اپنے آپ کو تھوڑی ہی دیر میں دیکھو گے کہ اس مملکت میں دندناتے پھرتے ہو اور تمہارے راستے میں کوئی رکاوٹ ہی باقی نہیں رہی۔ ان دونوں سے بڑھ کر تمہاری کارروائی کیلئے آج تک کوئی ہتھیار نہیں بنا۔

اور ہاں دیکھو، قلوب پر 'غفلت' طاری کر چکو تو عین اس وقت ان پر 'شہوات' سے چڑھائی کراؤ۔ 'شہوات' کا حملہ ہو چکے تو 'غفلت' سے حملہ کرا دو۔ غرض یہ دونوں لشکر ساتھ ساتھ بڑھیں اور ان کی 'مشترکہ کارروائیاں' کسی وقت نہ تھمیں تو تم دیکھو گے اہداف کس تیزی کے ساتھ حاصل ہونے لگے ہیں۔ اپنی کامیابی کو اور بھی بڑھانا چاہو تو 'غافلوں' کو ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھا کر دو۔ پھر تو تم دیکھو گے کہ وہ رنگ بندھتا ہے جو سب کو حیران کر جائے!!!

اور جس طرح تم دیکھو گے کہ غافلوں کو اکٹھا کر دینے سے تمہارا زبردست کام بنتا ہے ویسے ہی تم دیکھو گے کہ خدا کا مقام جاننے والوں کے اکٹھ سے تمہارا کام بگڑتا ہے۔ پس جہاں کہیں تم کچھ لوگوں کو خدا کو یاد کرنے کیلئے اکٹھے ہوتا دیکھو، یا خدا کے امر و نہی کے تذکرے کرنے کیلئے ان کو مجتمع دیکھو تو ان کا اکٹھ توڑنے پر پورا زور لگا دو۔ کچھ بھی نہ ہو سکے تو اپنی پسند کے کچھ لوگوں کو ان میں گھسا دو جو ان میں اتنا شور شرابہ ڈال دیں اور ایسے ایسے فتنے ان کے مابین کھڑے کر دیں کہ وہ اپنے بیشتر اہم کام بھول جائیں۔

اور جب تم خواہشات و شہوات کے لشکروں سے قلوبِ بنی آدم کی بستیاں تاراج کراؤ گے تو یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنا کہ 'خواہشات' کا لشکر کوئی چھوٹا لشکر نہیں۔ تو پھر ہر

ایک شخص کیلئے انہی جنود کا چناؤ کرو جو اس شخص کے مناسب حال ہوں۔ کسی کیلئے شہوتِ اقتدار کارگر ہوگی۔ کسی کیلئے شہوتِ مال۔ کسی کیلئے شہرت تو کسی کیلئے عزت اور مقبولیت۔ خواہشات کے ساتھ پھر اگر جذبات کا ہتھیار بھی برتو تو وہ اور بھی مؤثر ہو۔ کسی پر طیش اور غضب کا ہتھیار کاری ہوگا تو کسی پر حسد اور بغض کا۔ کسی پر بخل کا تو کسی پر حرص اور طمع کا۔

یاد رکھو میں نے بنی آدم کے خلاف جتنے ہتھیار برتے ان دونوں سے زیادہ کاری کوئی نہ پایا۔ میں نے ان کے ماں باپ دونوں کو جنت سے نکالا تو 'خواہش' کا ہتھیار برت کر۔ اور پھر ان کے وہاں سے نکلنے کے بعد ان پر 'طیش اور غضب' کو برتا، جس کے ذریعے سے میں نے ان کے ارحام اور ان کے رشتوں کو تار تار کرایا اور ان کے مابین ایسی ایسی خون ریزی کرائی کہ بھائی بھائی کی جان لینے کو اپنی سب سے بڑی کامیابی جانے۔ جان رکھو کہ غصہ ایک انگارہ ہے جو ابن آدم کے قلب میں بھڑکتا ہے اور شہوت و خواہش ایک آگ ہے جو اس کے پورے تن بدن کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ تمہارا کام ہے ان دونوں کو ہوا دو۔ اور یاد رکھنا ان دونوں کو بجھانے والی کوئی چیز ہے تو وہ وضو کا پانی ہے جو عبادت گزاروں کے یہاں ہر وقت دیکھنے میں آتا ہے اور نماز ہے اور خدا کا ذکر ہے اور اُس کی تعظیم اور اس کی تکبیر۔

پس جب تم ابن آدم کے یہاں طیش یا شہوت کی آگ بڑھکا چکو تو ہرگز ہرگز اسے وضو کے پانی پاس جانے نہ دینا اور ہرگز ہرگز نماز کا سہارا لینے نہ دینا۔ ایسا ہو جانے دیا تو وہ سب شعلے سرد پڑ جائیں گے جنہیں تم نے بڑی محنت سے پھونکیں مار مار کر بڑھکایا ہوگا۔ اور یہی بات تو ان کے نبیؐ نے ان کو بتا رکھی ہے: ان الغضب جمرة فی قلب ابن آدم. أما رأيته من احمرار عينيه وانتفاخ أوداجه. فمن أحس بذلك فليتوضأ ''بے شک غصہ ایک انگارہ ہے جو ابن آدم کے قلب میں پایا جاتا ہے۔ کیا (اس حالت میں) تم نے اس کی آنکھوں کا سرخ ہونا اور رگیں پھولنا نہیں دیکھا؟ پس جو شخص ایسا محسوس کرے اسے چاہیے کہ وضو کا سہارا لے''۔ اور یہ بھی ان کو ان کے نبیؐ ہی

کی ہدایت ہے: انما تطفأ النار بالماء. ''آگ تو پانی سے ہی بجھانے کی ہے''۔

کبھی مت بھولو کہ ان کو تمہاری کارروائیوں کے مقابلے میں صبر اور صلوٰۃ کا دامن تھام رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ تمہارے خلاف ان کے سب سے موثر ہتھیار ہیں۔ وہ تمہارے خلاف صبر اور صلوٰۃ سے مدد لیں گے۔ تم ان کے خلاف شہوت اور طیش کے ہتھیاروں سے مدد لو۔ تمہاری ان کے خلاف سب سے کارگر تدبیر یہ ہوگی کہ کہیں تم ان کو گھیر کر 'غفلت' اور 'اتباعِ ہویٰ' کی گھاٹی میں لے آؤ پھر جیسے چاہو ان کا قلع قمع کرو۔ ان کی تمہارے خلاف سب سے کارگر تدبیر یہ ہوگی کہ یہ 'خدا کی پہنچان' اور 'خدا کی یاد' میں قلعہ بند ہو جائیں اور 'اہواء کے خلاف جہاد' کی تلواریں سونت لیں۔ تو جب تم دیکھو ان میں سے کوئی شخص خدا کی عظمت کا ورد کرتا ہے اور اہواء کے خلاف تلوار نکال کر کھڑا ہے تو ایسے شخص کے البتہ قریب مت جانا، اس کے تو سائے سے بھی بھاگنا۔ اس کے ساتھ الجھے تو تمہاری تباہی ہے۔

☆☆☆☆☆

مقصد یہ کہ گناہ اور نافرمانیاں وہ ہتھیار ہیں جنہیں آدمی اپنے قتل ہونے کیلئے خود اپنے ہاتھ سے اپنے دشمن کو تھماتا ہے۔ تم اگر ایسا شخص دیکھنا چاہو جو اپنے خلاف اپنے دشمنوں کے ساتھ مل کر جنگ میں نہایت سرگرمی کے ساتھ مگن ہو تو یہ وہ شخص ہے جو خدا کی نافرمانیوں کو اپنی زندگی کا معمول بنا چکا ہے۔ اور یہ بات جہالت کی انتہا ہے۔

سچ ہے جاہل آپ ہی اپنا سب سے بڑا دشمن ہے...... وہ جاہل جو اپنی ہدایت اور نجات کیلئے آسمان سے اتری ہدایت ہی سے نابلد رہنے پر بضد ہے!!!

من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له......

(استفادہ از: ''الجواب الکافی'' مؤلفہ امام ابن القیمؒ ص۶۶-۷۱)

(استفادہ از الفوائد، مؤلفہ ابن القیم)

ہوئے تم دوست جس کے!

جاہل دیندار

جاہل دیندار، کہ اللہ کی بابت کوئی علم، نہ اُس کے اسماء والقاب سے واقفیت، نہ اس کی صفات سے آ گاہی.. علم کے نام پر کچھ سیکھا تو صفات کی تعطیل، یعنی نری جہالت.. اوراس پر ظلم یہ کہ لوگوں کو خدا کا پتہ دینے بیٹھے ہیں..!

مخلوق کے دلوں میں خدا کے لئے نفرت پیدا کرنا ان دین داروں کا گویا صبح شام کا مشغلہ ہے۔محبت، چاہت اور طلب کے جتنے راستے خدا تک جاتے ہیں، اپنی لاعلمی اور جہالت سے یہ ان سب راستوں کو مسدود کرنے میں لگے ہیں۔ خدا کی اطاعت اور فرماں برداری کی جو اصل روح ہے اور خدا کی جانب بڑھنے کا جو اصل لطف ہے اس کا ستیاناس کر کے رکھ دینا ان کی کل کارگزاری بن گئی ہے۔عقیدے کی وہ جاہلانہ تشریحات کریں گے اور کلام کے وہ مبحث چھیڑیں گے کہ بندگی کے سب نفیس جذبے اور عبدیت کی سب بے ساختگی تباہ ہو کر رہ جائے۔

اس کی مثالیں یوں تو ختم ہونے میں نہیں آتیں، مگر ہم یہاں صرف ایک جہالت کا ذکر کریں گے......

عام لوگ جو کہ ضعیف نفوس کے مالک ہوتے ہیں اور بے چارے دین سے بھی لاعلم، جب وہ دین کی طرف آتے ہیں، تو کچھ جاہل، جن کو زعم ہے کہ یہ خدا سے واقف ہیں، عوام الناس کو خدا کا کچھ اس انداز کا تعارف کرائیں گے:

'ارے کہاں بھائی، اُس کا کچھ پتہ نہیں، خوش ہو جائے تو کسی بھی بات سے خوش ہو جائے، پکڑ لے تو کسی بھی بات پر پکڑ لے! ٹھیک ہے عبادت کرو، مگر بھروسہ کسی چیز کا نہیں، بڑے بڑے عبادت گزار نمازی پرہیزی یہاں ہو گزرے، کہ کبھی کوئی ایک نیکی نہ چھوٹی ہوگی، صبح شام جب دیکھو نیک اعمال میں مصروف، مگر پکڑے گئے تو پکڑے گئے! آدمی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خدا کے داؤ سے بےخوف ہو جانا (أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ . الاعراف:۹۹) تو ویسے بھی از روئے قرآن مذموم ہے! کوئی پتہ نہیں کس دن تقدیر اپنا کام دکھائے اور ایک متقی جس کی ساری زندگی محراب کے اندر عبادت میں گزری، اگلے دن دیکھو تو شراب خانے میں جام تھام کر بیٹھا ہو، توحید کا ایک علمبردار کل کو مشرک بنا ہوا ہو، جو آج تسبیح کرتا نہیں تھکتا کل ناچ گانے میں مست ہو! خدا کسی کے دل کو ایک دم میں پلٹ دے اور وہ قسمت کا مارا خالص ایمان سے صریح کفر میں جا پڑے! اپنے اس انداز فکر پر یہ کچھ نصوص اور آثار بھی لے کر آئیں گے جن میں سے کئی ایک مستند ہوں گے مگر ان نصوص کو انہوں نے سمجھا نہایت غلط معنیٰ میں ہوگا، جبکہ کچھ ایسے نصوص اور آثار لائیں گے جو ویسے ہی غلط اور بے بنیاد ہیں اور جن کی معصوم ﷺ سے نسبت ہی ثابت نہیں۔

ظالم سمجھتے ہیں کہ توحید اور تقدیر پر ایمان رکھنا خدا کی قوت اور قہر کی بابت کچھ اسی انداز کا اعتقاد رکھنا ہے! اپنے اس مفہوم کے ثبوت پر یہ آیات پڑھ پڑھ کر سنائیں گے اور 'دلائل' دیں گے:

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (الأنبياء: ٢٣)

"خدا جو کرے اس کیلئے جوابدہ نہیں، اور وہ (مخلوقات) جواب دہ ہیں"

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ (الأعراف: ٩٩)

"کیا یہ لوگ اللہ کے داؤ سے نڈر ہو گئے ہیں؟ (سن لو کہ) اللہ کے داؤ سے
وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں"

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ (الأنفال: ٢٤)

''اور جان رکھو، اللہ بندے اور اس کے دل کے مابین حائل ہو جاتا ہے''

پھر ابلیس کا قصہ اِس موضوع پر کچھ اس انداز سے سنائیں گے کہ ہزاروں سال وہ فرشتوں کے سر کا تاج بنا رہا تھا، آسمان کا کوئی گوشہ اس نے چھوڑا اور نہ زمین کا کوئی چپہ جہاں اس نے سجدہ یا رکوع نہ کر رکھا ہو، کہ اچانک اس پر تقدیر کی قلم چلی اور ایک لمحے میں وہ پرہیزگار سے بدکار جا بنا!

حتیٰ کہ ان کے بعض 'پہنچے ہوئے' خدا سے یوں ڈرائیں گے، معاذ اللہ، جیسے شیر سے ڈرایا جاتا ہے، کہ جو آپ پر حملہ آور ہوتا ہے تو کچھ اس وجہ سے نہیں کہ آپ سے اس کے حق میں کوئی قصور ہوا ہے!

کبھی یہ نبی ﷺ کی اس حدیث کا حوالہ دیں گے، کہ: 'تم میں سے کوئی شخص اہل جنت کے سے اعمال کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے مابین ایک ہاتھ کا فاصلہ ہوتا ہے، تب لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے، تو وہ اہل دوزخ کے سے اعمال کرنے لگتا ہے، پھر دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے'!

کبھی یہ اپنی اس کوتاہ فہمی پر سلف کا یہ قول روایت کریں گے کہ: 'کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے: اللہ کے داؤ سے بے خوف ہو جانا اور اس کی رحمت سے مایوس ہو جانا'۔ اور یہ کہ امام احمد نے عون بن عبداللہ یا کسی اور بزرگ سے بیان کیا کہ انہوں نے کسی شخص کو دعا کرتے سنا: 'یا اللہ مجھے اپنے داؤ سے بے خوف نہ کر' تو انہوں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا، دعا یوں نہیں بلکہ یوں کرو: یا اللہ مجھے ان لوگوں میں سے نہ کر جو تیرے داؤ سے بے خوف ہو گئے''۔

ان کی یہ سب گمراہی جس ایک باطل بنیاد پہ سہارا کر رہی ہوتی ہے وہ ہے: ان ظالموں کا خدا کے ہاں حجتِ بالغہ اور حکمتِ لامتناہی پائے جانے کا انکار کر بیٹھنا یا پھر خدا کے لطف و کرم اور عدل و رحمت اور حکمت و دانائی والی صفت پر اس انداز سے زور نہ دینا

جس انداز سے یہ جاہل 'تقدیر کے کرنے' پر زور دیے رکھتے ہیں۔ مخلوقات میں ہدایت اور گمراہی پانے کا کوئی ایسا واقعہ ہوا تو ان کے خیال میں گویا نہ تو اس کی کوئی علت ہوتی ہے اور نہ اس کے کچھ نہایت معقول اسباب! گویا اللہ کے کام (معاذ اللہ) نہ تو دانائی اور خرد سے پر ہوتے ہیں اور نہ کسی حقیقی سبب سے انکا کوئی تعلق، بلکہ گویا وہ محض اپنی 'مشیئت' سے فیصلے کر ڈالتا ہے جن کے پیچھے نہ تو نہایت عظیم حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں، نہ اس کی کوئی نہایت زبردست علت پائی گئی ہوتی ہے اور نہ کوئی سبب ہی ہوتا ہے!!! اور یہ کہ اللہ جو کرتا ہے (معاذ اللہ) بس یونہی کر دیتا ہے، بندے کی طرف سے ہرگز اس کی کوئی وجہ فراہم کی گئی ہوتی ہے اور نہ کوئی بنیاد! اور یہ کہ وہ چاہے تو اہل اطاعت کو بدترین عذاب میں پہنچا دے اور اپنے دشمنوں اور اہل معصیت کو بہترین ثواب پہ لے جائے یا اس سے برعکس کرے، اور یہ کہ ہر دو امر اس کے حساب سے معاذ اللہ ایک برابر ہیں!

اب جب عمل کرنے والا یہ دیکھتا ہے کہ کوئی قاعدہ اور اصول یہاں پایا ہی نہیں جاتا، اور معاذ اللہ ثم معاذ اللہ 'خدا کے داؤ' کا کوئی بھروسہ ہی نہیں، تو پھر اُس کا تقرب پا رکھنے کا کیا اعتبار؟! اور اُس کی اطاعت وفرماں برداری اور اس کے احکامات کی اتباع پہ اعتماد کی کہاں گنجائش؟! پھر تو یہ تھوڑا ہی وقت ہے، کیونکہ آگے تو معاملے کا کوئی سر پیر ہی نہیں! معاذ اللہ آخرت سے تو پھر یہ دنیا ہی بھلی، جس کے کوئی اصول تو ہیں! یہاں آپ بلندی سے چھلانگ لگائیں تو نیچے آگریں گے، آگ میں ہاتھ ڈالیں گے تو اس کو جلا بیٹھیں گے، مگر آخرت کا تو معاملہ ہی اور ہے، کیا پتہ کریں کچھ اور ہو جائے کچھ! ہم اپنی سب خواہشات بھی چھوڑ دیں، سب مزوں کو خیر باد بھی کہہ دیں، عبادت میں صبح شام جتے بھی رہیں، مگر بھروسہ ہرگز نہیں کہ وہ ہمارے ایمان کو ہی ایک دم کوئی ایسا پلٹا دے کہ وہ کسی دن کفر بنا ہوا ہو! (معاذ اللہ) ہماری توحید کسی دن شرک بنی پڑی ہو، اطاعت معصیت بن گئی ہو، نیکوکاری بدکاری میں بدل گئی ہو...... یوں دنیا تھی سو گئی اور آخرت ہے سو وہ برباد!

عوام الناس کے اذہان میں جب یہ طرزِ فکر جاگزیں ہو جائے گا، اور یہیں سے ان کی ایک 'دینی نفسیات' تشکیل پائے گی تو بھلا ہو گا کیا؟ جب ان کو خدا کے احکامات سنائے جائیں اور حرام خواہشوں اور لذتوں سے دستکش رہنے کی بات کی جائے گی تو ان کا حال اس بچے کا سا ہو گا جس کا باپ اس کو مکتب بھیجتا ہے تو ساتھ میں وہاں کے استاد کا تعارف کچھ یوں کراتا ہے: یہ استاد ہے تو بہت لائق، پر کچھ پتہ نہیں تم بہت اچھا لکھ کر آؤ، اور سبق یاد کرنے کا حق ادا کر دو، اور مکتب میں اس کے ہر ہر حکم کی تعمیل بھی کرتے رہو، مگر وہ پھر کوئی ایسی حجت نکال لے کہ تمہیں نہایت سخت سزا مل جائے! اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ تم حد درجہ نالائقی دکھاؤ، کوئی ایک سبق یاد کر کے نہ دو، اور کسی ایک حکم کی تعمیل نہ کرو مگر اس سے زبردست تحسین اور انعام پا کر گھر لوٹو! اب اس بچے کا یہ حال ہو گا کہ ماسٹر اس کو جب بھی تنبیہ کرے گا کہ فلاں سبق یاد نہ ہوا یا فلاں کام نہ کیا گیا یا فلاں حکم نہ مانا گیا تو یہ اور یہ سزا ملے گی، یا یہ کہ فلاں اچھا کام کرنے پہ یہ اور یہ انعام دیا جائے گا......تب بچہ نہ تو اس کی تنبیہ کو سنجیدگی سے لے گا اور نہ اس کے وعدۂ انعام کو، آخر اصول جو کوئی نہیں! ایسا بچہ کیا خاک پڑھ کر اور سدھر کر آئے گا؟

اب جب یہ بچہ کچھ بڑا ہو کر عملی زندگی میں قدم رکھنے کے قابل ہوتا ہے اور کسی ملازمت پر لگنے کی نوبت آتی ہے، تو بزرگوار اس کو حاکم وقت کا تعارف کچھ اس انداز سے کراتے ہیں: ہمارے شہر کا یہ جو حاکم ہے، کچھ نہیں کہہ سکتے یہ چور کو کسی دن جیل سے نکالے اور امیر وزیر کے کسی منصب پر فائز کر دے، اور کسی نہایت محنتی، ایماندار اور فرض شناس اہلکار کو قید خانے میں ڈال دے، بلکہ تو یہ پتہ نہیں اس کو سولی پر لٹکا دے! اب یہ نوجوان کیوں نہ حاکم سے بدک کھڑا ہو؟ اس کو نہ حاکم کے کسی وعدے پر بھروسہ ہو گا اور نہ کسی تنبیہ اور وعید کا یقین۔ یہ اپنے امیر سے محبت تو خیر کر ہی کیا پائے گا، ڈرے گا تو ویسے ہی جیسے ایک ظالم سے ڈر کر رہا جاتا ہے جو نوازنے پر آئے تو ایک گناہگار کو نواز دے اور پکڑنے پر آئے تو ایک بے گناہ کو پکڑ لے!

اب ایسا شخص کیونکر یہ اعتقاد رکھے کہ نیک اعمال لازماً نفع بخش ہیں اور برے اعمال پکڑوا کر رہتے ہیں؟ اب نہ یہ نیکی کے اندر اطمینان پائے اور نہ شر سے اس کو وحشت ہو۔ کیا خدا سے خلقت کو بھگانے اور اُس کی عبادت سے نفرت دلانے میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز ہوسکتی ہے؟ بخدا سب ملحد اور زندیق اکٹھے ہو کر بھی انسانوں کو دین سے متنفر کرنے اور خدا سے وحشت دلانے میں وہ کارکردگی نہ دکھا سکیں گے جو یہ دیندار دکھا لیتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ایسا کرکے یہ لوگوں کو توحید اور تقدیر پر ایمان دلاتے ہیں، اور تقدیر کے منکر بدعتیوں کا رد کرکے دین کی نصرت کا حق ادا کررہے ہیں! بخدا، ایک عقلمند دشمن ایک جاہل دوست کی نسبت کہیں وارے کا ہے۔ خدا کی سب کتابیں اور سب رسول اِن کے باطل ہونے پر صاف شہادت ہیں، خصوصاً خدا کی آخری کتاب قرآن مجید۔

دین کے یہ داعی، لوگوں کو دین پر لانے میں اگر وہ منہج اختیار کرتے جو اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے لوگوں کے اندر دین کی حقیقت جاگزیں کرانے کیلئے اختیار کیا تو کیا ہی بہتر ہوتا۔ اصلاح کی ایک ایسی صورت سامنے آتی کہ فساد نام کو نہ رہتا......

اللہ رب العزت نے قرآن میں جگہ جگہ یہ حقیقت واضح فرمائی، جبکہ اس کا قول سچ ہے اور اُس کا وعدہ وفا ہو کر رہنے والا ہے، کہ لوگوں کے ساتھ اُس کا معاملہ لوگوں کے اپنے ہی کسب کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اور یہ کہ وہ ان کو ان کے اپنے اعمال ہی کی جزا دینے والا ہے، نہ کہ محض اپنے کسی فعل کی بنا پر معاذ اللہ ان کو گمراہی میں ڈالنے والا۔ اور یہ کہ نیکوکار کو اس کے ہاں کوئی ڈر ہونا ہی نہ چاہیے کہ اس پر ظلم ہوگا، یا اس کا کوئی حق مارا جائے گا، یا حتیٰ کہ اس میں کوئی کمی کردی جائے گی، یا کسی بھی قسم کی کوئی زیادتی ہوگی۔ (قرآن کے اندر اس سیاق میں مختلف جگہوں پہ بدل بدل کر چار الفاظ ایسی کسی بھی زیادتی کے امکان کی نفی کیلئے آئے: بندے کو اپنے رب کے ہاں نہ 'ظلم' کا ڈر، نہ 'ھَضْم' کا، نہ 'بَخس' کا اور نہ 'رَھَق' کا)۔ خدا کی کتاب بار بار بتاتی ہی یہ ہے کہ انسانوں کا مالک کسی نیکی کرنے والے کا کوئی بھی عمل ضائع نہ کرے گا، اور یہ کہ ایک

ذرہ بھی خیر کا ہوگا تو وہ ہرگز ضائع جانے نہ دیا جائے گا۔ کیسا کیسا خوبصورت بیان قرآن کے اندر آیا:

إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْراً عَظِيماً (النساء: ۴۰)

''اللہ ایک ذرہ برابر ظلم کرنے والا نہیں۔ اگر نیکی (کی) ہوگی، تو وہ اُس کو کئی گنا بڑھا دینے والا ہے اور خود اپنے ہاں سے اجرِ عظیم بخش دینے والا''!!!

اُس کی کتاب بار بار بتلاتی ہے کہ رائی برابر کوئی نیکی اس کے ہاں پوشیدہ نہ رہ پائے گی بلکہ میزان میں تلنے کیلئے سامنے لا رکھی جائے گی۔ اور یہ کہ کسی نے برائی کی ہے تو اس کا بدلہ صرف ایک مثل ہوگا، بلکہ اگر وہ توبہ کر لے اور ندامت اور استغفار کی راہ اختیار کرے، تو اس ایک مثل کو بھی وہ کالعدم کر دے گا۔ اِس کے دامن میں کچھ نیکیاں ہیں تو اِس کی اس برائی کو وہ اِس کی نیکیوں کے بدلے میں ہی ختم کر ڈالے گا۔ کسی وقت ان مصائب کو ہی جو اس پر دنیا میں آئے ہوں، اس کی برائی کا کفارہ بنا دے گا۔ البتہ اگر اس نے نیکی کی ہے تو اس کا بدلہ وہ مہربان ایک مثل نہیں، پورے دس مثل دے گا۔ بلکہ بعید نہیں سات سو مثل تک بڑھا دے، بلکہ تو بڑھاتا ہی جائے!

پھر خدا کی کتاب اور خدا کا رسول پروردگارِ عالم کا تعارف کراتا ہے کہ وہ ذات ہے جو برائی کا شکار ہو جانے والوں کو سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔ مردہ دلوں کو زندگی دیتی ہے۔ گناہگاروں کی توبہ قبول فرماتی ہے۔ در پہ آئے کو، چاہے وہ گناہوں کے پہاڑ اٹھا لایا ہو، بخشے بغیر لوٹانا اس کی شان نہیں۔ گم گشتہ راہ کو، جب وہ ہدایت کا سوال کر لے، راہ دکھانا اس کی صفت ہے۔ تائب کو باریاب کرنا اس کے دربار کا آئین ہے۔ اس سے بھاگا ہوا خواہ کسی حد تک کیوں نہ چلا گیا ہو، اس کے پاس لوٹ کر آئے تو خیر مقدم کے سوا کسی اور سلوک کی توقع نہ ہونی چاہیے۔ وہی ہے جو جاہلوں کو علم دے۔ بے شعوروں کو بصیرت دے غافلوں کو یاد دہانی کرائے اور قلوب کی زندگی کیلئے زمین پر کتابوں کا نزول اور رسولوں

کی بعثت فرمائے۔ پھر جب وہ کسی کو عذاب بھی دے تو اس کے بغاوت کی ایک خاص حد کو پہنچ لینے کے بعد اور خودسری کے حد سے بڑھ جانے کے بعد، اور وہ بھی تب جب اپنی جانب لوٹ آنے اور اپنی خدائی اور کبریائی کا اعتراف کر لینے کی با قاعدہ دعوت وہ بندے کو پہنچا چکا ہو، بلکہ بار بار اس کو یاددہانی کرا چکا ہو۔ پھر جب بندہ یہ امکان ہی ختم کر دے کہ وہ اُس کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کر کے دے گا اور اس کی تعظیم اور بندگی کا راستہ اختیار کرنے پر تیار ہوگا.. تب جا کر وہ اس کے کفر اور اس کی سرکشی اور خودسری کی کچھ سزا اس پروارد کر دیتا ہے۔ یہاں تک بتایا کہ خدا بندے کا عذر ختم کر دینے میں اس حد تک جاتا ہے کہ دوزخی عذاب لیتے ہوئے صاف تسلیم کریں گے کہ سب قصورا نہی کا تھا:

فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحْقاً لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ (الملك: ١١)

''پس وہ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے سو دوزخیوں کے لئے (رحمتِ الٰہی سے) دُوری ہے''

حتیٰ کہ دنیا میں کسی قوم پر اس کا عذاب آیا تو اس کی تصویر ہمیں یوں دکھائی گئی:

قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ فَمَا زَالَت تِّلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيداً خَامِدِينَ (الأنبياء: ١٤- ١٥)

"کہنے لگے ہائے شامت! بیشک ہم ظالم تھے۔ وہ اسی طرح پکارتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو (کھیتی کی طرح) کاٹ کر (اور آگ کی طرح) بجھا کر ڈھیر کر دیا''

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: یہ جہنم میں جائیں گے، جبکہ خدا کے عدل کی تعریف ان کے دلوں میں ہوگی، کہ وہ اُس پر کوئی حجت نہ رکھ پائے اور نہ ہی وہ اپنا کوئی جواز سامنے لا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں واؤ، حالیہ ہے:

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُواْ وَالْحَمْدُ لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الأنعام: ٤٥)

''تو پھر ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جبکہ سب تعریف اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے''

یعنی ان کی جڑ کاٹ دی گئی اس حال میں کہ خدا اس پر لائقِ تعریف وستائش ہی ٹھہرا۔ یوں جب وہ کسی کی جڑ کاٹے تو اس کا ایسا کرنا درحقیقت اُس کی تعریف اور اُس کے اِس پر سراہے جانے کا ہی موجب ہوگا کہ حکمت اور دانائی کا تقاضا ہی درحقیقت یہ تھا اور عدل تھا ہی یہ کہ وہ اپنی عقوبت عین وہاں نازل کرے جہاں اس کے نازل ہونے کا حق ہے۔ یوں کہ جیسا کسی مجرم کی بابت کہا جاتا ہے: یہ سزا اس شخص کو ہی ملنی چاہیے تھی اور یہ شخص اس سزا کا ہی حقدار تھا۔

یہی وجہ ہے سورۂ زمر کے آخری حصہ میں، جہاں خوش بختوں اور بدبختوں ہر دو کے انجام کی نہایت اثر انگیز تصویر کھینچ کر دکھا دی گئی، یوں کہ دونوں فریق اپنے اپنے ٹھکانے جا پہنچے، تو بات یہاں جا کر ختم ہوئی:

وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الزمر: ۷۵)

"اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور کہہ دیا گیا "تعریف اللہ ہر طرح کی اللہ ہی کو سزاوار ہے جو مالک ہے سب جہانوں کا"

یہاں قِيلَ یعنی مجہول کا صیغہ استعمال کیا گیا، جس کے اندر فاعل مذکور نہیں ہوتا.. یہ بتانے کیلئے کہ پوری کائنات اور سب مخلوقات نے یک زبان ہو کر خدا کا فیصلہ سن کر کہا: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ "تعریف اور ستائش اللہ کی جو مالک ہے سب جہانوں کا"!

اسی مقام کی یہ آیت، جو اس سے ذرا ہی پہلے گزری ہے:

قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ (الزمر: ۷۲)

"کہہ دیا جائے گا: داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں میں، ہمیشہ اس میں رہنے کے لئے، تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانہ ہے"

یہاں بھی قِيلَ کا لفظ آیا۔ گویا پوری کائنات ان بدبختوں کو کہہ رہی ہے کہ جاؤ جہنم میں۔ حتیٰ کہ ان کے اعضاء ان کو یہی بات کہہ رہے ہیں، ان کی روحیں ان کو کہہ رہی

ہیں، ان کے پیروں تلے کی زمین، سر اوپر کا آسمان سب کچھ گواہی دے رہا ہے کہ وہ لائق ہی اسی کے تھے۔

جہاں اس نے اپنی کتاب میں کسی قوم کی ہلاکت کا قصہ سنایا وہیں کچھ لوگوں کے بچ جانے کی خبر بھی مذکور کر دی، اور یہ بات بھی ذکر کئے بغیر نہ چھوڑی کہ ہر دو فریق کے ساتھ اس قدر مختلف برتاؤ رکھا گیا تو آخر کیوں؟ حالانکہ وہ چاہتا تو محض اپنی مشیئت سے سب کو ہی ہلاک کر ڈالتا! نوحؑ نے جب پانی میں ڈبکیاں کھاتے ہوئے لخت جگر کی نجات کیلئے فریاد کی تو اُس ذات کبریائی نے اس درخواست کو صاف رد کر دیا اور بغیر کسی ادنیٰ تاخیر کے یہ بتایا کہ اس فرزند کے ''عمل غیر صالح'' ہیں، یہ نہیں کہا اس کو ہلاک کر ڈالنا نری میری مرضی اور مشیئت ہے جس کا اس کے اعمال سے کوئی تعلق نہیں!

پھر اُس نے ان کے لئے جو اُس کی راہوں کو پانے کیلئے کوشش اور تگ ودو کریں، اور بھی ہدایت دینے کی ضمانت اٹھائی: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۶۹)۔ کیا اُس کی اِس بات سے واضح نہیں کہ خدا کا کسی کو ہدایت نصیب فرمانا دراصل انسانی جہد کا ہی خدائی صلہ ہے؟

اسی طرح جو لوگ تقویٰ کی راہ اپنائیں اور اُس کی خوشنودی کے اسباب ڈھونڈیں، ان کیلئے اور بھی ہدایت کی ضمانت اٹھائی: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ (محمد: ۱۷)

اُس نے صاف بتا دیا کہ وہ کس طرح کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے: وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيْثَاقِهِ .. (البقرۃ: ۲۶-۲۷) پس وہ انہی لوگوں کو گمراہ کرے گا جو ہیں ہی بدکار، جو خدا کے عہد کو اس کے میثاق کے بعد توڑ دینے پر اتر آئیں۔ اُس نے بے شمار انداز میں واضح فرمایا کہ وہ انہی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو گمراہی کو ہی ترجیح دیں اور اسی کو ہدایت پر مقدم جانیں۔ تب پھر وہ ضرور ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ ایسا شخص جس کو اُس کی ہدایت پہنچی اور بار بار اس کے کان میں

ڈالی گئی مگر اس نے اپنی اس گمراہی کی حالت کو ہی اپنے دل سے لگا کر رکھا اور خدا کی ہدایت پر ایمان لانا قبول ہی نہ کیا، بلکہ الٹا اس کو رد کرنے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا اور خدا کی اس بات کو ہی غلط اور باطل ثابت کرنے اور اس کو رسوا کرنے پر کمر بستہ ہو گیا تو ایسے شخص کا ضرور پھر وہ دل ہی اوندھا کر دیتا ہے اور اس کی آنکھیں حق کیلئے اندھی کر دیتا ہے، جو کہ اُس کی جانب سے اس بات کی سزا ہوتی ہے کہ وہ یہ جان لینے کے بعد کہ یہ جہانوں کے مالک کی طرف سے ہے، اس کے ساتھ دشمنی کرنے پر اتر آیا تھا۔

اُس نے یہ تک واضح کیا کہ اس صورتحال میں بھی کہ جس کو گمراہی اور بدبختی کہا جاتا ہے، وہ ان نفوس میں خیر کی کوئی رمق پائے تو وہ ان کے کان میں نیکی اور ہدایت کی بات ضرور کسی نہ کسی طرح ڈال دے: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْراً لَّأَسْمَعَهُمْ (الانفال:۲۳) مگر وہ جانتا ہے اور صرف وہی جان سکتا ہے ان کے یہ دل ہدایت کے لائق ہیں ہی نہیں۔

رسولوں کو مبعوث فرمانے اور کتابیں اور شریعتیں اتارنے کا یہ سارا سلسلہ خدا نے ان کے عذر ختم کرنے کیلئے ہی تو جاری کیا اور اپنی حجت واضح کر دینے کیلئے ہی تو قائم فرمایا! ہدایت کے اس قدر اسباب مہیا فرمائے کہ کسی کے پاس کہنے کو کچھ رہ ہی نہ جائے۔ قرآن میں کس طرح بار بار اور پیرائے بدل بدل کر یہ واضح فرمایا کہ وہ نہیں گمراہ کرتا مگر بدکاروں اور ظالموں کو ہی۔ اور یہ کہ وہ ٹھپہ نہیں لگاتا مگر حد سے گزر جانے والوں کے دلوں پر ہی۔ اور یہ کہ وہ فتنہ کے اندر اوندھا کر کے نہیں پھینکتا مگر منافقت کی راہ اختیار کر لینے والوں کو ہی۔ اور یہ کہ کافروں کے دلوں پر جو زنگ چڑھتا ہے وہ ان کے اپنے ہی کسب اور کمائی کی بدلی ہوئی ایک صورت ہے (كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ.. المطففین:۱۴) یعنی ان کے جو کرتوت ہیں وہ ہی زنگ بن کر ان کے دلوں کے اوپر جم گئے ہیں۔ اپنے دشمن یہود کے بارے میں اُس نے واضح فرمایا: وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا (النساء:۱۵۵) یہ ٹھپہ ان کے دلوں پر خدا کی طرف سے لگا ہے، مگر بِكُفْرِهِمْ 'ان کے اپنے ہی کفر کے سبب'۔ اور جگہ واضح

فرمایا کہ اُس کا یہ طریقہ نہیں کہ جب وہ کسی کو ہدایت دے دے تو پھر ان کو گمراہی دے تا آنکہ وہ ان پر آخری حد تک واضح نہ فرما چکا ہو کہ انہیں کس کس چیز سے حددرجہ بچ کر رہنا ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْماً بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ (التوبہ:۱۱۵) یعنی وہ اُس کی جانب سے واضح کر دیے جانے کے بعد پھر اپنے فیصلے اور اختیار سے بدبختی اور ضلالت کو ہی ہدایت کی بجائے اپنے لئے اختیار کر لے اور خدا کو صاف مسترد کرتے ہوئے شیطان کو ہی اپنی دوستی اور کارسازی کیلئے چن لے تو وہ بھی پھر اپنے دشمن کے دوست کو اپنی دوستی اور ولایت (کارسازی) سے بے دخل کر دیتا ہے۔

ایسے بے شمار مقامات اور حوالے جو قرآن میں بوضاحت بیان ہوئے کیا یہ بتانے کیلئے کافی نہیں کہ بندے کو خدا کی جانب سے گمراہی میں دھکیل دیا جانا خود بندے کے ہی کسب اور فعل کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ ابتداء اس کا سبب؟ اور یہ کہ خدا کا ایسا کرنا محض کسی بات کی جزا ہوتی ہے، جس سے آپ سے آپ یہ واضح ہے کہ اس کی نوبت بعد میں آتی ہے، جبکہ پہل بندے ہی کی جانب سے ہو چکی ہوتی ہے؟ بلکہ بندے کو بدبختی سے بچ رہنے کے کافی سے زیادہ مواقع تک دیے جا چکے ہوتے ہیں؟

رہ گیا آیت أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ ”کیا یہ لوگ اللہ کے داؤ سے نڈر ہو گئے ہیں؟“ (الأعراف:۹۹) سے ان لوگوں کا اپنے اس خیال پر استدلال کرنا.. تو اس آیت کا سیاق ہی درحقیقت کچھ اور ہے۔ 'مَکر' کا یہ لفظ اللہ رب العزت کیلئے علیٰ وجہ الجزاء آیا ہے، یعنی ان ظالموں کے مکر کا مکر سے جواب دینا جو اللہ کے ولیوں اور رسولوں کے خلاف داؤ چلتے ہیں۔ وہ اللہ کے حزب کے خلاف ایک گھناؤنا داؤ چلتے ہیں تو اللہ ان کے خلاف نہایت حق داؤ برتتا ہے۔ پس 'داؤ' کا لفظ دشمنان خدا کے لئے نہایت قبیح معنیٰ میں آیا ہے اور اللہ ذو الجلال کیلئے نہایت خوب معنیٰ میں، مگر آیا علیٰ سبیل الجزاء ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں یہی بات کی گئی ہے کہ یہ بدبخت جو حق کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے صبح شام نبوتوں اور رسالتوں کے خلاف چالیں چلتے ہیں کیا یونہی بڑے آرام سے چین کی نیند سوئیں گے،

اور خدا تو ان کی کسی چال کا جواب ہی نہ دے گا، کہ ان کے خیال میں تیزی اور چالا کی بس انہی کا خاصہ ہے!؟ اسی وجہ سے آیت کے آخری حصہ میں واضح کیا گیا کہ سب سے بڑھ کر اپنا ہی نقصان کرانے والے کوئی ہو سکتے ہیں تو وہی جو چال بازی کی صورت میں خدا کے ساتھ ماتھا لگا بیٹھتے ہیں۔ فَلاَ يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُون.

رہ گیا ان کا اس حدیث سے استدلال کرنا کہ 'تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے مابین ایک ہاتھ جتنا فاصلہ رہ جاتا ہے، تب لکھا ہوا اس پر غالب آ تا ہے......'' تو اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے دیکھنے میں [1] ایک شخص کے عمل اہل جنت والے ہوتے ہیں۔ ورنہ اگر وہ اللہ کی نظر میں صالح

---

(۱) امام ابن قیمؒ نے اس مشہور حدیث کی یہ جو وضاحت کی ہے (یعنی 'لوگوں کے دیکھنے میں') یہ وضاحت بھی دراصل ایک دوسری حدیث ہی سے ماخوذ ہے، اور یہ ابن قیم کا یا دیگر علماء کا 'نرا' فہم نہیں۔ یہ حدیث جو ابن قیم کی ذکر کردہ اس وضاحت کیلئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے، گو ابن قیمؒ نے یہاں درج نہیں کی کیونکہ یہ مقام تفصیل کا نہ تھا، مگر چونکہ اس حدیث کے حوالے سے بہت سے لوگوں کو ایک اشکال رہتا ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں پر وہ حدیث نقل کر دیں جو اس اشکال کو ہی سرے سے رفع کر دیتی ہے۔ اور یہ تو ہم جانتے ہیں کہ احادیث کو مجموعی طور پر ہی سمجھنا چاہیے، نہ کہ ایک آیت کو بقیہ آیات یا ایک حدیث کو بقیہ احادیث سے تنہا کر کے:

امام مسلم اپنی صحیح میں كتاب القدر (تقدیر کی کتاب) کے باب كيفية خلق الآدمی فی بطن أمه وكتابة رزقه وأجله وعمله (اس بات کا بیان کہ کیسے آدمی اپنی ماں کے پیٹ میں تخلیق کیا جاتا ہے اور پھر اس کا رزق، اس کی اجل اور اس کا عمل (اسی وقت) لکھ دیا جاتا ہے) کے تحت یہ حدیث لاتے ہیں:

عن سهل بن سعد الساعدی، أن رسول الله ﷺ قال: إن الرجل ليعمل عمل أهل الجنة فيما يبدو للناس وهو من أهل النار. وإن الرجل ليعمل عمل أهل النار فيما يبدو للناس وهو من أهل الجنة.

سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے، کہا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

بے شک ایک آدمی لوگوں کے دیکھنے میں اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے مگر وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا ہے۔ اور بے شک ایک آدمی لوگوں کے دیکھنے میں اہل دوزخ کے سے عمل کرتا ہے مگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے''

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اور مقبول ہوں اور واقعی جنت کے قابل ہوں، اور اللہ کو پسند آ چکے ہوں اور اُس کی نظر میں وقعت پا چکے ہوں تو اللہ انہیں یوں نا کارہ کر کے نہ رکھ دے۔

یہاں لم يبق بينه وبينها إلا ذراع ''اس شخص کے اور (جنت) کے مابین ایک ہی ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا ہوتا ہے'' کے لفظ سے کئی لوگوں کو اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تو واضح ہے کہ اصل اعتبار آدمی کی زندگی میں اعمال کی آخری حالت کا ہی ہوتا ہے، نہ کہ ان اعمال کا جو وہ پہلے کسی وقت زندگی میں کرتا رہا ہو۔ مگر یہ ایک ایسا شخص تھا جس کے اعمال کے اپنے ہی اندر کوئی کھوٹ تھا اور کچھ پوشیدہ آفتیں تھیں جن کو بڑھنے کیلئے چھوڑ دیا گیا اور جو آخر عمر میں جا کر اس کو دغا دے گئیں، یوں اس کا معاملہ الٹ گیا اور وہ ان نیک اعمال سے، جن کے وہ قابل ہی نہ تھا، کلیتاً محروم ہو گیا۔ اگر ابتدا سے اس نے اپنی عبادت اور اطاعت میں وہ کھوٹ نہ رہنے دیا ہوتا اور ان آفتوں کو وہ اپنے سامانِ آخرت سے نکال نکال کر پھینکتا رہتا تو وہ اتنی پل نہ چکی ہوتیں کہ وہ آخر اس کے لٹ جانے کا ہی سبب بن جائیں۔ وہ اپنے عمل کو صاف ستھرا اور خالص اللہ کیلئے کئے رکھتا تو اللہ بھی اس کے ایمان کو کفر میں ڈھل جانے کیلئے یوں بے یارومددگار نہ چھوڑتا۔

بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ:

بنابریں کثیر علماء نے اُس مشہور حدیث کو، جس میں 'لکھے ہوئے' کے غالب آنے کا ذکر ہے، اِس حدیث کی روشنی میں سمجھا ہے، جیسا کہ ابن قیمؒ کی مذکورہ بالا وضاحت سے عیاں ہے، بلکہ امام مسلمؒ کے اس حدیث کو 'تقدیر کی کتاب' میں 'ماں کے پیٹ میں تقدیر لکھی جانے سے متعلق باب' کے تحت لے کر آنے سے ہی یہ بات واضح ہے کہ امام مسلم اِس حدیث کو اُس حدیث کے ساتھ ملا کر ایک ساتھ سمجھنا ہی درست جانتے ہیں۔

بہر حال اُس مشہور حدیث کا یہ فہم تو نہایت غلط ہے کہ ایک آدمی کے جنت جانے کی تو پوری تیاری اور اہلیت ہوتی ہے، کہ اچانک کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس پر اس کا کوئی اختیار ہی نہیں، کہ اس کا رخ یک لخت بدل جاتا ہے اور وہ دوزخیوں والے کام کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ دوزخ میں جا پڑتا ہے! اس غلط فہم کی وجہ سے ہی بعض منکرین حدیث کو اپنے طعن و تشنیع کیلئے اس حدیث کو نشانہ بنانے کا موقعہ ملا۔

رہ گیا ابلیس کا واقعہ، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا تھا: **إنی أعلم ما لا تعلمون** کہ 'میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'۔ چنانچہ پروردگار عالم جانتا تھا کہ ابلیس دل میں کیا کچھ رکھ کر بیٹھا ہے اور کیسا کیسا کفر اور کبر اور حسد اس کے اندر پل رہا ہے، جس کا کہ فرشتوں کو سان گمان تک نہ تھا۔ پھر جب سجدے کا حکم ہوا تو سب کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ باہر آ گیا۔ جن کے دلوں میں پاکیزگی اور اطاعت تھی، محبت، خشیت اور فرماں برداری تھی، وہ فوراً سر تسلیم خم ہو گئے۔ اور جس کے دل میں کبر، کھوٹ، حسد اور گندگی تھی، وہ اپنا آپ بتائے بغیر نہ رہا، حکم ماننے سے صاف انکاری ہوا، گھمنڈ میں آیا اور کافروں میں جا شامل ہوا۔

اللہ مالک الملک البتہ مطلق لائق حمد ہے۔ عیب، معاذ اللہ، کیا ہم اس ذات میں ڈھونڈیں جس کو عیب سے پاک اور نقص سے مبرا کہنے پر کائنات کی ہر صالح مخلوق لگی ہے اور آسمانوں اور زمین میں ہر دم اُس کی تسبیح کرتی ہے؟! جتنا کسی کا علم اتنی اس کی خدا کے لئے تسبیح اور تنزیہ!!! اور اُس کی مطلق ثنا کا تو خود اُس کے سوا کسی کو یارا نہیں!!!

أنت كما أثنيت علىٰ نفسك، لا أحصي ثناء عليك!!!

(استفادہ از الفوائد، مؤلفہ ابن القیمؒ ص ۱۵۹-۱۶۵)

الذین یؤمنون بالغیب
1

''کیا کرے گا اللہ تمہیں عذاب دے کر اگر تم شکر گزار بن کر رہو اور ایمان کی روش پر چلو؟! اور اللہ تو ہے ہی قدر دان، مطلق علم والی ذات!!!''

(النساء:۱۴۷)

''کہو! میرے رب کو تمہاری کیا پرواتھی اگر تم پکارتے نہ ہوتے اُس کو!!!''

(الفرقان:۷۷)

☆☆☆☆☆

''بھلا وہ شخص کہ کھول دیا ہو اللہ نے اس کا سینہ اسلام کے لئے، پھر وہ ہو جاتا ہے اپنے رب کی جانب سے ایک خاص نور پر!!! پس بربادی تو ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کے ذکر کے معاملہ میں سخت دل ہیں۔ یہی ہیں پڑے ہوئے کھلی گمراہی میں!!!

''اللہ نے نازل کیا ہے بہترین بیان؛ جو اول تا آخر ایک سا ہے، اور جس کے مضامین دہرائے جاتے ہیں...... اسے سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں۔ پھر (اس سے) ان کے تن اور ان کے من اللہ کی یاد کے لئے پسیج جاتے ہیں۔ یہ ہے اللہ کی ہدایت، جس سے وہ جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے۔ اور جسے گمراہ کردے اللہ، تو نہیں ہے اسے کوئی ہدایت دینے والا!''

(الزمر:۲۲-۲۳)

''اللہ؛ کہ نہیں ہے کوئی عبادت کے لائق سوائے اس کے۔الحی القیوم!!! نہیں آتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں۔کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے حضور، اُس کی اپنی اجازت کے بغیر؟ اُس کے علم میں ہے جو کچھ مخلوقات کے روبرو ہوتا ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہو چکا ہے۔ وہ نہیں دسترس پا سکتے اُس کے علم میں سے ذرہ بھر پر، ہاں مگر جس قدر وہ خود چاہے۔ وسیع ہے اس کی کرسی سب آسمانوں اور زمین پر۔ نہیں دشوار اس کیلئے ان کا نگہبان رہنا۔وہ ہے عالی مرتبت، عظمت کا مالک!!!

''نہیں کوئی دھونس زبردستی ایمان لانے میں؛ راستی واضح اور الگ تھلگ ہو چکی ضلالت سے۔سو اب جو کفر کر لیتا ہے طاغوت سے اور ایمان لے آتا ہے اللہ پر؛ تو وہی ہے جس نے تھام لیا (ایمان کا) مضبوط ترین سہارا، جو کبھی ٹوٹنے کا نہیں۔اور اللہ تو ہے ہی سمیع اور بصیر!!!

''اللہ حامی و مددگار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لاتے ہیں؛ نکال لاتا ہے ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف۔ رہے وہ جو کفر اختیار کرتے ہیں، تو ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں؛ وہ نکال لے جاتے ہیں ان کو روشنی سے تاریکیوں کی جانب۔ یہی ہیں آگ کے ساتھی؛ ہمیشہ رہنے والے ہیں یہ اس میں!!!''

(البقرۃ:۲۵۵-۲۵۷)

''اُسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی۔کوئی نہیں جانتا انہیں سوائے اُسی کے۔ وہی جانتا ہے جو کچھ بحر و بر میں ہے۔کوئی پتہ نہیں جھڑتا مگر اُس کے علم میں ہوتا ہے۔کوئی دانہ نہیں جو زمین کے اندھیروں میں روپوش ہو اور نہ کوئی خشک اور نہ تر جو اس کے ہاں ایک بین کتاب میں درج نہ ہو!!!

''وہی تو ہے جو تمہیں رات کو قبض کر لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے رہے تھے۔پھر اٹھا کھڑا کرتا ہے تمہیں (دوسرے) دن میں، کہ پوری کر دی جائے ایک مدتِ مقرر۔پھر اُسی کی طرف ہے تمہارا لوٹنا۔پھر وہ تمہیں بتائے گا کیا کچھ کرتے رہے تھے تم......!

''وہی ہے قوت اور سطوت کا مالک اپنے بندوں پر۔ اور وہ (اپنی رحمت سے) بھیج رکھتا ہے تم پر نگہبان۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے ہی بھیجے ہوئے اس کو قبض کر لیتے ہیں اور وہ نام کو بھی کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

''پھر لوٹائے جاتے ہیں سب اللہ کی طرف جو مالک ہے ان کا درحقیقت۔ خبردار! اسی کو حاصل ہے فیصلے کا سب اختیار۔ اور وہ بہت تیز ہے حساب لینے میں۔

''کہو! کون ہے جو بچاتا ہے تمہیں صحرا اور سمندر کے تاریک (خطرات) سے؟ جب تم پکارتے ہو اس کو گڑ گڑا کر اور زیر لب 'اگر وہ بچا لے ہم کو اس آفت سے تو ہم ضرور ہی اس کے احسان مند ہوں گے'؟

''کہو! وہ اللہ ہی تو ہے جو نجات دے لاتا ہے تم کو اس سے اور ہر کرب سے، پھر یہ تم ہو جو (اس کے ساتھ اوروں کو) شریک کرتے ہو!

''کہو! وہ قدرت رکھتا ہے اس پر کہ بھیج دے تم پر عذاب تمہارے اوپر سے اور تمہارے پیروں تلے سے، یا تم کو ٹکڑے ٹولے کر کے رکھ دے اور چکھا دے مزہ ایک گروہ کو دوسرے کی طاقت کا۔ دیکھ کس طرح ہم پھیر پھیر کر آیتوں کو بیان کرتے ہیں کہ یہ بات سمجھ لیں!''

(الأنعام: ۵۹-۶۵)

''تو پھر پکارو اللہ کو، نرے اُس کے بندے ہو کر، چاہے کتنا ہی برا مانیں اس پر کافر!!!

''اُس اللہ کو جو ہے درجے بلند کرنے والا، عرش کا مالک!!! وہ (ایمان کی) روح القاء کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، کہ خبردار کر دے 'ملاقات کے دن' سے......!

''وہ دن کہ ہو رہیں گے سب کے سب بے پردہ!!! نہ چھپی ہو گی اللہ پر ان کی کوئی بات!!! 'کس کی ہے بادشاہت آج؟؟؟' .. اللہ واحد قہار کی!!!

''آج دیا جائے گا بدلہ ہر نفس کو اس کی کمائی کا! ہرگز نہ کوئی ظلم ہوگا آج!!! بے شک اللہ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے!!!

''ڈرا دے اِن کو اس دن سے، جس کی آفت قریب آ لگی ہے؛ جب غم سے گھٹے، کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے!!! نہ ظالموں کا (اس دن) کوئی دوست اور نہ سفارشی جس کی مان لی جائے!!!

''وہ جان لیتا ہے نگاہوں کی چوری کو اور اسے بھی جو چھپائے ہوئے ہیں سینے۔''

(المؤمن: ۱۴-۱۹)

''کہو: تو کیا پھر تم مجھے تلقین کرتے ہو کہ اللہ کے غیر کو پوجوں، ارے اے جاہلو!

'' جبکہ وحی کر دی گئی تیری طرف اور تجھ سے پہلوں کی طرف: کہ اگر کبھی کر لیا تو نے شرک، تو اکارت ہو کر رہے گا تیرا سب عمل اور ہو کر رہے گا تو خسارہ اٹھانے والوں میں۔

''بلکہ پوج تو اللہ ہی کو، اور ہو جا شکر گزاروں میں!!!

''نہ پہنچانی ان (نادانوں) نے شان اللہ کی، جیسا کہ حق تھا اُس کی شان پہنچاننے کا، حال یہ ہوگا کہ روزِ قیامت زمین ساری کی ساری اُس کی ایک مٹھی میں ہوگی اور سب آسمان لپٹ کر اُس کے دست راست میں ہوں گے!!! پاک ہے وہ اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ (اللہ کے ساتھ) کرنے میں لگے ہیں!!!

''اور صور پھونکا جائے گا، تو غش کھا گریں گے سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، مگر جسے اللہ چاہے۔ پھر صور دوبارہ پھونکا جائے گا، تو یکا یک وہ اٹھ کھڑے ہوں گے، دیکھتے!!!

''اور (اس دن) تابندہ ہو اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔ تب کتاب لا کر رکھ دی جائے گی۔ نبیوں اور گواہوں کو حاضر کر لیا جائے گا۔ لوگوں کے سب فیصلے کر ڈالے جائیں گے، حق کے ساتھ، اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا!!!

''ہر نفس کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا، اور اُسے خوب معلوم ہے جو وہ کرتے تھے!''

(الزمر: ٦٨-٧٠)

(سورۂ زمر کی انہی آیات کے ضمن میں)، روایت عبداللہ بن عمرؓ سے، کہا:

رسول اللہ ﷺ نے ایک روز منبر پر یہ آیت پڑھی: وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعاً قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّماوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ''نہ پہچانی انہوں نے شان اللہ کی، جیسا کہ حق تھا اُس کی شان پہچاننے کا، حال یہ ہوگا کہ روزِ قیامت زمین ساری کی ساری اُس کی ایک مٹھی میں ہوگی اور سب آسمان لپٹ کر اُس کے دست راست میں ہوں گے!!! پاک ہے وہ اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ (اللہ کے ساتھ) کرنے میں لگے ہیں!!!...... جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ کے ساتھ اس طرح اشارہ کر رہے تھے؛ کبھی ہاتھ آگے تک لے آتے تو کبھی پیچھے تک لے جاتے۔ (ساتھ آپ ؐ کہہ رہے تھے) پروردگار اپنی عظمت اور کبریائی بتاتے ہوئے کہے گا: ''میں ہوں جبار۔ میں ہوں متکبر۔ میں ہوں بادشاہ۔ میں ہوں غالب۔ میں ہوں عزت والا''۔ تب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منبر بھی لرز رہا تھا، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہیں یہ آپ ؐ کو لے کر گر نہ پڑے!!! (مسند احمد)

روایت عبداللہ بن عمرؓ سے، کہا:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے سنا، فرما رہے تھے:

''جبار جل شانہ (قیامت کے روز) اپنے آسمانوں اور اپنی زمینوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لے گا ___ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنی مٹھی بند کی، پھر کبھی اس کو کھولتے اور کبھی بند کرتے ___ اور پھر فرمائے گا: ''میں ہوں بادشاہ!!! کہاں ہیں (دنیا کے) جبار؟؟؟ کہاں ہیں متکبر؟؟؟

کہا: تب رسول اللہ ﷺ کبھی دائیں جانب جھکنے کو آتے تو کبھی بائیں جانب۔ یہاں تک کہ میری نظر منبر پر پڑی تو دیکھا وہ نیچے تک دہل رہا ہے۔ یہاں تک کہ میں دل میں کہنے لگا: کیا یہ رسول اللہ ﷺ کو لے کر کہیں گر تو نہ پڑے گا!!!

(ابن ماجہ، اسی حدیث کا ایک حصہ مسلم میں آیا ہے، الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ یہ ابوداود میں بھی آئی ہے، حدیث صحیح ہے)

☆☆☆☆☆

''کہیں اگر تم اس وقت دیکھو، جب ظالم لوگ سکراتِ موت میں ڈبکیاں کھانے لگتے ہیں۔فرشتے ان کی جانب ہاتھ بڑھائے ہوتے ہیں'لاؤ نکالو اپنی جانیں، آج ملے گا تمہیں عذاب ذلت کا۔اس لئے کہ تم خدائے کائنات کی بابت باطل بات کہتے تھے اور اُس کی آیتوں کے آگے سرکشی کیا کرتے تھے'

''آج حاضر ہو گئے تم ہمارے پاس، ہر شخص اکیلا اکیلا، اسی حالت میں جس میں ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمہاری مِلک میں دے رکھا تھا وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو! (آج) تمہارے ساتھ ہم تمہارے وہ سفارشی نہیں دیکھتے جن کی بابت تمہارے دعوے تھے کہ یہ تمہارے معاملات میں (خدا کے) شریک ہیں! ٹوٹ گئیں وہ وابستگیاں جو تم میں (کبھی ہوا کرتی تھیں) اور جاتے رہے وہ سب زعم جو تم نے پال رکھے تھے!!!

''اللہ ہی تو ہے وہ ذات جو پھاڑ کر اگا لیتا ہے دانے اور گٹھلی کو۔(اُسی کی شان ہے) جو نکال لاتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے۔ یہ ہے اللہ!!!!! تو پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟!

''(پردۂ شب) چاک کر کے وہ نکال لانے والا ہے سپیدۂ صبح کو! اسی نے بنایا رات کو سکون اور آرام، اور سورج اور چاند کو حساب اور پیمائش! یہ ہیں اندازے مقرر کئے ہوئے اُس غالب علیم ذات کے!

''وہی ہے جس نے تمہارے لئے تارے بنائے کہ راستہ پاؤ ان کے ذریعے بحر و بر کی تاریکیوں میں۔ یقیناً کھول کر بیان کر چکے اپنی نشانیاں ہم علم والوں کے لئے!

''وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر کہیں (تمہیں) ٹھہرنا ہے تو کہیں امانت رہنا! یقیناً کھول کر بیان کر چکے ہم اپنی نشانیاں سمجھ والوں کے لئے!

''وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی۔ پھر اگائی اس سے ہم نے ہر نوع کی ہریالی۔ پھر پیدا کئے ہم نے اس سے سرسبز کھیت۔ جن سے ہم برآمد کرتے ہیں دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں۔ اور کھجور کے گابھے سے نیچے تک جھکے ہوئے گچھے، اور باغات انگور کے اور زیتون کے اور انار کے، کہ ایک دوسرے کی مانند لگتے ہیں مگر خصوصیات میں جدا جدا۔ کبھی غور سے دیکھو اس کے پھل کو جب وہ پھل لائے اور اس کے پکنے اور رسیلے ہونے کو۔ اسی میں بڑی نشانیاں ہیں ایمان لانے والوں کے لئے!

''یہ جنوں کو اللہ کا شریک بنا کر بیٹھے ہیں، جبکہ اِن کو پیدا اُس ذات نے کیا! انہوں نے خدا کے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں، نری جہالت سے۔ پاک اور برتر ہے وہ ذات اس وصف سے جو یہ کرتے ہیں!

''بے کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کو بنانے والا!!! اُس کی اولاد کہاں سے ہونے لگی حالانکہ نہیں اُس کے کوئی ساتھ کی؟!! وہ ہر چیز ہی کا خالق تو ہے!!! اور وہ عین باخبر ہر چیز سے!!!

''یہ ہے اللہ!!! تمہارا پروردگار!!! کوئی ہے ہی نہیں جو بندگی کے لائق ہو، سوائے اُس ایک کے!!! ہر چیز کا خالق!!! تو پھر پوجو اُسے ہی!!! وہی تو کارساز ہے ہر چیز کا!!!

''نگاہیں اُسے پا نہ سکیں، مگر وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے!!! وہی ہے نہایت باریک بین اور باخبر!!!

''یقیناً آ چکیں تمہارے پاس بصیرت کی روشنیاں تمہارے مالک کی طرف سے۔ اب جس نے دیکھا تو اپنے بھلے کو اور جو اندھا ہوا وہ اپنے برے کو، اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان!!!''

(الأنعام: ۹۳-۱۰۴)

''اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ اٹھائے پھرتی ہے ہر مادہ (اپنے پیٹ میں) اور جو گھٹتا ہے رحموں کے اندر اور جو بڑھتا ہے۔ اور ہے ہر چیز ہی اس کے ہاں ایک مقدار سے۔

''پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا! بڑائی والا! بالاتر رہنے والا!

یکساں ہے اس کے لئے تم میں سے وہ جو بات چپکے سے کرے اور وہ جو بلند آواز سے کرے؛ اور وہ جو رات کو چھپنے والا ہے اور وہ جو دن کو چلنے والا ہے!

''وہ نگہبان رکھتا ہے جو بدل بدل کر (ڈیوٹیاں) دیتے ہیں اور حفاظت کرتے ہیں اس (انسان) کی، آگے اور پیچھے سے، اسی کے حکم سے۔ بے شک نہیں بدلتا اللہ حالت کسی قوم کی تا آنکہ نہ بدل لے وہ اپنے نفوس کی حالت خود ہی۔ اور جب اللہ ارادہ کر لے کسی قومت کی شامت لے آنے کا تو نہیں ہے پھر کوئی ٹالنے والا اس کا۔ اور نہیں ہوتا خود اسی کے سوا پھر ان کا کوئی حمایتی!

''وہی ہے جو دکھلاتا ہے تم کو بجلیاں، ڈرانے کو اور امید دلانے کو؛ اور اٹھاتا ہے بھاری بادل کو!

''اُسی کی تسبیح کرتی ہے بجلی کی گرج، ساتھ اس کی حمد کے، اور فرشتے بھی، اُس کے ڈر کے مارے، اور وہ کڑک بھیجتا ہے تو اسے ڈالتا ہے جس پر وہ چاہے، جبکہ وہ بحثیں کر رہے ہوتے ہیں اللہ کے بارے میں۔ اور وہ سخت پکڑ والا ہے!!!

''اُسی کو پکارنا حق ہے!!! رہے وہ جن کو یہ پکارتے ہیں اُس کو چھوڑ کر، وہ اِن کی کچھ بھی تو نہیں سنتے، مگر اس کی مانند جو پانی کے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلائے بیٹھا ہے

تا کہ وہ اس کے منہ میں آ پہنچے!!! اور نہیں ہے کبھی بھی وہ اس تک پہنچنے والا!!! اور نہیں ہے پکارنا کافروں کا مگر ضائع و بے کار!!!

''اور اللہ ہی کے آگے سجدہ ریز ہے صبح شام ہر ذی نفس کہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں، خوشی سے خواہ مجبوری سے، اور (سجدہ ریز ہیں) ان کے سائے بھی!!!

''پوچھو! کون ہے مالک ان آسمانوں کا اور زمین کا؟ خود ہی کہو: اللہ!!! کہو: تو کیا پھر ٹھہرا رکھے ہیں اُس ایک کو چھوڑ کر تم نے 'صاحبانِ حق'، جو نہیں اختیار رکھتے خود اپنے نفع نقصان کا؟؟؟ کہو: تو کیا برابر ہوسکتا ہے اندھا اور انکھیارا؟؟؟ یا کبھی برابر ہو سکتے ہیں اندھیرے اور اجالا؟؟؟ یا کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک ٹھہرا لئے جنہوں نے اللہ کی تخلیق ایسی تخلیق کر لی تو انہیں ان کا اور اللہ کا تخلیق کرنا ایک سا لگا؟؟؟؟؟ کہو: ایک اللہ ہی تو ہے خالق ہر چیز کا، واحد، قہار!!!!!

''آسمان سے اُس نے ایک مینہ اتارا۔ تب ندی نالے اپنے اپنے ظرف کے بقدر بہہ نکلے۔ تب پانی کی رواس پر ابھرے ہوئے جھاگ اٹھا لائی۔ اور ان (دھاتوں) میں بھی جن کو آگ میں تپاتے ہیں، زیور اور ساز و سامان بنانے کے لئے، ویسا ہی ایک جھاگ اٹھتا ہے۔ یونہی بیان کرتا ہے اللہ حق اور باطل کی کہاوت!!! پس جو تو جھاگ ہے وہ پھک کر چلا جاتا ہے۔ اور وہ جو فائدہ دے سکے انسانوں کو، وہ ٹھہر جاتا ہے زمین میں!!! یونہی بیان کرتا ہے اللہ مثالیں......!!!

''اُن لوگوں کے لئے، جنہوں نے لبیک کہی اپنے رب کی صدا پر، بدلہ حسین ترین ہے۔ پر وہ جنہوں نے نہ قبول کی اُس کی دعوت، وہ اگر زمین کی تمام تر دولت کے مالک ہوں اور ساتھ اتنی ہی اور دولت کے، تو وہ اپنی جان چھڑانے کو وہ سب کا سب دے ڈالیں۔ یہی ہیں کہ جنکا بڑا ہی برا حساب ہوگا، اور ٹھکانا ان کا جہنم؛ اور کیا ہی برا ٹھکانہ ہے!!!

''تو پھر کیا وہ شخص جسے یہ جاننا نصیب ہوا کہ جو کچھ تجھ پہ نازل ہوا وہی عین حق ہے، اس جیسا ہوسکتا ہے جو نرا اندھا ہے؟؟؟ نصیحت تو وہی لیتے ہیں جو عقل والے ہیں!!!''

(الرعد: ۸-۱۹)

''جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا لطف چکھاتے ہیں، جبکہ اس سے پہلے ان کو کوئی تکلیف پہنچ چکی ہو، تو پھر وہ ہمارے آیات واحکام کی بابت داؤ چلانے لگتے ہیں۔ کہہ دو اللہ کی چال تیز تر ہے۔ یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لکھنے میں لگے ہیں وہ سب چالبازیاں جو تم کرتے ہو۔

''وہی تو ہے جو چلاتا ہے تمہیں خشکی اور تری میں۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو، اور وہ لے چلتی ہیں انکو خوشگوار ہواؤں کے سنگ، جس سے وہ نہایت خوشی میں ہوتے ہیں، کہ یکا یک انہیں تند ہوا آ لیتی ہے اور موجیں ان پر ہر طرف سے آنے لگتی ہیں، اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ گھِر گئے، تو پکارتے ہیں اللہ کو، سب بندگی اور نیاز کو تب اسی ایک کے لئے خالص کرتے ہوئے 'اگر تو ہمیں اس سے بچالے تو ہم ضرور ہی تیرے احسان مند ہوں'!

''پھر جب وہ بچا لاتا ہے انہیں، تو لگتے ہیں بغاوت کرنے زمین میں ناحق۔ ارے اے انسانو! تمہاری یہ بغاوت سب تمہارے اپنے ہی جانوں کا وبال ہے۔ اٹھالو فائدہ دنیا کے جیتے جی۔ پھر تو تمہیں ہمارے ہی جانب لوٹنا ہے، پھر ہم تمہیں بتائیں گے کیا کچھ کرتے رہے تم!

''دنیا کی زندگی کی کہاوت تو یوں ہے جیسے وہ پانی جو ہم نے آسمان سے برسایا، پھر خوب گھنی ہوئی اس سے روئیدگی زمین کی، جسے کھاتے ہیں انسان اور چوپائے۔ یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگار لے لیا اور خوب آراستہ ہوگئی اور اس کے مالک سمجھے کہ یہ تو ہمارے ہاتھ کی ہے، تو اس پر ہمارا حکم اتر آیا رات یا دن کے کسی پہر، تو بنا ڈالا ہم نے اس کو اجاڑ، ایسے گویا کل یہ فصل یہاں تھی ہی نہیں!!! ہم یونہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں غور کرنے والوں کے لئے!!!

''(دیکھو) اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف......!!! اور وہ ہدایت دیتا ہے اسے ہی جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی!

''(وہاں) ان لوگوں کے لئے جنہوں نے حسین عمل کئے بدلہ حسین ہے، اور پھر اس پر 'مزید'!!! نہ چھائے گی ان کے چہروں پر سیاہی اور نہ ذلت!!! یہی ہیں بہشت کے مالک!!! کہ خلد پائیں گے اس میں!!!

''اور وہ جنہوں نے کمائیں برائیاں، بدلہ ہے برائی کا ویسے ہی (برا)، اور چھا کر رہے گی ان پر ذلت! کوئی نہ ہوگا انکو بچانے والا اللہ سے! وہ یوں ہوں گے گویا انکے چہروں پر اندھیری رات کے قطعے ڈال دیے گئے ہیں! یہ ہیں دوزخ کے ساتھی، جس میں یہ ہمیشگی پائیں گے!

''اور جس دن حشر کیلئے اٹھائیں گے ہم ان سب کو، پھر کہیں گے ہم مشرکوں سے: رک جاؤ یہاں تم بھی اور تمہارے شریک بھی۔ پھر ہم ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیں گے، تو ان کے شریک کہیں گے: 'نہیں کرتے تھے تم ہماری عبادت

''تو پھر کافی ہے اللہ گواہ ہمارے اور تمہارے درمیان، ہم تو تھے ہی تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر'!!!

''یہاں جانچے گی ہر نفس کہ کیا اس نے آگے بھیجا تھا!!!!!!! جبکہ وہ لوٹا لائے جا چکے ہوں گے اللہ کی طرف، جو کہ مالک ہے ان کا درحقیقت، اور گم ہو جائیں گے ان کے وہ (جھوٹے شریک) جو انہوں نے گھڑ لئے تھے۔

''کہو! کون ہے جو رزق لا کر دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے؟ یا کون مالک ہے سماعت اور بینائی کی قوتوں کا؟ اور کون ہے جو نکال لاتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے؟ اور کون ہے جو انتظام کرتا ہے یہاں سب امر کا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ! سو کہو: تو کیا پھر ڈرتے نہیں ہو؟؟؟

''تو پھر یہ ہے اللہ!!! تمہارا پروردگارِ حق!!! پھر حق کے بعد کیا ہے سوائے گمراہی؟؟؟ تو پھر کدھر پھرے جاتے ہو؟؟؟

''یونہی ثابت ہو چکی ہے تیرے رب کی بات فاسقوں پر۔ تو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

''کہو! کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو اول بنائے، پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے؟ کہو! اللہ اول بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا، تو کہاں اوندھے ہوئے جاتے ہو؟!!

''کہو! تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو حق کی راہ دکھائے؟ کہو! اللہ ہے جو حق کی راہ دکھاتا ہے۔ تو کیا جو حق راہ دکھائے وہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ پیروی اس کی ہو یا وہ جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک کہ اسے راہ دکھائی نہ جائے؟؟؟!! تو کیا ہوا ہے تمہیں، کیسا حکم لگاتے ہو؟

''اوران میں سے اکثر تو نہیں چلتے مگر گمان پر۔ بے شک گمان حق کے مقابلے میں کسی کام کا نہیں۔ اللہ علم رکھنے والا ہے ان کے سب کاموں کا۔

''اِس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اسے اپنی طرف سے بنا لے بے اتارے اللہ کے!!! ہاں یہ تصدیق ہے اگلی کتابوں کی، اور تفصیل ہے الکتاب کی، لاریب ہے، رب العالمین کی طرف سے۔

''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے؟ کہو! تو تم لے آؤ اس جیسی ایک ہی سورت اور اللہ کو چھوڑ کر جو جو مل سکیں سب کو بلا لاؤ، اگر تم سچے ہو۔

''بات یہ ہے کہ یہ اس بات کو جھٹلا بیٹھے ہیں جو ان کے علم کی گرفت میں ہی نہ آ پائے، جبکہ اس کی حقیقت ابھی ان کے سامنے نہیں آئی!!! ایسے ہی ان سے اگلوں نے جھٹلایا تھا۔ پھر دیکھو ظالموں کا کیسا انجام ہوا؟!!

''(کچھ بھی کر لو) ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو ایمان لائیں گے اس پر اور کچھ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے اس پر۔ اور مفسدوں کو تیرا رب خوب جانتا ہے۔

''اور اگر یہ تمہیں جھٹلانے پر ہی رہیں تو کہو! میرے لئے میری کرنی اور تمہارے لئے تمہاری کرنی۔ تم میرے کئے سے بری اور میں تمہارے کئے سے بری۔

''ان میں کوئی وہ ہیں جو تمہاری جانب کان لگاتے ہیں۔ تو کیا تم بہروں کو سنا دو گے، بے شک وہ عقل بھی نہ رکھیں؟!

''ان میں کوئی وہ ہے جو تمہاری طرف تکتا ہے۔ کیا تم اندھوں کو راہ دکھا دو گے، بے شک وہ سوجھ بھی نہ رکھیں؟!

''بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا، ہاں لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

جس دن وہ ان کو حشر کیلئے اٹھائے گا؛ تو یوں ہوگا گویا وہ دنیا میں نہ رہے تھے مگر دن کی کوئی ایک گھڑی، (جس میں) وہ جان پہنچان کرتے رہے تھے آپس میں۔ (خبردار!) بڑے ہی گھاٹے میں ہیں وہ لوگ جو جھٹلائے بیٹھے ہیں اللہ کی ملاقات کو اور ہدایت یافتہ نہ ہو پائے!!!''

(یونس: ۴۱-۴۵)

☆☆☆☆☆

''تسبیح کرتی ہے اللہ کی، ہر چیز کہ آسمانوں میں ہے یا زمین میں۔ وہی ہے غالب، حکمت کی مالک ذات۔

''آسمانوں اور زمین کی سب بادشاہت اُس کی۔ وہی زندگی دے، وہی موت دے۔ اور وہی ہے ہر چیز پر قدرتِ کامل رکھنے والی ذات۔

''وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن۔ اور وہی ہے ہر چیز کا علم رکھنے والی ذات۔

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں کے اندر تخلیق کیا، پھر اُس نے عرش کے اوپر استوا فرمایا، وہ جانتا ہے ہر چیز کہ زمین کے اندر جاتی ہے اور

ہر چیز کہ زمین سے باہر آتی ہے، اور ہر چیز کہ آسمان سے اترتی ہے اور ہر چیز کہ آسمان میں چڑھتی ہے، وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو، اور تم جو کرو مسلسل اس کی نظر میں ہے۔

”آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ایک اُسی کو سزاوار! سب امور لوٹیں تو اُسی کی طرف!

”وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور دلوں کے بھید جانتا ہے۔“

(الحدید:۱-٦)

☆☆☆☆☆

”مجھے اجازت دی گئی ہے کہ خدا کے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کا حال بیان کروں، اور جو کہ خدا کا عرش اٹھا رکھنے والوں میں سے ایک ہے: اس کے کان کے نچلے حصے اور اس کے کندھے کے مابین سات سو سال کا فاصلہ ہے“!!!

(ابوداود، حدیث صحیح ہے)

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور (قحط کی شکایت کرتے ہوئے) کہنے لگا: اے اللہ کے رسول جانوں کا نقصان ہو رہا ہے۔ گھر والے بھوکے ہیں۔ مملوک خراب اور جانور مر رہے ہیں۔ ہمارے لئے بارش طلب کیجئے۔ ہم آپ سے اللہ کی سفارش کرواتے ہیں اور اللہ سے آپ کی سفارش کرواتے ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ گویا ہوئے:

سبحان اللہ! سبحان اللہ!! آپ سبحان اللہ کہتے ہی جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ اصحابؓ کے چہروں کی حالت بھی غیر ہونے لگی۔ تب آپؐ فرمانے لگے: تمہارا بُرا ہو۔ جانتے ہو اللہ کون ذات ہے!؟ کسی کی کیا حیثیت کہ اس سے اللہ کی سفارش کروائی جائے، بھلے آدمی اللہ کی شان اس سے کہیں بلند ہے!!!

(ابوداود، ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کا اعتبار کیا ہے)

جعفر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں، کہا:

ایک شخص امام مالکؒ کے پاس آیا اور سوال گو ہوا: ابوعبداللہ! (قرآن میں آتا ہے:) **الرحمن علی العرش استویٰ**، خدا نے کیسے استوا کیا؟ میں نے امام مالکؒ کی اتنی حالت بدلتی کبھی نہ دیکھی تھی جتنی کہ اس وقت دیکھی۔ امامؒ پر پسینہ امڈ آیا۔ یہ دیکھا تو جتنے وہاں بیٹھے تھے سب نے سر گرا لیا اور انتظار کرنے لگے کہ امام مالکؒ اب کیا بولتے ہیں۔ کچھ دیر بعد امامؒ کی حالت بحال ہوئی تو بولے: **الکیف غیر معقول، والاستواء منه غیر مجهول، والإیمان به واجب، والسؤال عنه بدعة، فإني أخاف أن تکون ضالاً** 'اس کی "کیفیت" عقل میں سمانے والی نہیں۔ خدا کا "استوا" فرمانا البتہ مجہول نہیں۔ اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اس کی بابت پوچھنا بدعت ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تو گم راہ ہے'۔ پھر حاضرین سے کہا کہ اس کو نکال دیں۔ (اعتقاد اہل السنۃ، مؤلفہ امام لالکائی، ج۳ص ۳۹۸)

امام احمد بن حنبل کے بیٹے عبداللہ روایت کرتے ہیں، کہا:

میں اور میرے والد (امام احمد) مسجد میں چل رہے تھے، کہ آپؒ نے ایک واعظ کو سنا، جو ذات خداوندی کی بابت "نزول" سے متعلق حدیث بیان کر رہا تھا: 'جب نصف شعبان کی شب ہوتی ہے تو اللہ جل شانہ آسمانِ دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ اپنی جگہ چھوڑے، بغیر اس کے کہ وہ منتقل ہو، بغیر اس کے کہ وہ حالت بدلے......' میرے والد نے یہ سنا تو اس پر جھرجھری لی۔ آپؒ کا رنگ زرد پڑ گیا۔ میرا ہاتھ دبا یا۔ میں نے آپؒ کا ہاتھ دبا کر رکھا، یہاں تک کہ حالت درست ہوئی۔ تب میرے والد کہنے لگے: ٹھہرو، اس عقل دوڑانے والے سے بات کرتے ہیں۔ جب آپؒ اس واعظ کے بالکل سامنے چلے گئے تو بولے: اے اے شخص! رسول اللہ ﷺ اپنے پروردگار عزوجل کی بابت تجھ سے زیادہ غیور تھے۔ وہی کہو جو رسول اللہ ﷺ نے کہا۔
(تذکرۃ المؤتسی شرح عقیدۃ الحافظ عبدالغنی المقدسی، مولفہ عبدالرزاق بن عبدالمحسن البدر ص ۱۲۱، مؤلف نے اس واقعہ کا حوالہ امام الکرمی الحنبلی کی کتاب "اقاویل الثقات فی احادیث الصفات" ص ۶۲-۶۳ سے دیا ہے۔)

☆☆☆☆☆

الذین یؤمنون بالغیب
2

براء بن عازب سے روایت ہے، کہا:

ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ کیلئے نکلے۔ ہم قبر پر پہنچے تو ابھی لحد نہ بنی تھی۔ نبی ﷺ بیٹھ گئے ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے اور آپؐ کی جانب یوں متوجہ گویا ہمارے سروں پر پرندے جم کر بیٹھے ہیں۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جسے آپ بار بار زمین میں چبھاتے (سوچوں میں گم)۔ آخر آپؐ نے سر اٹھایا اور فرمانے لگے: 'عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگو'۔ دو یا تین بار کہا۔ پھر فرمایا:

خدا کا مومن بندہ، جب دنیا سے اس کا رشتہ منقطع اور آخرت کا آغاز ہونے لگتا ہے، تو اس کی جانب آسمان سے فرشتے اترتے ہیں؛ سفید براق چہرے گویا آفتاب۔ ساتھ میں کفن ہوتا ہے جو جنت کے کفنوں میں سے ہوتا ہے، اور کافور ہوتی ہے جو کہ جنت کی کافور میں سے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کی حدِ نگاہ پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے نفسِ مطمئنہ! نکل پڑ اپنے رب کی مغفرت اور اس کی خوشی کی طرف!!! فرمایا: تو وہ (نفس) یوں انڈیل ہو جاتی ہے جیسے پانی مشکیزے سے انڈیل ہو جاتا ہے۔ فرشتہ اسے تھام لیتا ہے۔ پھر جب وہ اسے لیتا ہے تو ایک لمحہ بھی اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا کہ فرشتے اسے اس کفن اور اس کافور میں ڈال دیتے ہیں۔ تب اس سے دنیا کی عمدہ ترین

مشک ایسی خوشبو نکل نکل کر آ رہی ہوتی ہے۔ فرمایا: پھر وہ اسے لے کر اوپر چڑھنے لگتے ہیں۔ فرشتوں کے جس جھرمٹ کے پاس سے بھی ان کا گزر ہوتا ہے تو وہ پوچھے بغیر نہیں رہتے 'یہ پاکیزہ روح کس خوش قسمت کی ہے'؟ وہ جواب دیتے ہیں 'فلاں بن فلاں'، دنیا میں اس کے جو سب سے اچھے نام اور القاب رہے تھے ان ناموں کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں! یہاں تک کہ وہ اس کو لے کر آسمانِ دنیا تک چلے جاتے ہیں۔ وہاں وہ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھلوانے کی استدعا کرتے ہیں۔ ان کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ ہر آسمان سے وہاں کے مقرب ترین فرشتے اس کی معیت میں اگلے آسمان تک جاتے ہیں...... یہاں تک کہ اسے ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ فرماتا ہے: میرے اس بندے کا کھاتہ علیین (بلندی پانے والوں) میں لکھ دو۔ پر ابھی اس کو زمین میں لوٹا دو؛ میں نے ان کو اسی سے پیدا کیا، اسی میں ان کو لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ اٹھا کھڑا کروں گا۔ فرمایا: تو پھر اس کی روح کو اس کے جسد میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ تب دو فرشتے آتے ہیں۔ وہ اس کو بیٹھا کر لیتے ہیں۔ تب وہ اس سے پوچھتے ہیں: کون تیرا رب ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے: میرا رب، اللہ! پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ بولتا ہے: میرا دین، اسلام! پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں: یہ آدمی کون ہے جو تم میں مبعوث ہوا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے: یہ اللہ کے رسول ہیں، اللہ ان پر اپنا درود اور سلامتی بھیجے! تب وہ اس سے پوچھتے ہیں: تجھے کیسے معلوم؟ وہ بولتا ہے: میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ تو میں اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کو بالکل سچ جانا!!! تب آسمان میں ایک منادی کرنے والا منادی کرتا ہے: میرا یہ بندہ سچا نکلا، پس بچھا دو اس کیلئے بچھونا جنت میں سے، اور پہنا دو اس کو پہناوا جنت میں سے، اور کھول دو اس کیلئے ایک دروازہ جنت کی طرف!!!!!!!! فرمایا: تو اسے جنت کی فرحت بخش ہوائیں اور خوشبوئیں آنے لگتی ہیں۔ اس کے لئے اس کی قبر اس کی حد نگاہ تک وسیع کر دی جاتی ہے!!!!! فرمایا: اور اس کے پاس ایک آدمی آتا

ہے؛ کیا حسین چہرہ، کیا خوب پوشاک، کیا زبردست خوشبو! وہ آدمی اس سے گویا ہوتا ہے: خوش خبری ہو ہر اس چیز کی جو تیرے لئے باعثِ مسرت ہو!!! آج ہے تیرا وہ دن، جس کا تجھ سے ذکر ہوا کرتا تھا!!!!! مومن اس سے پوچھتا ہے: تو ہے کون؟ تیرا تو چہرہ ہی خیر کی خبر معلوم ہوتا ہے!!! وہ جواب دیتا ہے: میں تیرا نیک عمل!!!!!! تب مومن بول اٹھتا ہے: خدایا قیامت لے آ، کہ میں اپنے اہل و مال میں لوٹ جاؤں!!!!!

فرمایا: اور جو خدا کا کافر بندہ ہوتا ہے، جب دنیا سے اس کا رشتہ منقطع اور آخرت کا آغاز ہونے لگتا ہے، تو اس کی جانب آسمان سے فرشتے اترتے ہیں؛ نہایت سیاہ چہرے، ساتھ میں درشت بورے اٹھائے ہوتے ہیں۔ وہ اس کی حد نگاہ پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آگے بڑھتا ہے، یہاں تک کہ اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے خبیث نفس چل نکل پڑ اپنے رب کی خفگی اور غضب کی طرف۔ تب اس کی روح جسم کے ایک ایک رونگٹے سے الگ کی جاتی ہے۔ تب اسے جسم سے یوں کھینچا جاتا ہے جیسے ایک خاردار سلاخ گیلی اون سے کھینچ کر نکال لی جائے۔ پھر وہ اس کو قابو کر لیتا ہے اور ایک لمحہ بھی ہاتھ میں نہیں رکھتا کہ فرشتے اسے اس درشت بورے میں ڈال لیتے ہیں۔ اس وقت اس سے دنیا میں جو کوئی بدترین مردار ہو سکتا ہے ویسی بو آ رہی ہوتی ہے۔ وہ اس کو لے کر اوپر چڑھنے لگتے ہیں۔ فرشتوں کے جس جھرمٹ کے پاس سے بھی ان کا گزر ہوتا ہے تو وہ پوچھے بغیر نہیں رہتے: 'یہ خبیث روح کون ہے'؟ وہ جواب دیتے ہیں فلاں بن فلاں۔ دنیا میں اس کے جو سب سے قبیح نام ہوا کرتے تھے ان ناموں کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو وہ آسمانِ دنیا تک لے کر پہنچ جاتے ہیں۔ تب وہ اس کیلئے آسمان کے دروازے کھلوانے کی استدعا کرتے۔ آسمان کے دروازے اس کے لئے نہیں کھلتے، تب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

لاَ تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلاَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف: ٤٠)

''نہیں کھلیں گے ان کے لئے آسمان کے دروازے، اور نہ داخل ہوں گے وہ جنت میں، جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ گزر لے''

تب اللہ فرماتا ہے: اس کا کھاتہ لکھ دو سجین (قیدوالوں) میں، سب سے نیچے کی زمین میں۔ تب اس کی روح کو چلا کر پھینک دیا جاتا ہے۔ تب آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (الحج: ۳۱)

''اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گرا، پھر پرندے اسے اچک لے جائیں یا ہوا اسے دور دراز جگہ جا پھینکے''

تب اس کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔ اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ وہ اس کو بیٹھا کر لیتے ہیں۔ وہ اس سے پوچھتے ہیں: کون تیرا رب ہے؟ تو وہ کہتا ہے: ہائے ہائے، مجھے نہیں معلوم۔ تب وہ اس سے پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے: ہائے ہائے، مجھے نہیں معلوم۔ پھر وہ پوچھتے ہیں: یہ کون شخص ہے جو تم میں مبعوث ہوا؟ تو وہ کہتا ہے: ہائے ہائے، مجھے نہیں معلوم۔ تب آسمان میں ایک منادی کرنے والا منادی کرتا ہے: یہ جھوٹا نکلا، پس بچھا دو اس کو دوزخ میں سے ایک بچھونا، اور کھول دو ایک دروازہ اس کیلئے دوزخ کی طرف۔ تب اس کو دوزخ کی تپش اور جھلس دینے والی لو آنے لگتی ہے۔ اس کی قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں میں جا گھستی ہیں۔ اور اس کے پاس ایک شخص آتا ہے؛ نہایت قبیح چہرہ، نہایت قبیح لباس، نہایت غلیظ بدبو۔ وہ بولتا ہے: خوش خبری ہو ہر اس چیز کی جو تجھے مصیبت لگے۔ آج ہے تیرا وہ دن، جس کا تجھ سے ذکر ہوا کرتا تھا!!! تب وہ پوچھتا ہے: تو ہے کون، تیرا تو چہرہ ہی بدی کی خبر معلوم ہوتا ہے؟ وہ کہتا ہے: میں تیرا برا عمل!!! تب وہ کہتا ہے: خدایا! قیامت برپا نہ کرنا!!!

(مسند احمد و دیگر کتب حدیث، کثیر محدثین نے اسے صحیح کہا ہے)

جنت اور دوزخ کی بحث ہوگئی۔ دوزخ نے کہا: مجھے ترجیح ملی کہ جباروں اور متکبروں کا ٹھکانہ بنوں! جنت نے کہا: تو کیا مجھ میں کمزور، رلنے والے اور گمنام لوگ داخل ہوں گے! اللہ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے، تیری صورت میں میں رحم کرتا ہوں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں! اور دوزخ سے کہا: تو میرا عذاب ہے، تیرے ذریعے میں عذاب دیتا ہوں اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں! اور تم دونوں کا یہ حق رہا کہ میں تمہیں بھر کر چھوڑوں'!!! سو جو دوزخ ہے وہ نہ بھرے گی، یہاں تک کہ اللہ عزوجل اپنا پاؤں رکھ دے گا۔ تب وہ آواز نکالے گی: بس۔ بس۔ بس۔ تب جا کر وہ بھرے گی اور سمٹ کر رہ جائے گی۔ جبکہ (اسے بھرنے میں) اللہ اپنی مخلوق پر کچھ بھی زیادتی نہ کرے گا۔ رہی جنت، تو اس (کو بھرنے) کیلئے اللہ اور مخلوق پیدا کرے گا! (صحیح مسلم)

خدا نے جنت بنائی تو جبریلؑ سے فرمایا: جاؤ اسے دیکھ کر آؤ۔ اس نے جنت کو دیکھا، تو کہا: میرے پروردگار! تیری عزت کی قسم! کوئی نہ ہوگا جو اس کا سنے اور پھر اس میں داخل ہوئے بغیر رہے! تب خدا نے جنت کے اردگرد، نفس پر گراں گزرنے والی اشیاء بکھیر دیں، پھر فرمایا: جبریل! جاؤ پھر اس کو دیکھو۔ جبریلؑ گیا، اسے دیکھ کر آیا تو عرض کی: میرے پروردگار! تیری عزت کی قسم! ڈر گیا ہوں کہ اس میں کوئی نہ جا پائے!!!

پھر، جب دوزخ پیدا کی تو فرمایا: جبریلؑ! جاؤ اسے دیکھ کر آؤ۔ وہ گیا، اسے دیکھ کر آیا تو عرض کی: میرے پروردگار! تیری عزت کی قسم! کوئی نہ ہوگا جو اس کا سنے اور پھر اس میں چلا جائے! تب خدا نے دوزخ کے چاروں طرف خواہشیں اور شہوتیں بکھیر دیں، اور فرمایا: جبریل! جاؤ پھر اس کو دیکھو۔ جبریلؑ گیا، اس کو دیکھ کر آیا تو عرض کی: میرے پروردگار! تیری عزت کی قسم! ڈر گیا ہوں کہ کوئی بھی اس میں داخل ہوئے بغیر نہ رہے!!! (ترمذی، ابوداود، البانی نے حدیث کو حسن صحیح کہا)

☆☆☆☆☆

وسائل

حقیقتِ زہد

لغت کے اعتبار سے، 'زہد' کا مطلب ہے: آدمی کی رغبت کا کسی ایک چیز سے پھر کر کسی دوسری چیز سے وابستہ ہو جانا؛ اس انداز میں کہ جس چیز 'سے' آدمی کی رغبت پھر گئی وہ اس کی نظر میں کم وقعت ہو گئی، بہ نسبت اس چیز کے جس 'کی طرف' اس کی رغبت ہوئی۔

'زہد' کا لفظ ایک ایسی چیز کے آدمی کی نگاہ میں بے وقعت یا کم وقعت ہونے پر بولا جائے گا جس کی ویسے کچھ نہ وقعت ضرور ہو۔ مثلاً تمہارے سامنے مٹی کا ڈھیر پڑا ہے تو اس کو بے وقعت جاننا لغت میں زہد نہ کہلائے گا۔ ہاں تمہارے آگے سونا چاندی پڑا ہے اور وہ تمہاری نگاہ میں بے وقعت ہو گیا ہے تو اس کو لغت میں زہد کہیں گے۔

اب چلتے ہیں 'زہد' کے اصطلاحی مفہوم کی طرف......

اہل نظر کے ہاں 'زہد' کی کئی ایک تعریفات کی گئی ہیں، یہاں ہم ان میں سے چند ایک نقل کریں گے:

''زہد'' نہ تو سوکھے ٹکڑے کھانے کا نام ہے اور نہ پھٹا پرانا لباس پہن رکھنے کا۔

''زہد'' ہے دنیا کی بابت آدمی کی آرزو کا مختصر ہو جانا!!!

ایسی ہی تعریف امام احمدؒ سے منقول ہے، فرمایا: دنیا کی بابت ''زہد'' یہ ہے کہ آدمی کی آرزوئیں دراز نہ ہوں!!!

''زہد'' یہ ہے کہ آدمی ستائشِ خلق سے بے پروا ہو جائے۔اوزاعیؒ کے بقول: ''دنیا کے معاملہ میں زہد'' یہ ہے کہ ستائش تمہاری نگاہ میں اپنی سب وقعت کھو دے۔کہا کرتے تھے: تمہارے اعمال میں یہ کیفیت پائی جانا کہ لوگوں کی ستائش سے بالکلیہ مستغنی ہو جاؤ، اصل زہد ہے!!!

زہریؒ اس کی تعریف یوں کرتے ہیں: ''زہد در دنیا'' یہ ہے کہ 'حرام' تمہارے 'صبر' کو بے بس نہ کر سکے تو 'حلال' تمہارے 'شکر' کو بے بس نہ کر سکے!!!

مالک بن انسؒ سے دریافت کیا گیا: دنیا کے معاملہ میں ''زہد'' اختیار کیا جانے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: حلال کمانا اور آرزو کا مختصر کر لینا!!!

امام مالکؒ ہی سے پوچھا گیا: ''زہد'' کیا ہے؟ فرمایا: دنیا کو خدا سے ڈر کر ہاتھ ڈالنا!!!

حضرت علیؓ کا قول ہے: قرآن میں دو جملے اکٹھے آئے ہیں۔ان دونوں کے عین بیچ، جو چیز پائی جاتی ہے اسی کا نام ''زہد'' ہے: **لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ** (الحدید: ۲۳) ''تا کہ نہ افسوس کرو تم اس پر جو تمہیں نہ مل پایا، اور نہ پھولو اس پر جو اُس نے تمہیں عطا کر دیا''۔پس جس شخص کو دنیا کے اندر کچھ چھوٹ جانے پر ملال نہ ہو اور کچھ مل جائے تو اس پر وہ خوشی سے بے حال نہ ہو جاتا ہو، سمجھو اس نے 'زہد' کو ہر دو طرف سے تھام رکھا ہے!!!

''زہد'' یہ ہے کہ جس مقصد کیلئے تم وجود میں آئے ہو اسی کی فکر تمہارے ذہن پر سوار ہو اور اسی کی دھن تمہیں صبح شام مشغول رکھے۔اور وہ چیز جس کیلئے تمہیں پیدا نہیں کیا گیا تمہاری سوچیں اس کی قید سے آزاد ہو جائیں!!!

یوسف بن اسباطؒ کہا کرتے تھے: جو شخص ایذاء پر صابر و ثابت قدم رہتا ہے، شہوات کو ترک کئے رکھتا ہے، اور حلال کی روٹی کھاتا ہے؛ وہ ''زہد'' کو عین اس کی بنیاد سے تھام کر کھڑا ہے!!!

جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا: ''زہد'' کیا ہے؟ فرمایا: دنیا کا آدمی کی نگاہ میں حقیر ہو جانا اور قلب پر آ پڑنے والے اس کے اثرات کو کھرچ ڈالنا!!!

سلیمان دارانیؒ سے ''زہد'' کی بابت پوچھا گیا، فرمایا: ہر اس چیز سے دستبردار ہو جانا جو آدمی کو خدا سے غافل کر دے!!!

بقول ابن تیمیہؒ: ''زہد'' ہے: اس چیز کو چھوڑ دینا جو آخرت میں فائدہ مند ہونیوالی نہیں۔ جبکہ ''ورع'' ہے اس چیز کو چھوڑ دینا جسکا آخرت میں ضرررساں ہونیکا اندیشہ ہے۔

ابن قیمؒ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی اس مذکورہ بالا تعریف کو نہایت سراہا ہے۔

ابن قیم مزید کہتے ہیں: عارفوں کے ہاں ''زہد'' کی بابت جس چیز پر اتفاق ہے وہ یہ کہ: قلب اپنے آپ کو وطنِ دنیا سے حالتِ سفر میں پائے اور آخرت کی آبادی میں اپنے لئے اچھے سے اچھا گھر ڈھونڈے!!!

'زہد' کی بابت ایک غلط فہمی کا ازالہ:

''زہد'' کسی 'دنیا بیزاری' کا نام نہیں، جیسا کہ بعض کم علم لوگوں کا خیال ہے......

اسلام کی حقیقت پر کئی صدیوں تک مسلسل پڑتی رہنے والی گرد نے اسلام کے کچھ مفہومات کو آخری حد تک بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ 'بے عملی' اور 'بے دینی' بھی یقیناً ایک آفت ہے اور اس نے بھی ہم مسلم معاشروں کا بہت نقصان کیا ہے مگر جو نقصان ہمارا 'دینداری' کے بعض غلط مفہومات نے کیا ہے اور جو اجاڑا 'خدا کا تقرب پانے' کے نام پر کچھ منحرف تصورات کے ہاتھوں ہمارا ہوا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ دین اور عبادت کے 'نہایت بلند درجات' پانے کے حوالے سے ''زہد'' ایسے بعض مباحث جو ہمیں ائمۂ علم کے یہاں بہ تفصیل ملتے ہیں، ہمارے ہاں اس وقت جا کر ہی زیر بحث آنے چاہئیں جب ہم دین اور عبادت کی 'اصل بنیادوں' سے واقف ہو آئے ہوں۔

خصوصاً دین کے وہ پہلو جو مستحبات اور نوافل کے دائرہ میں آتے ہیں___ اور یقیناً "زہد" کے بیشتر جوانب 'مستحبات' کے دائرہ میں ہی آتے ہیں___ ان کی بابت پڑھنا پڑھانا اور ان کی ترغیب دینا دلانا، اور خطبات اور وعظ وارشاد میں ان کا بکثرت جگہ پانا تو اس وقت تک نہ ہونا چاہیے جب تک بعثتِ انبیاء کا مقصد ہم پر پوری طرح واضح نہ ہو گیا ہو۔ بلکہ جب تک مقاصدِ شریعت کی بابت بھی ہمیں کچھ شد بدھ نہ ہو چکی ہو۔ اور یہ تو نہایت ضروری ہے کہ ان مباحث میں جانے سے پہلے دین کے 'واجبات' اور 'مستحبات' کا فرق ہم پر نہایت واضح ہو چکا ہو۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح صحابہ کو لے کر چلے اور مختلف حوالوں سے ان کے تنوع کو آپ ؐ نے جس عمدگی کے ساتھ برقرار رکھا، یہاں تک کہ ہم ان میں ایسے صحابہ کو بھی دیکھتے ہیں جو بہ مشکل دولبادوں میں ملبوس، صفہ پر بیٹھے ہیں اور کاروبارِ زندگی میں بھی کچھ بہت سرگرم نہیں؛ بلکہ، یا تو کچھ خاص حالات سے گزرنے کے باعث، اور یا پھر کسی خاص مشن کو انجام دینے کی غرض سے، مسجد، علم اور جہاد وغیرہ کی سرگرمیوں تک ہی محدود ہیں اور زیادہ تر ان کی گزر صدقات وغیرہ پر ہی ہوتی ہے۔ جبکہ انہی اصحابِ رسول ؐ میں ہم ایسے ایسے اصحابؓ کو بھی دیکھتے ہیں جو کروڑوں اربوں پتی ہیں اور کاروبارِ زندگی میں بھی خوب سرگرم، بلکہ فضیلت میں کئی 'کروڑ پتی' صحابہ کئی 'غیر کاروباری' صحابہ کی نسبت بلند تر درجے پر ہیں، بلکہ عشرہ مبشرہ قریب قریب سبھی کے سبھی ٹھیک ٹھاک کھاتے پیتے تاجر پیشہ لوگ ہیں اور صحابہ کے مابین سب سے افضل...... پس "زہد" وغیرہ کی حقیقت اور مفہوم سمجھنے کیلئے صحابہ کی وہ مجموعی تصویر ہماری نگاہ سے روپوش نہیں ہو جانی چاہیے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے معاشرے کے اندر تشکیل دی تھی اور نہ ہی وہ 'تنوع' نظر انداز ہونا چاہیے جو صحابہ کے مابین کمال انداز میں پایا گیا اور جس کو نبی ﷺ نے باقاعدہ برقرار رکھا۔

چنانچہ "زہد" یہ نہیں کہ آدمی حلال اور پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کا درجہ دے لے۔ حلال کمائی کے معاملہ میں بے رغبتی پیدا کر لینا اور کاروبارِ دنیا کے اندر نہایت بڑھ

چڑھ کر حصہ نہ لینا 'زہد' کا ایک نہایت غلط تصور ہے جو بدقسمتی سے یہاں کئی ایک طبقوں کے ہاں بری طرح راسخ ہوگیا ہے۔ حلال کمانا، خدا کے پاکیزہ رزق کی تلاش میں نکلنا اور اس کیلئے صبح سے شام کردینی پڑے تو کر دینا، اور اپنی اس کمائی سے والدین، اہل خانہ وغیرہ کے حقوق پورے کرنا، مقدور بھر اس سے صدقہ کرنا، دنیا میں اس مال سے، حسب استطاعت، جہاد اور خدا کے مشن کو بھرپور تقویت دینا، اور اپنی اس مجموعی روش سے اپنی امت کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا اور اہل اسلام کو ایک بیروزگار اور غیر پیداوار معاشرہ نہ رہنے دینا اور یوں مسلم معاشرے کو ایک باعزت، خودکفیل اور ایک غیر دست نگر معاشرہ بنانے میں مؤثر سے مؤثر تر کردار ادا کرنا...... یہ عبادت کی ایک نہایت اعلیٰ وبرگزیدہ صورت ہے۔

''زہد''، جیسا کہ سلف سے منقول ہے، یہ ہے کہ 'دنیا' آدمی کے ہاتھ میں ہو نہ کہ دل میں، چاہے وہ کروڑوں کا مالک کیوں نہ ہو۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب اس دل میں کوئی ایسی برگزیدہ حقیقت بسالی گئی ہو جس کے ہوتے ہوئے 'دنیا' کیلئے اور دنیا کے 'کروڑوں اربوں' کیلئے آدمی کے دل میں کوئی جگہ پائی ہی نہ جائے۔ اربوں کھربوں روپے بھی ہوں تو ان کو سمانے کیلئے 'دل' میں نہیں 'ہاتھ' ہی میں جگہ ملے!

چنانچہ حقیقی زہد جس چیز کا نام ہے وہ دراصل ایمان کے بنیادی حقائق پر محنت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی ایک نعمت ہے۔ یہ درحقیقت دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ ''زہد'' کا کوئی تعلق آدمی کے 'غریب' یا 'مالدار' ہونے کے ساتھ سرے سے ہے ہی نہیں۔ ایک آدمی ارب پتی ہوکر زاہدِ دنیا اور طالبِ آخرت ہوسکتا ہے، جبکہ ایک دوسرا آدمی مفلس ہوتے ہوئے دنیا پرست اور آخرت سے غافل۔ کیونکہ 'زہد' اور 'دنیا پرستی' کا تعلق سراسر 'ہاتھ' یا 'جیب' کے ساتھ نہیں بلکہ 'دل' کے ساتھ ہے اور آدمی کے 'اہدافِ زندگی' کے ساتھ۔

پس 'زہد' ایسی نہایت اعلیٰ حقیقت کا قلب میں جاگزیں ہونا جس بات پر منحصر ہے وہ ہے خدا کی تعظیم۔ وہ ہے مالک الملک کی شان کو جاننا۔ وہ ہے زندگی اور رزق کے

مالک سے آگہی پانے پر آدمی کی خوب محنت ہوئی ہونا اور پھر 'آخرت' سے آدمی کا شناسائی پا رکھنا اور آخرت ہی کی طلب کو دل میں بٹھایا ہونا۔

زہد اگر آدمی کی نگاہ میں 'دنیا کا حقیر ہو جانا' ہے، چاہے جتنی بھی ہو...... زہد اگر دنیا کا 'دل' سے بے دخل کر دیا جانا ہے، چاہے 'ہاتھ' میں جتنی بھی ہو، اور 'دل' پر پڑنے والی اس کی گرد اور اس کے اثرات کو کھرچ دینا تاکہ اس دل پر خدا کا رنگ ہی گہرے سے گہرا ہوتا رہے، جیسا کہ جنید بغدادیؒ نے ''زہد'' کی تعریف کی ہے...... تو پھر ایک چیز کا 'چھوٹا' اور حقیر ہو جانا صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ کوئی اور چیز اس دل میں 'بڑی' اور 'عظیم' ہونے کا مرتبہ حاصل کر گئی ہو، جو کہ 'حقائقِ توحید' ہی کی دین ہو سکتی ہے۔ لہٰذا 'زہد' اگر 'توحید' پر محنت کا ایک طبعی نتیجہ نہیں تو وہ کسی بڑے انحراف کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے اور عموماً 'ترکِ دنیا' اور 'رہبانیت' وغیرہ کا ہی کوئی مترادف۔

''زہد'' دینی طبقے کو اور پھر پورے مسلم معاشرے کو ایک نہایت بامقصد، عملی، ایثار شعار اور فاعلیت dynamism سے پُر بنا ڈالنے والی ایک برگزیدہ حقیقت ہے نہ کہ دنیا میں 'خدا' کے نام پر پسماندگی، کم دلی، سستی اور کاہلی کا مارا ہوا ایک طبقہ یا ایک تھکا ہارا معاشرہ برآمد کرانے کیلئے وجود میں آنے والا کوئی 'مذہبی' طرزِ عمل!!!

ایمان کے حقائق کو دل میں بٹھانے پر بے تحاشا محنت ہوتی ہے تو تب ہی کہیں جا کر آدمی ''زہد'' کے معنیٰ تک سے واقف ہو سکتا ہے، درجۂ زہد کو پہنچنا تو اس سے بھی سوا ہے۔

چنانچہ درجۂ زہد یہ ہے، اور جس کو پہنچنے کیلئے آدمی کا بے پناہ زور لگتا ہے، کہ نہ تو دنیا کا آ جانا اس کیلئے کوئی بہت بڑی بات رہے اور نہ دنیا کا ہاتھ سے چلی جانا۔ یعنی اس کیلئے 'دنیا' کسی بھی پہلو سے 'بڑی بات' نہ رہے۔ جس کیلئے ضروری ہے کہ 'بڑی بات' اس کی نظر میں کوئی اور ہو جائے اور اس کے ہاں اشیاء کو 'ماپنے' کے پیمانے 'آخرت' والے ہوں نہ کہ 'دنیا' والے!

یہ 'پیمانے' بدل جانا ہی زہد کی اصل حقیقت ہے۔ دنیا جتنی بھی بڑی ہو اور جتنی بھی زیادہ حاصل ہو گئی ہو، پیمانہ آخرت کا ہو تو اس میں دنیا بھلا کیا حیثیت رکھے گی!؟

تم اگر ایک حلال پاکیزہ مال کی بابت 'زہد' برتتے ہو...... ایک ایسے پاکیزہ مال کی بابت جس کو تم اپنے دین اور اپنی آخرت میں سرفرازی کا ذریعہ بنا سکتے ہو...... تم اگر ایسے پاکیزہ مال پر پسینہ بہانے سے احتراز کرنے کو 'خدا کے تقرب کا ذریعہ' سمجھ بیٹھے ہو، تو نہ صرف یہ کہ تم زاہد نہیں ہو بلکہ حقیقی زہد سے آخری حد تک ناواقف بھی ہو۔

تم اگر ایک ایسے منصب اور عہدے کی بابت 'زہد' برتتے ہو جس پر فائز ہو کر معاشرے کے اندر تم حق کا احقاق اور باطل کا ابطال کر سکتے ہو اور اسلام کی قوت اور خلقِ خدا کے فائدہ کا ذریعہ بن سکتے ہو، مگر ایسے منصب یا سماجی مرتبے سے کنارہ کش رہنا ہی تم 'نیکی' سمجھتے ہو، تو تم نہ تو 'نیکی' کے مفہوم سے واقف ہو اور نہ 'زہد' کے معنیٰ ومطلب سے۔

''زہد'' دنیا کو رد کر دینا نہیں بلکہ دنیا کو دل میں بٹھانے یا دنیا کو دنیا کیلئے لینے سے انکار کرنا ہے۔ ورنہ تم جانتے ہو ایک نبی اپنے دور کا سب سے بڑا زاہد ہوتا ہے اور تمہارے سامنے یہ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام ہیں جن کے مویشی پوری ایک وادی میں آتے ہیں۔ مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، یہاں تک کہ آپؑ کا لقب ہی 'ابو الضیفان' پڑ جاتا ہے! یہ سلیمان علیہ السلام ہیں جن کے پاس مال دولت کے ڈھیر ہیں، بادشاہت کا منصب ہے اور حرم میں عورتوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ خدا کی پیدا کردہ پاکیزہ نعمتوں کو معیوب ٹھہرانے والا کون ہو سکتا ہے؟

خاتم النبیین ﷺ سے بڑھ کر کوئی زاہد نہیں ہو سکتا۔ مگر تم دیکھتے ہو آپؐ نے پورے نو گھر بسا رکھے ہیں اور نو گھروں کے حقوق بدرجۂ اتم ادا کر رہے ہیں۔ آپؐ کی ملکیت میں سو بکریاں ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ بکریاں سو سے بڑھ جاتیں تو تب آپؐ ان میں سے کوئی ایک ذبح کر لیتے۔ آپؐ کے اخراجات کیلئے فدک میں زرعی زمین کا ایک قطعہ مختص ہے۔ گھر میں بڑی بڑی دیر تک کچھ نہیں پکتا تو یہ کوئی اس لئے تھوڑی ہے کہ 'ہاتھ' خالی ہے؟! بلکہ اس لئے کہ 'دل' بڑا ہے!!! النبی أولیٰ بالمؤمنین من أنفسهم یہ خدا کا نبیؐ ہے جس کو مومنوں کی اس سے کہیں بڑھ کر فکر ہے جتنی کہ خود ان

کو اپنی یا اپنے اہل خانہ کی فکر ہو سکتی ہے۔ یہ دنیا کی صالح ترین جمعیت کا قائد ہے اور جماعتوں، تحریکوں اور 'انقلابات' کی تاریخ میں سب سے بہتر اور سب سے روشن مثال پیش کر سکنے والا راہنما!!! لہٰذا اس کے گھر میں مہینوں چولہا نہیں جلتا تو یہ اسؐ کی ان پہاڑ جیسی ذمہ داریوں کی وجہ سے، جن سے خود اس کے سوا کوئی واقف ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے گھر میں بھوک بستی ہے تو اس لئے کہ یہ ایک ایسی قیادت کا گھر ہے جو سب کو کھلانے کے بعد کھانا گوارا کرتی ہے!!!...... ادھر جاہلوں نے سمجھ لیا کہ یہ 'مال دشمنی' اور 'دنیا بیزاری' ہے! اور یہ کہ اہلِ اسلام کا حصولِ رزقِ حلال کے محاذ پر جُتنا اور معیشت پر حاوی ہونا 'توکل' اور 'زہد' کے منافی ہے اور 'آخرت سے بے رغبتی'!!!

یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں۔ یہ زبیر بن العوامؓ ہیں۔ یہ عثمان بن عفانؓ ہیں۔ یہ سعد بن ابی وقاصؓ ہیں۔ یہ خدیجہ بنت خویلدؓ ہیں۔ یہ ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ یہ عبداللہ بن عمرؓ اور یہ عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ لاتعداد صحابہ ہیں جو مارکیٹوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ مال و دولت کی ریل پیل ہے مگر دل میں خدا بستا ہے اور زبان پر سوال ہے تو آخرت کا۔ **اللھم لا عیش الا عیش الآخرة، فاغفر للأنصار والمهاجرة!!!**

امام احمدؒ سے سوال کیا گیا: کیا آدمی مالدار ہو کر زاہد ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں، اگر مال کا بڑھنا اس کو خوشی سے بے قابو نہیں کرتا اور مال کا گھٹنا اس کیلئے حسرت کا باعث نہیں بنتا۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: زہد یہ نہیں کہ آدمی مال کو ہاتھ لگانے سے پرہیز کرے یا حلال اشیاء کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لے۔ زہد یہ ہے کہ جو خیر خدا کے ہاتھ میں ہے اس کا وثوق تمہیں زیادہ ہو بہ نسبت اس چیز کے جو تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ کہ مصیبت میں بھی تم اپنے آپ کو خدا کی محبت و قربت کے احساس میں اسی طرح سرشار پاؤ جیسا کہ مصیبت نہ ہونے کے وقت۔ اور یہ کہ تمہاری ستائش کرنے والا شخص اور تمہاری مذمت کرنے والا شخص ہر دو تمہاری نظر میں ایک برابر ہو جائیں۔

'دنیا کی مذمت' سلف کے ہاں کس معنیٰ میں؟

یہ واضح ہوجانا بھی نہایت ضروری ہے کہ سلف کے ہاں جب 'دنیا کی مذمت' کی بات کی جاتی ہے تو اس سے ان کی کیا مراد ہوتی ہے۔

جیسا کہ ابن جوزیؒ، ابن قیمؒ، ابن رجبؒ و دیگر سلف کے ترجمان ائمۂ علم کی توضیحات سے واضح ہوتا ہے، سلف و مابعد کے ائمۂ سنت کے ہاں 'دنیا کی مذمت' ہوتی ہے تو درحقیقت وہ اس سیاق میں ہوتی ہے:

۱) دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا۔ دنیا کی طلب، آخرت کی طلب کی قیمت پر ہونا۔ اس سیاق میں دنیا کی جس قدر مذمت ہوئی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

۲) دنیا کی طلب میں حرام حلال کا فرق ملیا میٹ کر دینا، جو کہ دنیا کے طلبگاروں کے ہاں اکثر ہوتا ہے۔ اس معنیٰ میں بھی دنیا کی مذمت اہل علم کے ہاں بکثرت ہوئی ہے۔

۳) دنیا کو دنیا کیلئے طلب کرنا، نہ کہ اس کو حق کی قوت اور آخرت میں سرخروئی پانے کیلئے حاصل کرنا۔ دنیا کو بس تکمیل خواہش کا ذریعہ جاننا نہ کہ خدا کی شکر و احسان مندی کا ذریعہ بنانا۔ پس اس معنیٰ میں کہ یہ فی نفسہٖ آدمی کی مقصود ہوجائے، دنیا سلف کے ہاں نہایت قابل مذمت جانی گئی ہے۔

۴) پھر دنیا میں آرزوؤں کا دراز ہوجانا، ''مذمتِ دنیا'' کا ایک اور پہلو ہے جو اس باب میں ائمۂ سلف کے کلام کی روحِ رواں رہا ہے......

'خلود' کی طلب انسان کی فطرت کا جزوِ لازم ہے۔ صحت، عافیت، خیریت، آسودہ حالی، رزق کی فراوانی، ضروریات کی دستیابی، بیوی بچوں اور اصحاب احباب کے ساتھ اچھے سے اچھے لمحات، عزت، آبرو، حسن، خوبروئی......سب کچھ نہ صرف یہ کہ اس انسانی مخلوق کے بنیادی ترین مطالب ہیں بلکہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان چیزوں کا انسان کی دسترس میں رہنا اور کبھی ہاتھ سے نہ جانا اِس کیلئے بے انتہا اہم ہے۔

(خدا کی طلب گو ان سب پر فوقیت رکھتی ہے، دنیا کے اندر بھی اور آخرت کے اندر بھی۔) اسلام نے چونکہ فطرت کی نفی نہیں کی ہے اس لئے اسلام نے ان چیزوں کی بھی نفی نہیں کی ہے۔ مگر معاملہ یہ ہے کہ یہ چیزیں اس معنیٰ میں یہاں پائی ہی نہیں جاتیں کہ ان کے ملنے کی انسان کو کوئی ضمانت ہو اور پھر، خصوصاً، ایک ملی ہوئی چیز کے انسان کے پاس باقی رہنے کی کوئی ضمانت ہو۔ پس یہ چیز یہاں اس دنیا میں کہیں پائی ہی نہیں جاتی۔ نہ ایمان والوں کے لئے نہ ایمان کے منکروں کیلئے۔ جو اس کو یہاں ڈھونڈتا ہے وہ درحقیقت احمق ہے، علاوہ اس بات کے کہ وہ ایمان سے بھی محروم ہے۔ پس یہ چیز جس کی ائمۂ سلف کے ہاں 'درازیِ آرزو' کے عنوان کے تحت مذمت ہوتی ہے، یہ ایمان سے محرومیت تو ہے ہی خرد سے بھی محرومیت ہے۔ اور درحقیقت تو ''ایمان'' سے محرومیت ایک مطلق محرومیت ہے۔

پس اسلام نے نفس کے ان جائز مطالب کا انکار نہیں کیا جنہیں خدا نے آپ ہی اِس کی فطرت کا حصہ بنا رکھا ہے۔ اسلام نے کچھ کیا ہے تو وہ یہ کہ انسان کو اِن کے پائے جانے کا ''اصل محل'' دکھایا ہے اور اس حماقت سے باز رہنے کی تاکید کی ہے کہ وہ انہیں وہاں ڈھونڈنے پر ہی اصرار کرے جہاں خدا نے وہ رکھی ہی نہیں۔ اس حماقت کو ہی سلف کی زبان میں طول الأمل یعنی 'درازیِ آرزو' کہا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض ائمہ نے ''زہد'' کی تعریف ہی ''آرزو کے مختصر ہو جانے'' کے الفاظ سے کی ہے۔ کیونکہ جو چیز ابھی ملی نہیں اس کا تو ذکر ہی کیا، جو چیز مل چکی وہ بھی 'دینے والے' نے بڑے ہی وقتی سے طور پر تمہارے ہاتھ میں چھوڑ رکھی ہے اور یقینی طور پر وہ کسی بھی وقت تمہارے ہاتھ سے 'واپس' لے لینے والا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے تم کسی سے 'ذرا دیکھنے' کیلئے ایک چیز پکڑ کر ہاتھ میں لو، یا کسی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے اس سے وہ چیز عاریتاً لے رکھو۔ ایسی چیز پر 'دل آ جانا'

خست اور کمینگی بھی ہے، حماقت بھی اور 'مالک' کی نگاہ سے گر جانا بھی...... کہ اُس کا وہ چیز تمہیں ہی دے دینے کا کسی وقت اگر ارادہ ہو بھی، تو تمہاری اس گھٹیا حرکت کو دیکھ کر وہ اپنا ارادہ ہمیشہ کیلئے بدل لے! تم خود ہی کہو گے، ایسی چیز تو 'دل' میں نہیں 'ہاتھ' میں ہی اچھی لگتی ہے!!!

اب چونکہ غلط بات یہ نہیں کہ یہ چیزیں انسان کی ضرورت ہوں؛ اور نہ یہ غلط ہے کہ یہ انسان کے 'ہاتھ' میں ہوں، جیسا کہ ہم بیان کر چکے؛ اور نہ یہ غلط ہے کہ انسان ان چیزوں کو 'صاحبِ ملکیت' کی اجازت سے، اور پوری دیانت اور ذمہ داری کے ساتھ، اپنے معقول مطالب کی تکمیل کیلئے استعمال کرتا ہو، خصوصاً جبکہ 'صاحبِ ملکیت' نہایت فیاض اور بے پروا ہو اور خصوصاً جبکہ انسان اس 'صاحبِ ملکیت' سے جب بھی ملے اس پر اس کا شکریہ ادا کرنا نہ بھولے، اُس کیلئے اپنی احسان مندی بار بار ظاہر کرے اور یہ تو ہر وقت اس کی زبان پر رہے کہ یہ چیز مالک ہی کی ہے اور یہ کہ وہ کبھی اتنا احمق اور کم ظرف ہونے والا نہیں کہ محض اس بات سے دھوکہ کھا کر کہ ایک چیز اس کے 'ہاتھ' میں ہے، جبکہ عنقریب واپس لے لی جانے والی ہے، اس پر وہ اپنا کوئی 'حق' بھی جاننے لگے؛ اور یہ تو کمال ہی کی بات ہے اگر وہ اس چیز کو مالک ہی کے کسی کام میں تندہی کے ساتھ برتتا ہے اور اس پر وہ مالک کا اور بھی شکرگزار ہوتا ہے کہ اُس نے اِسے اپنی خدمت کا ایک موقعہ دیا......!!!

اب چونکہ ان سب باتوں میں حرج کی کوئی بھی بات نہیں، لہٰذا دنیا کو 'ہاتھ' میں کرنے کے یہ سب پہلو ہرگز ہرگز قابلِ مذمت نہیں، بلکہ مستحسن ہیں۔ ائمۂ سنت وعلمائے زہد کے ہاں 'طلبِ دنیا' کو جو بکثرت معیوب ٹھہرایا گیا ہے اور جو کہ بالکل برحق ہے، تو وہ اُن چاروں میں سے کسی ایک لحاظ سے ہے جو پیچھے بیان ہوئے۔ رہا طلب یا حصولِ دنیا کا یہ صالح مفہوم جو اوپر کے پیرے میں بیان ہوا، تو اِس معنیٰ میں

دنیا کے وسائل ہاتھ میں کرنا نہایت خوب ہے، مسلم فرد کیلئے بھی اور مسلم معاشرے کیلئے بھی:

عن موسیٰ بن علی عن أبیه، قال: سمعت عمرو بن العاص، یقول: بعث إلَیَّ رسول الله ﷺ فقال: خذ علیک ثیابک وسلاحک، ثم ائتنی، فأتیته وهو یتوضأ، فصعد فیَّ النظر ثم طأطأه، فقال: إنی أرید أن أبعثک علی جیش، فیسلمک الله ویغنمک، وأرغب لک من المال رغبة صالحة. قال: قلت: یا رسول الله! ما أسلمت من أجل المال ولکنی أسلمت رغبة فی الإسلام وأن أکون مع رسول الله ﷺ. فقال: یا عمرو، نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ.[۱]

(رواه أحمد فی مسنده)

موسیٰ بن علی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، کہا: میں نے عمروؓ بن العاص کو بیان کرتے سنا، کہا: میرے لئے رسول اللہ ﷺ نے پیغام روانہ فرمایا: اپنا (جنگی) لباس اور ہتھیار پہن کر میرے پاس پہنچو۔ میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا تو آپؐ وضو کر رہے تھے۔ آپؐ نے مجھ پر اوپر سے لیکر نیچے تک نگاہ ڈالی، پھر فرمایا: میں تمہیں ایک لشکر کی کمان دے کر (مہم پر) روانہ کرنا چاہتا ہوں، کہ اللہ تمہیں (اس سے) صحیح سالم لائے اور نصرت وغنیمت دے، اور میں تمہارے مال پانے کیلئے بھی خوب طور پر خواہشمند ہوں۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! میں مال پانے کی خاطر اسلام نہیں لایا، بلکہ اس لئے اسلام لایا ہوں کہ اسلام ہی مجھے مرغوب ہے اور اس لئے کہ اللہ کے

---

(۱) البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ذکر کیا کہ: اس حدیث کو مسند احمد کے علاوہ ابویعلیٰ، حاکم، بغوی، قضاعی اور ابن عساکر ایسے محدثین نے بھی دیگر طرق سے موسیٰ بن علی سے روایت کیا ہے۔ دیکھئے شیخ البانی کی تخریج بر: غایة المرام فی تخریج احادیث الحلال والحرام، حدیث نمبر ۴۵۴، ص ۲۶۱۔

رسول ﷺ کی صحبت ومعیت پاؤں۔ تب آپؐ نے فرمایا: یا عمرو، نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ. اے عمرو! کیا ہی خوب ہے کہ صالح مال ہو اور صالح آدمی کے ہاتھ میں ہو"!!!

یہ حدیث اس صالح معنیٰ پر دلالت کیلئے صرف ایک مثال ہے ورنہ شرعی نصوص میں، اور علمائے سنت کے اقوال وآثار میں، اس کے بے پناہ شواہد موجود ہیں۔ چونکہ یہاں یہ ہمارا موضوع نہیں لہٰذا اِس پر اللہ نے چاہا تو کسی اور موقعہ پر تفصیل سے بات کی جائیگی۔ البتہ یہاں یہ کہتے چلیں کہ رسول اللہ ﷺ کے یہ لفظ نہایت قابل غور ہیں: "کیا ہی خوب ہے کہ صالح مال ہو اور صالح آدمی کے ہاتھ میں ہو"۔ یہی بات ایک اچھے عہدے کی بابت کہی جائے گی کہ وہ صالح آدمی کے پاس ہو تو کیا ہی خوب ہے۔ یہی بات سماجی رتبے کے بارے میں کہی جائے گی اور یہی بات دنیا میں پائی جانے والی خدا کی اور بہت سی نعمتوں پر صادق آئے گی۔ 'صالحین' کے ہاتھ میں تو پوری دنیا آجائے تو یہ ایک بڑی نعمت ہے، صالحین کے حق میں بھی اور خود اس 'دنیا' کے حق میں بھی!

اب چونکہ غلط بات یہ نہیں کہ یہ چیزیں انسان کے 'ہاتھ' میں ہوں؛ غلط صرف یہ ہے کہ ان پر انسان کا 'دل' آجائے؛ کیونکہ بنانے والے نے دنیا کا نقشہ بنایا ہی کچھ اس طرح ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ 'دل' لگانے کی گنجائش نہیں؛ اس لئے ان چیزوں کو دل کا راستہ دکھانا سلف کے ہاں بے انتہا مذموم جانا گیا ہے اور اسی چیز کو 'درازیِ آرزو' یا 'خواہشِ دنیا' کا نام دیا گیا ہے۔

دراصل انسان کے اندر 'نفس' کی کچھ ایسی ساخت کی گئی ہے کہ یہ ان فانی ووقتی اشیاء سے ہی چپک جاتی ہے اور ان کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتی۔ یوں یہ نادان، 'دل' کیلئے اس کا سفر جاری رکھنا مشکل کر دیتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ ایک لمبے سفر پر گامزن شخص کسی گھنے سائے کے نیچے دو ٹک آرام کرے اور 'منزلِ شوق' پر پہنچنے کیلئے اسے پھر آگے چل دینا ہو۔ 'دل' جانتا ہے 'منزل' کی کیا اہمیت ہے اور یہ 'سایہ' کتنا بھی سہانا اور

خواب آور ہو، اس کے بیٹھ رہنے کیلئے قابل التفات نہیں۔ مگر 'نفس' ہے جو منزل کے حسن واہمیت کا ادراک کرنے سے قاصر ہے اور اس گھنے سائے کی جانب ہی کھنچی جاتی ہے۔ یہ 'تپتی دھوپ' میں سفر جاری رکھنے سے بھاگتی ہے اور اس 'آرام دہ پیڑ' کے نیچے ہی ہمیشہ کیلئے رہ جانا چاہتی ہے حالانکہ اس پیڑ کا سایہ مسلسل جگہ بدلتا جا رہا ہے اور چند ساعتوں میں بالکل ہی روپوش ہو رہنے والا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہاں اندھیری رات پڑ جانے والی ہے؛ اور یہ دشت ایسا ہے کہ جس مسافر کو یہاں اس حالت میں رات پڑ جائے اس کو اگلی صبح دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ 'اگلی صبح' یہاں اس دشت کی قسمت میں ہے ہی نہیں صرف رات ہی رات ہے، جس میں 'سائے' اپنی سب اہمیت کھو دیتے ہیں، بلکہ تو اپنی حقیقت کھو دیتے ہیں! کسی خردمند کو 'اگلی صبح' دیکھنے میں دلچسپی ہے تو اس کو آج ہی دِن دِن یہ دشت چل کر اُس 'پہاڑ' کے پار جانا ہے؛ جو کہ آدمی ذرا ہمت سے چل لے تو بہت دور نہیں؛ ہاں اُس پار نہایت خوب سبزہ اور آبشاریں ہیں، میٹھی شفاف نہریں ہیں، میووں سے لدے پیڑ ہیں، مخملیں نشستیں ہیں، لطف کے جام چلتے ہیں، سرود کی انتہا نہیں، کمال کے دوست احباب جمع ہیں، وہ بیٹھکیں ہیں جو اجڑتی نہیں، ایسے میلے ہیں جن کی شام نہیں، مِلن ہیں جن کے بچھڑنے کا نام نہیں؛ ہاں وہاں ہیں وہ سائے جو سمٹتے نہیں، اور وہ گھر جو اجڑتے نہیں، اور وہ ساتھ جو ٹوٹتے نہیں، اور وہ مزے جو ختم نہیں ہوتے۔

دل کے حق میں اس سے بڑی حماقت کوئی نہیں ہوسکتی کہ وہ اس دشت میں بیٹھا، ایک سمٹتا سایہ دیکھ کر نفس کے چاؤ پورے کراتا رہے اور اسی میں سارا 'دن' پار کر دے، اور یوں اسی اجاڑ بیابان میں اس کو وہ 'رات' آلے جس کی کوئی صبح نہیں۔ یہاں، دل اگر عقلمندی سے کام لیتا ہے؛ اور راستے کی سب سہولتوں کو، اپنے اس سفر کو نہایت خوشگوار اور کامیاب بنانے کے کام لے آتا ہے، البتہ 'سفر' کسی ایک لمحہ کیلئے بھی اس کی نظر سے روپوش نہیں ہوتا، تو اس کا راستے کی کسی چیز سے دل نہ لگانا اور نہایت کامیابی کے ساتھ اپنی راہ چلتے چلے جانا ''زہد'' کہلائے

گا۔ اور اگر وہ نادانی اور حماقت کا شکار ہوتا ہے اور راستے کی آسائشوں کو ہی دل دے بیٹھتا ہے؛ جس سے منزل پہ پہنچنے کا عمل متاثر ہوتا ہے، تو اس کو 'درازیِ آرزو' اور 'خواہشِ دنیا' کہیں گے۔

یہ بھی جان لو کہ: تعلیم اور ارشاد کا معاملہ ہو تو اور بات ہے، ورنہ جو آدمی صحیح معنیٰ میں زاہد ہے وہ دنیا کی چاہت تو کیا کرے گا، دنیا کی مذمت کرنے اور اس کو برا بھلا کہنے میں بھی ہرگز وقت برباد نہیں کرے گا۔ وہ تو سیدھا اپنی راہ چلتا ہے اور اس کی نظر اپنی منزل پر ہوتی ہے۔ دائیں بائیں دیکھنے کیلئے اس کے پاس زیادہ وقت ہی نہیں ہوتا۔ وہ دنیا کو اپنے اس سفرِ آخرت کا توشہ بنانے کی تو ہر تدبیر کرتا ہے اور اس معنیٰ میں 'مقاصدِ خیر' کیلئے دنیا کے تمام تر ذرائع کو مسخر کر رکھنے کی بھی فکر میں رہتا ہے، کیونکہ یہ اس کے اس اخروی مشن ہی کا حصہ ہے۔ البتہ وہ اس دنیا کو فی نفسہٖ کسی قیمت کی نہیں جانتا۔ وہ اس کو اس قابل تک نہیں جانتا کہ وہ اس کو برا کہنے میں اپنا وقت صرف کرے۔

دنیا کو صبح شام دشنام دینا بھی دراصل انسان کے اندر کا ایک کھوکھلا پن ہے اور بسا اوقات 'محرومیت' کا ایک اظہار ہوتا ہے، گو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ 'زہد' کی راہ پر ہے!

یحیی بن معاذؒ کہتے ہیں: دنیا ایک بھدی دلہن ہے۔ جو اس کا 'طالب' ہے وہ احمق اس کی غزلیں کہنے اور اس کے بناؤ سنگھار کرانے میں لگا ہے۔ جو سطحی قسم کا 'زاہد' ہے وہ نادان گویا اس سے تنگ آیا ہوا ہے، بڑی تن دہی کے ساتھ اس کو کوسنے میں لگا ہے اور اس کا منہ کالا کرنے اور کھینچ کھینچ کر اس کے بال اکھاڑنے اور کپڑے پھاڑنے کے درپے ہے اور سمجھتا ہے کہ اصل نیکی یہی ہے۔ جبکہ وہ شخص جو اصل 'عارف' ہے اس کے پاس ان سب باتوں کیلئے وقت ہی نہیں؛ اس کی کل توجہ اور مصروفیت خدا کے ساتھ ہے!

چنانچہ ''زہد'' کسی 'منفیت' یا کسی 'مردہ دلی' یا کسی 'محرومیت' کا نام نہیں۔ یہ ایک زبردست ''فاعلیت'' کا نام ہے جو پوری انسانی زندگی اور انسانی نشاط کو آخرت کے دھارے میں لا رکھنے کی کوشش سے عبارت ہے۔ ''زہد'' دنیا کو ترک کرنے کا نام ہے اور

نہ دنیا سے متنفر ہونے کا اور نہ دنیا سے فرار اختیار کرنے کا۔ ''زہد'' کا مطلب دنیا سے خالی رہنا نہیں۔ ''زہد'' تو درحقیقت دنیا سے آخرت کیلئے جھولیاں بھربھر کر لے جانے کا نام ہے۔کوئی سمجھے تو ''زہد'' دراصل دنیا کو ''آخرت کی کھیتی'' بناڈالنا ہے۔

''زہد''.. مومن کی اصل دولت

اب جب 'زہد' کا معنیٰ ومطلب واضح ہوگیا، خصوصاً 'زہد' کی بابت پھیلائے گئے غلط مفہومات کی کچھ تصحیح ہوگئی، اور بالخصوص 'دنیا کی مذمت' کا وہ مطلب واضح ہوگیا جو علمائے سنت وسلف کے پیش نظر ہوتا ہے...... اب جب ہمیں معلوم ہوگیا کہ 'طلبِ دنیا' کس پہلو سے شدید مذموم ہے اور کس پہلو سے نہایت مستحسن؛ تو اب ہمارے لئے یہ ممکن ہوگیا ہے کہ ''زہد'' کی فضیلت واہمیت پر ہم کچھ مزید بات کریں اور سلف کی زندگی سے اس کی کچھ نہایت عمدہ تصویریں بھی ملاحظہ کریں۔

عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے، اور جس کی بابت بعض محدثین نے کہا کہ مرفوع ہے:

> ''اس امت کے پہلے لوگوں کا معاملہ نہایت خوب رہا تو 'زہد' اور 'یقین' کی بدولت۔ بعد کے لوگ ہلاکت میں پڑیں گے تو 'بخل' اور 'آرزو' کے سبب''

اہل علم نے 'زہد' کے تین پہلو بیان کئے ہیں:

پہلا: آدمی کے اقوال وافعال اور حرکات وسکنات خدا کے لئے خالص ہوجائیں اور ان کی کوئی غایت 'خدا' کے سوا سرے سے نہ رہے۔

دوسرا: وہ چیز جو آخرت میں کام دینے والی نہیں اس سے آدمی کا کوئی سروکار باقی نہ رہے، اور وہ چیز جو آخرت میں کام دینے والی ہو اس کو وہ البتہ چھوڑنے کا نام نہ لے۔

تیسرا: یہ کہ آدمی مباحات کو بھی، رضا کارانہ طور پر، اور بغیر ان کو حرام ٹھہرائے، اپنی زندگی اور اپنے معمولات میں کم کرلے؛ اور اپنا وقت اور توجہ زیادہ سے زیادہ بلند عزائم پر ہی مرکوز کرلے۔

زہد جب خدا کی تعظیم میں دنیا و مافیہا کو ہیچ جان لینا ہے، تو لازم ہے کہ خدا بھی پھر اس کے بدلے میں تمہیں اپنی محبت کیلئے چن لے۔ تم کسی کی ایسی حیثیت تسلیم کرو کہ اس کی عظمت اور اہمیت کے سامنے ہر چیز کو بے وقعت جاننے لگو تو جواب میں، لازمی بات ہے کہ، وہ بھی تمہیں قدر کی نگاہ سے دیکھے۔ تو پھر اگر تم خدا کی طلب میں اس حد تک چلے جاتے ہو کہ دنیا تمہاری نگاہ میں اپنی بڑی حیثیت کھودے تو سمجھو تمہاری حیثیت خدا کی نگاہ میں آپ سے آپ بن گئی۔ یہ تو سمجھو تمہارا کام بن گیا!!!

خدا کی نگاہ میں جچ جانا...... اس سے بڑھ کر آدمی کو بھلا کیا چاہیے؟! کیا نہیں ہے جو خود بخود اس میں ساتھ ہی نہیں آ جاتا؟!! دیکھئے کس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے ایک صحابی کو یہ نسخہ بتاتے ہیں:

عن سهل بن سعد الساعدیؓ، قال: أتیٰ النبیَّ ﷺ رجلٌ، فقال: یا رسول الله، دلنی علیٰ عمل إذا أنا عملته أحبنی اللهُ وأحبنی الناسُ. فقال رسولُ اللهِ ﷺ: إزهدْ فی الدنیا یحبک اللهُ، وازْهَدْ فیما فی أیدی الناسِ یحبوک. (۱)

(سنن ابن ماجة، کتاب الزهد، باب الزهد فی الدنیا)

سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے، کہا: نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کی: یارسول اللہؐ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جسے میں کرنے لگوں تو میں اللہ کو پسند آؤں اور لوگوں کو بھی پسند آؤں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دنیا کے معاملہ میں زہد اختیار کرلو، تم اللہ کو پسند آنے لگو گے۔ جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس کی بابت زہد اختیار کرلو، تم لوگوں کو پسند آنے لگو گے!!!"

سبحان اللہ! زہد بھی کیا چیز ہے! ایک ہی چیز سے دونوں کام ہو گئے!!! یہ صرف خدا کی شان ہے کہ کسی کی نظر اس چیز پر ہو جو اُس کے ہاتھ میں ہے تو اس کو وہ

---

(۱) البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے صحیح سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۳۹۲، حدیث نمبر ۴۰۹۲

شخص بہت ہی پسند آئے، کیونکہ وہ غنی اور بے نیاز ہے!!! ورنہ ہر کسی کو وہ شخص بہت برا لگتا ہے جو اس کے ہاتھ کی چیز پر نظر لگائے بیٹھا ہو، کیونکہ وہ طمع کار اور محتاج ہے!!! پس یہ ہے زہد کی اصل حقیقت کہ کل نظر اس چیز پر ہو جائے جو خدا کے ہاتھ میں ہے اور مطلق بے نیازی اس چیز سے ہو جائے جو مخلوق کے ہاتھ میں ہے۔ خالق خوش کیونکہ اس کی شان سامنے آئی، اور مخلوق خوش کیونکہ اس کی محتاجی اور لاچاری آزمائے جانے سے بچی!!!

مختصر یہ کہ دنیا کا آدمی کی نگاہ میں بے وقعت ہو جانا، بندے کی خدا کے ہاں وقعت ہو جانے کا ایک یقینی راز ہے۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں: خوش خبری ہو ان لوگوں کو جو دنیا کے زاہد ہیں اور آخرت کے راغب۔ یہی ہیں عقلمند جنہوں نے ہر دو کا صحیح صحیح مول لگایا!

حضرت عمرؓ کا قول ہے: زہد، تن کا آرام ہے اور من کی راحت!

سلف میں سے کسی اور کا قول ہے: زہد، دنیا کی آسودگی ہے اور آخرت کی سعادت۔

دنیا کی وقعت دیکھنا چاہتے ہو تو سید المرسلینؐ کی زندگی پر نگاہ ڈالو۔ آخرت کے اندر مقامِ محمود پر جا پہنچنے والا اور بہشت میں سب سے اونچے محلات کا مالک، تاریخ کا یہ عظیم ترین انسانؐ، یہاں دنیا کے اندر اپنے پھٹے ہوئے لبادے پر خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتا ہے اور پھر اس کو خدا کا شکر کر کے پہن لیتا ہے۔ اپنے جوتے کو جو ٹوٹ گیا ہے، خود ہی مرمت کر لیتا ہے۔ اپنی بکری کا دودھ خود دھوتا ہے۔ گندم تو گندم، جو کے آٹے سے مسلسل دو روز تک سیر ہونے کا واقعہ اس کی زندگی میں کبھی پیش آتا ہی نہیں، تا آنکہ **الرفیق الاعلیٰ** سے جا ملنے کا دن آ جاتا ہے۔ ایک چاند گزرتا ہے، پھر دوسرا چاند گزر جاتا ہے، تیسرا چاند چڑھ آتا ہے، گھر میں چولہا نہیں جلتا۔ چند کھجوریں، کچھ گھونٹ پانی اور پھر خدا کی حمد اور تعریفیں!!! لمبے قیام، طویل

سجدے!!! جہاد میں مشغول!!! غزوۂ خندق میں اِسؐ کے پیروکار پیٹ پر پتھر باندھ کر نکلتے ہیں تو اِسؐ کے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے دیکھے جاتے ہیں!!! خندق کھودتے ہوئے اِسؐ کے ساتھی پسینے میں شرابور ہیں تو یہ بھی گینتی پکڑ کر پتھریلی خندق میں اترا، خدا کی تکبیریں بلند کرتا دیکھا جاتا ہے۔ بھوک سے بے حال، طلبِ آخرت سے سرشار، خندق کھودتے گرد میں اٹے، اِسؐ کے اصحاب نشید گاتے ہیں تو یہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے: ''خدایا! ہم عیش مانگیں تو آخرت کے عیش......''!!!

صحیحین میں، ابو ذرؓ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کے بالائی حصہ میں چلا جا رہا تھا۔ اُحُد کا پہاڑ ہمارے سامنے آ گیا۔ آپؐ نے مجھے مخاطب کیا: 'ابوذر!' میں نے عرض کی: لبیک اے اللہ کے رسول! فرمایا: ''(یہ جو احد کا پہاڑ ہے) میں ہرگز پسند نہ کروں کہ میرے پاس اس احد جتنا سونا آ جائے تو تیسری رات (مجھ پہ) اس حالت میں آئے کہ اس میں سے ایک اشرفی بھی میرے پاس بچ گئی ہو۔ کچھ رکھنے کا روادار ہوں گا تو وہ قرض لوٹانے کیلئے۔ میں بندگانِ خدا میں بھر بھر کر ایسے دائیں اور ایسے بائیں، وہ سارا سونا لٹا دوں۔ پھر آپؐ کچھ دیر چلے اور بولے: آج جن کی دولت کا حساب نہیں قیامت کے روز وہ نادار نکلیں گے، سوائے ان میں سے وہ جو ایسے دائیں اور ایسے بائیں اور ایسے پیچھے مال لٹاتے ہوں۔ مگر ایسے ہیں بہت تھوڑے''۔

صحیح مسلم میں، بقول ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا: رسول اللہ ﷺ کا فراش، ایک سِلا ہوا چمڑا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھر دیے گئے تھے!!!

بروایت بخاری، ام المومنینؓ سے ایک بار فرمائش کی گئی، تو انہوں نے ایک بوسیدہ پیوند لگا بالائی لبادہ اور ایک کھردرا تہہ بند نکالا اور کہنے لگیں: یہ ہیں وہ دو لبادے جن میں رسول اللہ ﷺ نے یہ دنیا چھوڑی!!!

اللھم صل علیٰ محمد......!!!

فاطمہؓ بنت محمدؐ ایسی شہزادی بھی دنیا نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ سیدۃُ نساءِ أَهلِ الْجنة، کندھے پر پانی کا مشکیزہ اٹھانے سے نشان پڑ جاتا ہے۔ علیؓ کہتے ہیں: میں نے فاطمہؓ سے شادی کی تو ہم دونوں کے پاس چمڑے کا ایک ہی بچھونا تھا اسی پر رات کو سوتے اور اسی پر دن میں نشست کرتے۔ فاطمہؓ کے پاس کوئی خادمہ نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کیلئے فرمائش کی گئی تو آپؐ نے خدا کے کچھ اذکار بتائے کہ انہی سے مدد پائیں۔ ابھی دوسروں کی ضروریات پوری نہ ہوئی تھیں، فاطمہؓ کو خادمہ نہ مل سکتی تھی۔ فاطمہؓ خود پانی بھرتیں، خود آٹا گوندھتیں اور گھر کا سارا کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتیں!!!

عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں: ام المومنین عائشہؓ کو معاویہؓ نے اسی ہزار درہم کی رقم ہدیہ کی۔ شام تک ایک درہم بھی نہ بچا، سب صدقہ کردی گئی۔ روزہ سے تھیں۔ افطار کیلئے خادمہ کو کچھ لانے کیلئے کہا، تو خادمہ نے عرض کی: کیا لاؤں، ایک درہم رکھ لیا ہوتا جس سے گوشت خرید لاتے؟ عائشہؓ بے پروائی سے بولیں: تم یاد کرا دیتی تو خرید لیتے!

عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے: دنیا گھر ہے اس شخص کا جس کا کوئی گھر نہیں ہے۔ دنیا مال ہے اس شخص کا جس کا کوئی مال نہیں ہے۔ اور یہ پونجی ہے اس شخص کی جسے کوئی علم عقل نہیں ہے!

بیت المقدس میں نصاریٰ، مجاہد افواج کے سامنے بے بس ہوگئے تو شہر کی کنجیاں دینے کیلئے شرط رکھی کہ خلیفۃ المسلمین خود تشریف لائیں۔ عمر فاروقؓ ان کی یہ شرط تسلیم کرتے ہوئے شام میں مسلم افواج کی چھاؤنی میں پہنچتے ہیں، جس کے بعد ان کو بیت المقدس جانا تھا۔ اپنا وہی قمیص زیب تن کر رکھا ہے جس پر جگہ جگہ پیوند لگے ہیں۔ خلیفہ کے کمانڈر درخواست کرتے ہیں کہ یہ جو ایک تاریخی موقعہ ہے، اس لبادہ میں وہ نصارائے بیت المقدس کے ہاں نہ جائیں اور اپنی سواری کی ہیئت بھی ذرا بہتر کرلیں،

وہاں بڑی بڑی شخصیات آپ کو دیکھیں گی۔ فرمایا: سنو! ہم دنیا کی سب سے ذلیل قوم تھے۔ خدا نے ہمیں عزت اور سر بلندی دی ہے تو اسلام کی بدولت۔ بخدا، یہ عزت اور سر بلندی ہم اسلام کے سوا کسی اور چیز میں تلاش نہ کریں گے!!!

حسن بصریؒ حضرت عمرؓ کا تذکرہ کرتے، اکثر کہا کرتے تھے: بخدا ان کا دوسروں پر سبقت لے جانا نہ تو اسلام لانے میں پہل کرنا تھا اور نہ خدا کے راستے میں اوروں سے زیادہ مال خرچ کرنا۔ وہ اوروں پر سبقت لے گئے تو دنیا کو بے وقعت جاننے کے باعث اور خدا کے معاملہ میں شدتِ غیرت کی بدولت۔ وہ خدا کا ایک ایسا بندہ تھا جسے خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی کوئی پروا تھی ہی نہیں!

سفرِ شام میں، کمانڈروں کے ساتھ مجلس کا اختتام ہوا تو عمرؓ، ابوعبیدہؓ سے فرمائش کرتے ہیں کہ شب بسری کیلئے وہ انہیں اپنے گھر لے چلیں۔ شاید دیکھنا چاہتے ہوں گے کہ خلیفہ کے اس عہدہ دار کا گھر کیسا ہے۔ ابوعبیدہؓ کچھ ہچکچانے کے بعد انہیں گھر لے جاتے ہیں۔ گھر میں دیکھنے کو مگر کچھ ہو تو! عمرؓ پوچھتے ہیں: کچھ کھانے کو ہے؟ پورے گھر میں اس وقت سوائے کچھ خشک ہو چکی روٹی کے کھانے کی کوئی چیز برآمد نہیں ہوتی۔ عمرؓ رو پڑتے ہیں، کہتے ہیں: بخدا اس دنیا نے آ کر ہم سب کو کچھ نہ کچھ بدل دیا مگر یہ ابوعبیدہؓ کا کچھ نہ بدل سکی!!!

رسول اللہ ﷺ کے لاڈلے صحابی معاذ بن جبلؓ کو عین جوانی میں موت آتی ہے۔ بوقت وفات، ان کی زبان پر یہ کلمات سنے جاتے ہیں: خدایا! تو جانتا ہے دنیا سے میرا لگاؤ اور یہاں اور رہنے کیلئے میری خواہش یہاں زمینیں آباد کرنے اور نہریں نکالنے کیلئے کبھی نہ تھی۔ دنیا سے میری رغبت تھی تو گرم دوپہروں میں روزے کی پیاس میں لذت ڈھونڈنے کی حد تک۔ یا خلوت کی گھڑیوں میں، عبادت میں محنت کشی کیلئے۔ اور یا پھر مجھے شوق تھا تو مجالسِ علم و ذکر میں اژدہام کرنے اور سب سے آگے بڑھ کر نشست پانے کا!!!

ابو جعفر منصور نے عمر بن عبد العزیزؒ کے بیٹے سے پوچھا: تمہارے والد مسندِ خلافت پر فائز ہوئے تو کتنی دولت پاس تھی؟ کہا: چالیس ہزار طلائی اشرفی۔ پوچھا: وفات کے وقت کتنی تھی؟ کہا: صرف چار سو۔ کچھ دن زندگی اور وفا کرتی تو یہ بھی نہ بچتے! عمر بن عبد العزیزؒ، جنھوں نے ڈھائی سال کے لگ بھگ حکومت کی، بیت المال سے ایک پائی نہ لیتے تھے، سب خرچہ سب صدقہ اپنی جیب سے کرتے تھے!

عمر بن عبد العزیزؒ خلافت سنبھالتے ہی بیت المال کی ہر چیز بیت المال کو واپس کر چکے تھے۔ شاہی خاندان غریبوں کی طرح کھاتا امیروں کی طرح شکر کرتا۔ عمرؒ کا معمول تھا عشاء کے بعد کچھ دیر گھر والوں کے ساتھ گزارتے۔ ایک رات، دیکھا بیٹیاں زیادہ قریب نہیں آ رہیں۔ پاس آتی ہیں تو منہ پر ہاتھ دھرا ہوتا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد چپ چاپ کمرے سے نکل گئیں۔ خلیفہ نے بچیوں کی آیا سے سبب پوچھا۔ آیا نے جواب دیا: گھر میں کچھ نہیں تھا۔ شہزادیوں نے آج مسور اور پیاز کے ساتھ رات کا کھانا کھایا ہے۔ ان کو خدشہ تھا کہ منہ سے بو آتی ہوگی۔ چین سے سپین تک کا حکمران، خدا شناسی کا یہ حسین انسانی نمونہ اس لمحے رو پڑتا ہے۔ بیٹیوں کو بلاتا ہے۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے اور ان کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے: میری جگر گوشو! تم یہ تو پسند نہیں کرو گی کہ تم انواع واقسام کے خوان کھاؤ اور تمہارے باپ کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینکا جائے! شہزادیاں آبدیدہ جواب دیتی ہیں: ہرگز نہیں ابا جان!!!

آدھی دنیا کا خراج عمر بن عبد العزیزؒ کے قدموں میں ڈھیر ہوتا تھا۔ ایک ایک پائی، ایک ایک دانہ حقداروں تک پہنچا دیا جاتا۔ عمرؒ ہاتھ جھاڑتے، خدا کی حمد کرتے، وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ معمول کی ایک ایسی ہی کارروائی کے دوران، کہ جب ایک کم سن بیٹا ساتھ تھا، مال کے ایک ڈھیر سے بچہ ایک سیب اٹھا کر کھانے لگتا ہے۔ عمرؒ کی نظر پڑتی ہے تو اس سے سیب واپس لے لیتے ہیں۔ بیٹا روتا اور ضد کرتا ہوا اماں کو 'بتانے' چلا جاتا ہے۔ اماں سے بچے کا رونا دیکھا نہیں جاتا، پیسے نکالتی ہیں

اور بازار سے سیب منگوا لیتی ہیں۔ عمرؒ گھر آتے ہیں تو سیب کی خوشبو پا کر غصے میں آنے لگتے ہیں: 'اس کو پھر کسی نے سیب پکڑا دیا؟'...... 'نہیں، یہ میں نے بازار سے منگوائے ہیں'، فاطمہؒ بنت عبدالملک، عمرؒ کی شریکِ خانہ، جواب دیتی ہیں۔ وضاحت فرماتے ہیں: 'واللہ! بیٹے کے ہاتھ سے سیب کھینچتے ہوئے مجھے لگتا تھا گویا میں اس کو اپنے دل سے کھینچ رہا ہوں مگر مجھے یہ ناپسند تھا کہ خدا کے ہاں میرا حصہ، بیت المال کے ایک سیب کی نذر ہو جائے'!!!

مسلمہ بن عبدالملک کہتے ہیں: میں اپنے چچازاد، عمر بن عبدالعزیزؒ کی عیادت کو گیا، جب وہ بستر مرگ پر تھے۔ مجھے محسوس ہوا ان کی قمیص دھلنے والی ہو چکی ہے۔ میں نے اپنی ہمشیرہ (عمرؒ کی زوجہ) سے کہا: فاطمہ! امیر المومنین کی قمیص تو دھلوا دو۔ کہنے لگی: اچھا۔ میں پھر آیا تو قمیص ویسے کی ویسے تھی۔ میں نے غصہ ظاہر کرتے ہوئے کہا: فاطمہ! تم نے امیر المومنین کی قمیص پھر نہیں دھوئی؟ فاطمہ جھینپتے ہوئے بولیں: ان کے پاس یہ ایک ہی تو قمیص ہے، تندرست تھے تو اسی کو دھو کر پہن لیتے، اب گھڑی گھڑی تیمار دار آ رہے ہیں، قمیص اتار کر کیسے دھوئیں!

مالک بن دینارؒ، جو کہ دورِ تابعین کے ایک مشہور ترین زاہد و عبادت گزار اور توکل، یقین اور خدا پرستی کی ایک حسین ترین مثال جانے جاتے ہیں، کہا کرتے تھے: 'لوگ مجھ جیسوں کو زاہد گنتے ہیں۔ حالانکہ زاہد اگر کوئی ہے تو وہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ پوری دنیا ان کیلئے پیش ہے مگر وہ اس کو دل کے پاس تک نہیں پھٹکنے دیتے'!

مکحولؒ کہتے ہیں: کوئی مجھے اپنے دیکھے کی سچی ترین قسم اٹھانے کیلئے کہے تو میں کہوں: 'واللہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے بڑھ کر میں نے اپنی پوری زندگی میں کوئی زاہد دیکھا ہے اور نہ کوئی خدا خوف'۔

عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے خطبوں میں اکثر کہا کرتے تھے: 'سنو، یہ دنیا خوشیاں کم دیتی ہے اور رلاتی زیادہ ہے، کیا تم اس مصیبتوں کے گھر پر ریجھ بیٹھے ہو؟'

''دنیا کو قابل اجتناب جاننا'' جس معنیٰ میں ''زہد'' کہلاتا ہے اور صالحین کے ہاں مستحسن گنا جاتا ہے اور خدا کے ہاں رفعِ درجات کا باعث ہے، اس ''زہد'' کا حقیقی مفہوم کسی پر اوجھل رہتا ہے تو وہ ایک نظر عمر بن عبدالعزیزؒ ایسے زاہدوں کے سرخیل، آدھی دنیا کے حکمران کو دیکھ لے اور پھر امام شافعیؒ کے اس قول کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کرے:

'دنیا وہ مردار ہے جس کے گردا گرد کتے ہجوم کئے ہوئے ہوں۔ تم اگر اس کو انہی کیلئے چھوڑ دو تو یہ تمہارے بھی لائق ہے اور ان کے بھی'!

امام ابن قیمؒ کہتے ہیں: قرآن دنیا کو ''زہد'' کی نگاہ سے دیکھنے کی دعوت سے بھرا ہوا ہے، اور سنت بھی:

''خوب جان لو یہ دنیا کی زندگی بس ایک کھیل ہے، اور محض ایک دل لگی، اور نری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ جانے کی کوشش میں رہنا...... اس بارش کی مثل جس کا سبزہ کاشتکاروں کو خوش کر دے۔ پھر وہ جوبن پر آئے۔ پھر تو دیکھتا ہے وہ زرد ہو گیا ہے۔ آخر میں وہ چورا چورا ہو جاتا ہے۔ (ابھی) آخرت (پڑی ہے) جہاں سخت عذاب ہے اور (یا) خدا کی بخشش اور خوشی۔ دنیا کی یہ زندگی تو کچھ نہیں مگر ایک دھوکے کا سامان۔

ارے لپکو اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس بہشت کی طرف جس کا پھیلاؤ آسمان و زمین کے پھیلاؤ ایسا ہے، جو تیار کی گئی ہے ان (خوش بختوں) کیلئے جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ یہ اللہ کا فضل ہے عطا فرمائے گا اسے جسے چاہے گا، اور اللہ تو فضلِ عظیم کا مالک ہے۔

نہیں پڑتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ (لکھ رکھی گئی ہے) ایک دستاویز میں اس سے پہلے کہ ہم اسے وجود میں لائیں۔ بلاشبہ یہ بات اللہ کیلئے بہت آسان ہے...... یہ اس لئے کہ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہی اس کا

افسوس نہ کرو اور جو اس نے تمہیں دیا اس پر اتراؤ نہیں۔ اور اللہ تو ہرگز کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا.. وہ جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو کنجوسی کی تلقین کرنے میں لگے ہیں......اور کوئی منہ موڑ لے تو اللہ بے نیاز ہے اور اکیلا صاحبِ تعریف''

(۵۷:۲۰-۲۴)

''انسانوں کیلئے خوش نما بنا دی گئی ہیں اُن کی خواہشات؛ مثل عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور لہلہاتی فصلیں...... پر، یہ اس دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ عمدہ ٹھکانا (پھر بھی) اللہ ہی کے پاس ہے۔

ان سے کہو: کیا میں تمہیں ان چیزوں سے ایک کہیں بہتر چیز کی خبر دوں؟ (تو پھر سنو!) جو لوگ (یہاں) پرہیز گاری اختیار کر رکھیں؛ اُن کیلئے ان کے پروردگار کے ہاں باغ ہائے بہشت ہیں، جن کے نیچے ندیاں بہتی ہیں، اور جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں...... اور پھر پاکیزہ شریک ہائے حیات...... اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی.. اور ایسے بندگی میں لگے لوگ تو ہر دم اللہ کی نگاہ میں ہی رہتے ہیں۔

...... جو التجائیں کرتے ہیں: 'اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، پس بخش دے ہمیں ہمارے گناہ، اور بچا لے ہمیں دوزخ کے عذاب سے......

یہ صبر کرنے والے، یہ سچ بولنے والے، یہ چپ چاپ حکم مان لینے والے، یہ خدا کی راہ میں لٹانے والے.. اور بوقتِ سحر، استغفار کیلئے (ہاتھ پھیلانے) والے!!!

(۳:۱۴-۱۷)

''جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کیلئے ہم اس کی کھیتی خوب بڑھائیں گے؛ البتہ جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دے ضرور دیں گے (مگر پھر) اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا''۔

(۲۰:۴۲)

کہنے لگے: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر قتال (جلد) کیوں فرض کر دیا کیوں نہ تھوڑی مدت ہمیں اور مہلت دے دی؟ کہہ دو: دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو ایک پرہیزگار کیلئے آخرت ہے۔ اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(اے جہاد سے ڈرنے والو!) تم کہیں رہ لو، موت تو تمہیں آ کر رہے گی، بے شک تم اونچے مضبوط قلعوں میں کیوں نہ ہوئے......''

(۴:۷۷-۷۸)

''نہیں، مگر تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اور کہیں زیادہ پائیدار''

(۸۷:۱۶-۱۷)

''دنیا میں یوں رہو، گویا پردیسی ہو یا پھر راہ گیر''

(صحیح بخاری)

اسی حدیث کی ترمذی کی روایت میں اضافہ ہوا: ''اور اپنے آپ کو قبرستان کی آبادی میں شمار کرو''

''دنیا مومن کی قید ہے اور کافر کی جنت''

(صحیح مسلم)

''میرا دنیا سے کیا لینا دینا!!! میری مثال اور دنیا کی مثال تو بس ایسے ہے گویا کسی (منزل کا) سوار، تپتے دن میں، کسی پیڑ کے سائے تلے (کچھ وقت گزارے)، اور پھر اس کو چھوڑ کر آگے چل دے''!

(ترمذی و مسند احمد، حدیث صحیح ہے)

’’دنیا خدا کی نگاہ میں کہیں مچھر کے پر برابر بھی وزن رکھتی، تو اس نے کافر کو کبھی پانی کا ایک گھونٹ نہ دیا ہوتا‘‘!

(ترمذی، صحہ الالبانی)

’’قیامت قریب ہوئے جارہی ہے، اور لوگوں کی حرص دنیا کیلئے بڑھتی جا رہی ہے، خدا سے ان کی دوری اور بڑھتی جارہی ہے‘‘۔

(مستدرک حاکم، البانی نے اسے حسن کہا ہے)

’’روزِ قیامت، جہنمیوں میں سے دنیا کے سب سے زیادہ ناز و نعم میں رہنے والے شخص کو آگے لایا جائے گا۔ اس کو دوزخ میں ایک غوطہ دیا جائے گا۔ پھر اس سے پوچھا جائے گا: آدم کے بیٹے! زندگی میں کبھی خیر دیکھی ہے؟ کبھی کوئی اچھا وقت گزرا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں، اللہ کی قسم نہیں، اے رب! اور جنتیوں میں سے دنیا کے اندر سب سے برا وقت گزار آئے شخص کو سامنے لایا جائے گا۔ اس کو جنت میں ایک غوطہ دلایا جائے گا۔ پھر اس سے پوچھا جائے گا: آدم کے بیٹے! کبھی زندگی میں برا وقت دیکھا ہے؟ کبھی تم پر مشکل آئی ہے۔ وہ کہے گا: اللہ کی قسم، کبھی نہیں خدایا۔ مجھ پر تو کبھی کوئی برا وقت نہیں آیا۔ میں نے تو کبھی کوئی مشکل نہیں دیکھی!!!

(صحیح مسلم)

اس کے بعد، امام ابن قیمؒ لکھتے ہیں: آخرت کیلئے رغبتِ تام دل میں آتی ہی نہیں جب تک دنیا کی وقعت دل سے چلی نہ جائے۔ آدمی کا دنیا کو آخرت پر ترجیح دے ڈالنا یا تو اس کے ایمان کی خرابی ہے، یا عقل کی خرابی ہے، اور یا ایمان اور عقل دونوں کی خرابی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ نے دنیا کے عیش و آرام کو بالکل ہی پس پشت ڈال کر رکھا۔ دنیا کو دل میں نہ رہنے دیا اور دل کو دنیا میں نہ رہنے دیا۔ دنیا کو بہشت نہیں، قید گنا۔ دنیا کے معاملہ میں وہ زہد اختیار کیا جو کہ اس کا حق تھا۔ حالانکہ

چاہتے تو اس سے کیا نہ پا سکتے تھے؟ اس کی کونسی چوٹی تھی جسے وہ سر نہ کر سکتے تھے؟ کونسی خواہش تھی جسے وہ پورا نہ کر سکتے تھے؟ مگر بات یہ ہے کہ وہ جان گئے تھے کہ: یہ عبورگاہ ہے نہ کہ سرورگاہ۔ یہ وہ بھاگتا بادل ہے جو ابھی برستا نہیں کہ چھٹ جاتا ہے۔ یہ وہ سرِ راہ کا مہمان ہے جو ابھی آتا نہیں کہ جانے کے لئے تیار نظر آتا ہے۔ یہ وہ سہانا سپنا ہے جسے آدمی پکڑ تارہ جاتا ہے، پر آج تک کوئی اسے پکڑ نہیں سکا۔ [۱]

'بلبلے' کے پیچھے بھاگنے والے نادان ضرور ہیں!!!

زہد کی چند اہم علامتیں:

''زاہد'' ہونا تو خیر ایک بہت بڑا مرتبہ ہے، زہد سے کچھ حصہ پایا ہونا بھی ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ آدمی کو یہ دیکھنا ہو کہ ''زہد'' ایسی نعمت سے کچھ حصہ پایا ہونے کے معاملہ میں وہ کہاں کھڑا ہے......تو، جیسا کہ متعدد علماء نے بیان کیا ہے، وہ اپنے آپ کو ان تین علامات سے جانچے:

۱) ''زہد'' یہ ہے، جیسا کہ سورہ حدید کی آیت ۲۳ کے ضمن میں ہم پیچھے دیکھ آئے، کہ آدمی 'موجود' پر خوش نہ ہو اور 'مفقود' پر افسوس نہ کرے۔ دوسری چیزوں کے معاملہ میں بھی یہ درست ہے، مگر مال و دولت اور عیش و آسائش کے معاملہ میں ''زہد'' کا یہ اہم معیار ہے۔ پس یہاں سے تم دیکھ سکتے ہو کہ ''زہد'' سے تم نے کتنا حصہ پایا ہے۔

۲) ''زہد'' یہ ہے کہ وہ شخص جو تمہاری ستائش کرتا ہے اور وہ جو تمہاری مذمت کرتا ہے، تمہاری نگاہ میں ایک برابر ہو جائیں۔ اول الذکر، مال و دولت اور وسائلِ راحت کے معاملہ میں ''زہد'' تھا تو یہ 'جاہ اور مقام' کے معاملہ میں ''زہد'' ہے۔ اب اس معاملہ میں بھی تم اپنا جائزہ لے سکتے ہو کہ تم کہاں کھڑے ہو۔

---

(۱) الفوائد، مؤلفہ ابن القیم، ص ۹۵

۳) ان دونوں سے اہم بات یہ دیکھنے کی ہے کہ تمہیں خدا کے ساتھ اُنس کتنا ملتا ہے؟ خدا کے ساتھ خلوت کی کچھ گھڑیاں گزارنے میں لطف کتنا آتا ہے؟ عبادت میں مٹھاس اور فرماں برداری میں حلاوت کہاں تک آتی ہے؟ آخرت کی سمت چلنے میں سکھ کتنا پاتے ہو اور عزم الامور کے ساتھ دل لگانے میں اطمینان کتنا ہوتا ہے؟ اور اس کیلئے اور سے اور کی طلب کہاں تک ہے؟...... کیونکہ زہد کو زہد بنا دینے والی اصل چیز بس یہی ہے۔ ورنہ تو وہ نری مشقت ہے!

پیچھے، ہم یہ دیکھ آئے ہیں کہ مال ودولت یا جاہ وحشمت سے محض دل کا 'اچاٹ' ہوجانا زہد نہیں۔ 'بے دلی' اور 'مردنی' کا ''زہد'' سے کیا تعلق؟!!! 'زہد' تو شوق اور رغبت کا ایک طوفان ہے۔ ''زہد'' تو درحقیقت اِس شوق اور رغبت کا ''محور'' بدل جانا ہے۔ ''زہد'' تو اس جوش و ولولہ کو، جو کہ ایک فنا ہوجانے والے جہان میں اٹک کر رہ گیا تھا اور مٹی کی چیزوں کے ساتھ مل کر مٹی ہوجانے والا تھا، ابدیت کی ایک جہت مل جانا ہے اور عرش کے مالک سے اس کی ایک نسبت ہوجانا۔ یہ تو دل کی اس حالت کا کچھ سے کچھ ہوجانا ہے؛ کہ پہلے اسے دنیا کے یہ رنگ اپنی جانب کھینچتے تھے، اب اس کا دل آخرت میں جابسا ہے اور محض ایک خدا سے لو لگا بیٹھا ہے۔ اس کی 'زندہ دلی' تو کہیں نہیں گئی؛ صرف ''زندگی'' کا سراغ مل گیا ہے، جس سے فانی اشیاء اس کی نظر میں اب ہیچ ہوگئی ہیں۔ نہ صرف یہ، بلکہ اسے اس نسخۂ کیمیا تک بھی رسائی ہوگئی ہے جو اس کیلئے 'مٹی' کو 'سونے' میں بدل دے؛ اور جس سے کام لے کر اب یہ ان فانی اشیاء کو ہی، ایک کمال سلیقے سے، اپنے لافانی جہان کے سامان میں باندھ سکتا ہے! پس پہلے اگر یہ کم پرجوش تھا تو اب یہ کہیں بڑھ کر سرگرم ہوگا۔ وہ جن کی نظر 'زمین' سے نہیں اٹھتی، وہ کیا کچھ کرنے میں یہاں نہیں لگے ہوئے؛ جس کو 'آسمان' نظر آتا ہو اس کے پیر بھلا کہاں ٹک سکتے ہیں؟!!!

کسی عابد سے پوچھا گیا: یہ زہد ان لوگوں کو لے کہاں جاتا ہے؟ اس نے جواب دیا: خدا کے ساتھ دل لگانے!!!

بعض اہل علم نے 'زہد' کے معاملہ میں، آدمی کے اپنے آپ کو جانچنے کیلئے یہ علامات بھی ذکر کی ہیں:

۱) جب تم دیکھو کہ خدا کی حرام کردہ باتوں سے تمہاری طبیعت حد درجہ بھاگنے لگی ہے۔

۲) حلال پر اطمینان ہونے لگا ہے۔

۳) فرائض ہر دم آنکھوں کے سامنے رہنے لگے ہیں

۴) 'شبہات' سے اپنے آپ کو دستکش پاتے ہو

۵) مستحبات میں رغبت بڑھنے لگی ہے

۶) ایک چیز جو فی نفسہٖ نہ تو حرام ہے اور نہ واجب یا مستحب؛ یعنی مباح ہے اور اس کے کرنے میں ہرگز کوئی گناہ نہیں البتہ کوئی ثواب بھی نہیں...... وہ بھی تمہارے لئے قابل اعتنا نہیں رہا۔ اس کو بھی ہاتھ ڈالو تو پہلے یہ دیکھ کر کہ وہ تمہارے مقاصدِ آخرت میں کہاں تک فٹ آتی ہے؟ کیونکہ تم ایک چیز کو 'عزم الامور' کے ساتھ جوڑ لینے کا سلیقہ پا چکے ہو؟ 'عزم الامور' میں فٹ نہ آنے والے مباحات سے صرفِ نظر کر رکھنے کی صلاحیت کہاں تک اپنے اندر پیدا کر چکے ہو؟ زہد کی یہ نہایت اہم علامت ہے: تمہارا وقت، روپیہ پیسہ، صحت، طاقت، چستی، پھرتی، رابطے، تعلقات، سماجی رتبہ، وجاہت، سب کچھ کسی بلند مقصد کیلئے مسخر ہو جائیں۔ یہ سب کچھ کسی ادنیٰ مقصد کیلئے صرف ہونا، چاہے وہ مباح ہی کیوں نہ ہو، تمہیں لاکھوں کروڑوں کا نقصان نظر آئے۔

اہل علم کے ہاں اس باب میں جس دولت پر سب سے زیادہ فریفتہ ہونے کی تاکید ملتی ہے اور وہ اس کا اربوں کھربوں میں بھی حساب کرنے کے روادار نہیں، وہ انسان کا 'وقت' ہے۔ اس کا ایک لمحہ کسی ادنیٰ چیز پر صرف ہونا، چاہے وہ مباح کیوں نہ ہو، اگر تمہیں کھلنے لگے اور یہ تمہیں کروڑوں کے نقصان سے بھاری لگنے لگے، تو سمجھو زہد کی راہ پر تمہارا قدم باحسن اسلوب پڑ چکا ہے۔

اہل علم تو مباحات ہی کیا، بعض اعلیٰ درجہ کے مستحبات کے سامنے کم درجہ مستحبات تک کو وقت کا اچھا مصرف نہیں جانتے[1]۔ یہاں، ہر آدمی اوپر سے اوپر دیکھتا ہے! 'نفع' بھی کم ہو تو لینے پر تیار نہیں ہوتا! ہمتوں کا زور لگا دینے کا یہی اصل محل ہے! یہ ایسے ہی ہے جیسے کروڑوں کے سودے کرنے والا ایک تاجر دو دو چار چار روپے کے سودے کو ہاتھ نہیں ڈالتا۔ باوجود اس کے یہ بھی 'منافعہ' ہے، پر وہ جن ہواؤں میں ہے اس کے حساب سے وہ اس کیلئے گھاٹا ہے۔ وہ نہایت اعلیٰ سودے کرنے سے نیچے آنا، جبکہ ایسے سودوں کی اس پاس کمی نہ ہو، اپنے حق میں خسارہ جانتا ہے۔ اسی معنیٰ میں علمائے قلوب کے ہاں ایک نہایت حسین مقولہ پایا جاتا ہے: حَسَـنَـاتُ الأَبْـرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِين[2]. مراد یہ کہ 'ابرار' یعنی نیکوکاروں کے حق میں جو باتیں 'حسنات' کا درجہ رکھتی ہیں، 'مقربین' یعنی خدا کا خاص قرب پا رکھنے والے لوگوں کے حق میں کسی وقت وہ 'سیئات' کا درجہ رکھیں گی۔

یہ موخرالذکر، زہد کا، بلکہ درحقیقت آدمی کے فہم و دانش مندی کا، ایک نہایت وسیع باب ہے۔ یہی وہ بازار ہے جہاں کوئی خوش قسمت مٹی کو سونا بنا لینے کا ہنر رکھتا ہے تو کوئی قسمت کا مارا سونا مٹی میں ملا آتا ہے!

پس یہ درجہ بدرجہ یہ چھ ٹیسٹ ہیں جن کو آدمی اپنے سامنے رکھ سکتا ہے۔ ان کی روشنی میں اپنا جائزہ لیتے رہنا فائدہ مند رہے گا۔ اور سب فضل تو آدمی کو خدا ہی سے مانگنا ہے۔

ابن قیمؒ کہتے ہیں: حکمِ شرعی کے لحاظ سے زہد کے کئی ایک مراتب ہیں:

- ایک زہد وہ جو فرض عین ہے۔ یہ خدا کے حرام کردہ امور کے معاملہ میں ہے۔
- زہد کی ایک وہ صورت ہے جو شبہات سے بچنے سے متعلق ہے۔ اس کی دو

---

(۱) گو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی عمل کے دائرہ کو نہایت وسیع، جامع، متوازن اور متنوع رکھنے پر محنت نہ کرے، کیونکہ ایک جامع قسم کی عبدیت درجے میں سب سے بلند ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اسی کتاب کی ایک فصل: 'عبدیتِ تام'۔

(۲) دیکھئے: مدارج السالکین، مؤلفہ امام ابن القیم، جلد ا صفحہ ۲۵۷، علاوہ ازیں یہی کتاب جلد ۲ صفحہ ۲۸۵

صورتیں ہیں: شبہ قوی ہو تو اس کی بابت زہد اختیار کرنا وہی حکم رکھتا ہے جو حرام کے معاملہ میں زہد کا ہے، یعنی واجب۔ اور اگر شبہ قوی نہ ہو تو اس صورت میں اس سے دستکش رہنا مستحب ہوگا۔

– فضول سے بچنا: بے فائدہ بولنا، نگاہ کا فضول استعمال، بے فائدہ پوچھ پڑتال، بے فائدہ میل جول، بے کار وقت گزاری، لایعنی مشغلے؛ گو بے شک حرام نہ ہوں...... سب کچھ متروک ہو جانا زہد میں آتا ہے، اور نہایت مستحسن۔

– لوگوں کی بابت زہد اختیار کرنا: دنیا کی محفلیں اچھی اور مفید بھی ہوں پھر بھی ایک حد سے زیادہ نہ ہوں۔ اس کے بجائے خدا کے ساتھ وقت گزرنا آدمی کو زیادہ مرغوب ہو۔

– اپنے آپ کی بابت زاہد ہو جانا۔ یعنی آدمی کو اپنی راحت، حتیٰ کہ اپنی جان اور اپنی زندگی خدا کی راہ میں وار دینا کوئی بڑی بات نہ لگے۔ اپنی جان مال کو خدا کی راہ میں بے وقعت جاننا، زہد کا ایک نہایت بلند درجہ ہے۔

– سب سے جامع زہد، جس میں یہ سب اور اس کے سوا بہت کچھ آتا ہے، یہ ہے کہ: خدا کے سوا ہر چیز کے معاملہ میں ہی آدمی زاہد ہو جائے؛ ہر وہ چیز جو تمہیں، خدا کے ساتھ اور خدا کے لئے، مشغول نہ رہنے دے وہ تمہاری نگاہ میں اپنی سب وقعت کھو دے اور تمہاری زندگی میں متروک ہونے لگے۔

آخر میں امام ابن قیمؒ کہتے ہیں: 'زہد' کو چھپانا 'زہد' کی سب سے اعلیٰ اور افضل قسم ہے(۱)۔ یہ اس لئے کہ زہد کسی ظاہری ہیئت کا نام نہیں۔ زہد یہ ہے کہ آدمی اسی دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کا ہو گیا ہو، جو کہ نہایت مشکل ہے؛ اور بیشتر، ایک چھپا رہنے والا عمل، بہ نسبت کوئی 'حلیہ' اپنا لینے کے یا کوئی 'گوشہ' سجا لینے کے۔ اسی زندگی کے ہنگاموں میں شریک رہ کر ''زہد'' اپنانا اصل کام ہے۔ 'زہد' کا سارا حسن ہے ہی اس کے قدرتی پن اور اس کی بے ساختگی میں، ورنہ 'زہد' تو اسے کہنا ہی مشکل ہے!

---

(۱) الفوائد، مؤلفہ ابن القیم، ص ۱۱۸

امام زہریؒ نے زہد کی جو تعریف کی ہے وہ ہم پیچھے دیکھ آئے ہیں؛ یعنی نہ 'حرام' تمہارے صبر واستقامت کو اپنی جگہ سے ہلا سکے چاہے کتنا بھی زیادہ اور کتنا بھی دلکش کیوں نہ ہو گیا ہو۔ اور نہ 'حلال' چاہے جتنا بھی تمہیں مل گیا ہو، تمہارے شکر کو عاجز کر سکے۔ پس زہد کے دراصل یہ دو محاذ ہیں......

کچھ لوگ 'صبر' کے محاذ پر ہار جاتے ہیں اور 'حرام' یہاں 'صبر' کے کئی ایک بند توڑ دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے؛ یہاں اگر صبح شام یہ بند مضبوط کر رکھنے پر چوکس نہ رہا جائے، اور کہیں کسی بند میں اگر تھوڑا بہت سوراخ ہونے لگے تو اس کو ساتھ ساتھ بند کرتے جانے کا بندوبست نہ رہے تو قریب ہے کہ آدمی کی دولتِ زہد ساری کی ساری ہی اس طوفان کی نذر ہو جائے اور محرمات کا ارتکاب اور خدا کی حدیں توڑی جانے کا واقعہ اس کے ہاں کا معمول بن جائے۔

جبکہ کچھ لوگ 'شکر' کے محاذ پر ہار جاتے ہیں؛ بلکہ اکثر 'صبر' کے محاذ پر اچھی کارکردگی رکھنے والے، دیکھے گئے، کہ یہاں دم ہار جاتے ہیں۔ 'حلال' ملنے پر خدا کی حمد وتعریف میں رطب اللسان رہنا اور دل پر ہر وقت خدا کیلئے احسان مندی کی حالت طاری کئے رکھنا 'زہد' کا ایک دوسرا بڑا میدان ہے۔ خدا کی نعمتیں جو کہ طیبات ہیں، اور جن کو لینے میں ہرگز کوئی خرابی نہیں، یہ ہر دم آدمی کو اگر ''خدا کا فضل'' نظر نہ آئیں اور اِن پر خدا کیلئے آخری درجے کی ایک ''نیازمندی'' انسان کے دل میں موجزن نہ ہو تو اِن نعمتوں کی اپنی ایک حیثیت انسان کے دل میں بن جاتی ہے اور یہ آپ اپنی ذات میں اس کیلئے اہم ہو جاتی ہیں۔ یہ نوبت آتی ہے تو پھر 'زہد' نام کی جو چیز ہے وہ اس کے یہاں سے روپوش ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو ہم دیکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی جو مناجات یا حتیٰ کہ ان کی اپنے اصحاب کے ساتھ جو گفتگو قرآن میں مذکور ہوئی ہے، یا قرآن کی اپنی تعلیقات جو آلِ داودؑ کی بابت ملتی ہیں، سب کی سب 'شکر' کے گرد گھومتی ہیں، کیونکہ یہ ایک نہایت مشکل عبادت ہے اور اکثر کا پایۂ استقلال یہاں ڈول جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ 'صبر' کرنے والے زاہد آپ کو زیادہ ملیں گے بہ نسبت 'شکر' کرنے والے زاہدوں کے۔ یہاں تک کہ لوگوں کے یہاں 'زہد' کا مفہوم ہی 'صبر' کا ہم معنیٰ ہو گیا ہے! حالانکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ آدمی خدا کی نعمتوں میں کھیلتا ہوا اور شکر و قدردانی ایسی نایاب بندگی اختیار کر کے خدا کے ہاں زاہدوں میں شمار ہو۔

پس 'زہد' کے یہ دو محاذ اگر تم پر واضح ہو جاتے ہیں، تو یہاں سے بھی تمہیں اپنا جائزہ لینے میں مدد مل سکتی ہے کہ اس سعادت کو پانے میں تم کہاں کھڑے ہو۔

'زہد' میں ممد ہونے والی باتیں:

اب آخر میں چند ایسی باتوں کا ذکر کرتے چلیں جو زہد کی حقیقت کو اپنانے میں انسان کی معاون ہو سکتی ہیں:

- ہو سکے تو روز کچھ وقت دنیا کی حقیقت پر غور و فکر میں صرف کرو۔ اس کا تیزی کے ساتھ روپوش ہوتے جانا، اس کا زوال قریب ہونا، اس کا فانی ہونا، اس کا ناقص اور معیوب ہونا، اس کا کمتر اور حقیر ہونا، اس کی دوڑ میں آدمی کے ہاتھ حسرت کے سوا کوئی چیز نہ آنا، اس کے مزوں کا کرکرا پن ...... سب کچھ بار بار ذہن میں تازہ کرو۔
- آخرت کی بابت سوچنا تو ہر وقت کا معمول بنا لو۔ آخرت کس طرح روز بروز قریب آ رہی ہے، اس کا آ جانا کس قدر یقینی ہے، اس کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باقی رہنا کیسی زبردست بات ہے، اس کی پائیداری کیسی دلکش ہے، اس کی وسعت کیسی بے اندازہ ہے، اس کی نعمتیں کیسی پر لطف ہیں، اور اس کی صحبتیں کیسی اعلیٰ ہیں، سب وہ باتیں ہیں جو بار بار سوچ میں آنی چاہئیں۔
- موت کا بکثرت تذکرہ کرو اور سنو۔ کسی جنازے کو جاتے ہوئے بڑے غور سے دیکھو، اور یہ دیکھ کر کہ تمہارے پاس ابھی وہ موقعہ باقی ہے جو اس شخص کے پاس

نہیں رہا جو ابھی قبر میں جا اترے گا اور یہ کہ یہ مردہ جس چیز کی تمنا کرتا ہوگا، یعنی یہ کہ اسے ایک بار یہاں واپس آنے دیا جائے تاکہ وہ سچے دل سے توبہ کر جائے، یہ موقعہ تمہیں ابھی پوری طرح حاصل ہے...... یہ دیکھ کر تم وہ کام کر لو جو وہ مردہ اس وقت نہیں کر سکتا۔ سچے دل سے تائب ہو جاؤ، خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو ازسرنو جوڑو، زندگی کے اہداف اور ترجیحات کا ایک بار پھر جائزہ لے لو۔ تمہارا وہ رشتہ جو دنیا کے ساتھ ہے اور وہ رشتہ جو آخرت کے ساتھ ہے اس پر پھر ایک نظر ثانی کر لو.. قبل اس کے کہ جس طرح کسی کا جنازہ آج تمہیں ایک پیغام دے رہا ہے تمہارے اعمال نامے بند کر کے دھر دیے جائیں اور 'تم' کسی کیلئے پیغام بن جاؤ۔ قبرستان میں گاہے بگاہے جاتے رہنا اور وہاں پر تنہائی کے کچھ لمحات گزارنا بھی تمہیں زہد کے بہت سے اسباق یاد کرا دینے کا باعث ہو سکتا ہے۔

- اپنے گھر میں ہو یا کسی عزیز کے گھر میں آنا جانا ہو، تو ذرا ان بھلی صورتوں کو ذہن میں لانے کی کوشش کرو جو ان گھروں میں رہتے تھے مگر اب نہیں رہتے! اپنے آباء کو تصور میں لاؤ جو یہاں بسا کرتے تھے مگر اب ان کا صرف 'ذکر' ہوتا ہے۔ کچھ بھی یہاں سے ان کا ساتھ نہ دے سکا سوائے ان 'اشیاء' کے جن کو ساتھ لے جانے کیلئے باقاعدہ 'تیار' کیا گیا تھا، باقی سب یہیں پڑا ہے۔ اس گھر کی کونسی چیز تھی جو ان کو پیاری نہ تھی؟ لیکن حق یہ ہے کہ اصل جو چیز ان کو 'پیاری' تھی وہ تو وہ ساتھ لے گئے ہیں! 'وہ' چیز انہوں نے یہاں کب چھوڑی ہے؟! 'اپنی' چیز کو کسی دوسرے کیلئے کون چھوڑتا ہے؟! ہو سکتا ہے تم دیکھو کہ وہ کچھ بھی یہاں سے لے کر نہیں گئے سب کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ حالانکہ ہو سکتا ہے وہ خوش قسمت یہاں سے بہت کچھ لے گئے ہوں اور جو تم یہاں 'بچا ہوا' دیکھ رہے ہو وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ہو! یہ سوچتے ہوئے، پھر ذرا وہ وقت ذہن میں لاؤ جب تمہاری جگہ یہاں گھر کا حساب کرنے اور یہاں کی چارپائیوں پر کچھ دن کیلئے سونے کو کوئی اور بیٹھا ہوگا اور تم اپنے 'اصل' سامان اور 'اصل' پونجی کے ساتھ

کہیں اور ہو گے......! 'زہد' دراصل ایک 'پونجی' بنانے ہی کا نام ہے، وہ 'پونجی' جو تمہارے ساتھ یہ جہان پار کر کے اگلے جہان جا سکتی ہے اور جس کو لوگ تمہارے بعد 'یہاں' بانٹتے نہیں پھریں گے!!! پس جب تم ان خطوط پر سوچنا اپنا معمول بنا لو گے تو 'زہد' کی بہت سی دولت تمہارے ہاتھ آنے لگے گی۔

- ہر وہ چیز جو تمہارے ہاتھ میں ہے، خواہ وہ کتنے بھی اعلیٰ معیار کی ہے، اس کو زوال کی آنکھ سے ضرور دیکھو، اور صبح شام یہ 'مشق' کرو۔ بے شک کسی محل میں رہو، نہایت اعلیٰ گاڑی استعمال کرو، مگر دن میں ایک آدھ بار اس کو اس نظر سے ضرور دیکھو کہ اس محل اور اس کے باسی کا ساتھ چند گھڑیوں کا ہے پھر یہ کسی اور کے پاس ہو گا، اور یہ کہ یہ نہایت خوبصورت گاڑی اور یہ سوار ہمیشہ اکٹھے نظر نہیں آئیں گے۔

دنیا کی نعمتوں کو زوال کی آنکھ سے دیکھنا 'زہد' کی افزائش کا ایک یقینی نسخہ ہے۔ دوسری جانب دنیا کو خلود کی آنکھ سے دیکھنا 'دنیا پرستی' کا یقینی سبب ہے۔

ایک خدا شناس آدمی جو اپنی حلال کمائی سے حاصل ہونے والے محل میں رہتا ہے مگر اپنے اس محل کو 'زوال' کی آنکھ سے دیکھنے کا اس نے شعور پا رکھا ہے اور اس وجہ سے آخرت ہمیشہ اس کی نگاہوں کے سامنے رہتی ہے اور خدا کی حدیں اس کی نگاہ سے کسی وقت روپوش نہیں ہوتیں...... بلا شبہ یہ شخص 'زاہد' ہو سکتا ہے۔

جبکہ ایک آدمی جو جھونپڑی میں رہتا ہے مگر اپنی اس جھونپڑی کو 'زوال' کی آنکھ سے دیکھنے کے شعور سے عاری ہے اور جب بھی اس کو دیکھتا ہے 'خلود' کی آنکھ سے دیکھتا ہے، نہ اسے لگتا ہے کہ یہ دنیا کہیں جانے والی ہے اور نہ وہ اس حقیقت پر صبح شام غور کرتا ہے کہ عنقریب یہاں آخرت کا بازار لگ جانے والا ہے، اور 'خدا کی حدیں' تو اس کی بلا سے سوچنے کی چیز تک نہ ہوں...... یہ جھونپڑی میں رہنے والا شخص ہو سکتا ہے آخری درجے کا 'دنیا پرست' ہو۔

زہد یہ ہے کہ دنیا آدمی کے دل میں اپنی وقعت کھو دے، اور اس کی جگہ پر آخرت دل میں گھر کر لے۔ زہد یہ ہے کہ آخرت کی طلب غالب آنے کے سبب، آدمی کا دل کوئی بھی 'تکلف' یا 'تصنع' کیے بغیر دنیا سے نکل آئے؛ یعنی آخرت کی طلب دل پر اس طرح وارد ہو کہ دنیا آدمی کیلئے کوئی بڑی بات نہ رہ جائے، مل گئی تب اور نہ ملی تب۔ یہ 'عدم تکلف' اور یہ 'بے پروائی' سمجھو 'زہد' کی اصل جان ہے۔

پس یہ نہایت مفید ہوگا کہ:

- سب کچھ جو تمہارے ہاتھ میں ہے، خواہ وہ تمہارا گھر ہے، یا تمہاری سواری، یا دولت، یا رتبہ، یا حسن، یا تن درستی.. اس پر ایک نظر شکر کی ڈالو اور پھر ایک نظر زوال کی......اور مقدور بھر اس کا اعادہ کرتے رہو۔

- پھر، وہ سب کچھ جو تمہیں نہیں ملا اور تم اوروں کو ان نعمتوں سے محظوظ ہوتا دیکھتے ہو، اس پر ایک نظر استغناء کی ڈالو، ایک نظر صبر اور عفت کی ڈالو، اور ایک نظر حسد یا منفیت کی بجائے اس شخص کے لئے نیک خواہشات کی ڈالو، اور ایک نظر زوال کی......اور حسب مقدور یہ عمل دہراؤ۔

'نظر' کی یہ ریاضت جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی 'زہد' کی نعمت خالص سے خالص ہو کر تمہاری زندگی میں ظاہر ہونے لگے گی۔

- دنیا کی کوئی کامیابی حاصل ہو جائے تو اس کو خدا کا فضل بھی سمجھو اور آزمائش بھی۔ اس موقعہ پر سلیمان علیہ السلام کے لفظ یاد کرو:

هَـذَا مِـن فَـضْـلِ رَبِّـي لِيَبْـلُـوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (النمل:۴۰)

''یہ میرے پروردگار ہی کا فضل ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار بے پروا (اور) کرم کرنے والا ہے''

دوسری جانب، دنیا کی کوئی چیز ملنے سے رہ گئی تو یہ ذہن میں لاؤ کہ خدا نے تمہارا بوجھ نہیں بڑھنے دیا اور یہ کہ یہ اُس حکیم کا منصوبہ ہے جو مطلق علم رکھتا ہے اور تمہاری مصلحت سے تم سے بڑھ کر واقف ہے.. اور یہ بھی کہ یہ دنیا تمہیں نہیں ملی تو تم سے نہایت افضل ہستیوں کو بھی نہیں ملی تھی اور بڑے بڑے اولیاء وصالحین ایسے گزرے جن کو دنیا نہ دی گئی تھی، اس وجہ سے نہیں کہ وہ لوگ خدا کی نگاہ میں کوئی بڑی اہمیت نہ رکھتے تھے تو خدا نے ان کو دنیا نہیں دی بلکہ اس لئے کہ دنیا خدا کی نگاہ میں کوئی بڑی اہمیت نہ رکھتی تھی اور شاید اس کو ان کے قابل نہ جانا۔

- قرآن میں گہرا اترنا، مجالسِ علم وذکر، صالحین کی صحبت، علم پر محنت، علماء وصلحاء کی سوانح کا مطالعہ......سب کچھ زہد کے اندر ترقی پانے میں مدد ہوگا۔ مگر اس بات کی اہمیت اس باب میں محض 'مدد' ہونے سے بڑھ کر ہے۔ اس سے پہلے، زہد کی حقیقت کا سمجھ آنا ہی دراصل اس پر منحصر ہے کہ حقیقت اور حکمت کے ان سرچشموں تک آدمی کی خوب رسائی ہو۔

- کثرت سے صدقہ خیرات کرنا، غریبوں کے ہاں آنا جانا رکھنا، یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، بیواؤں کے حالات سے باخبر رہنا۔ بے گھروں سے ملتے رہنا، کچی بستیوں سے بکثرت گزرنا اور وہاں لوگوں کو بہت قریب سے دیکھنا، بیماروں کی تیمارداری کرنا، ہسپتالوں میں جانا اور مصیبت زدہ لوگوں کو نہایت غور اور ہمدردی کے ساتھ دیکھنا,, ان سب اصناف کے ساتھ جہاں تک ممکن ہو وقت گزارنا اور اس سارے عمل کے دوران عبرت کی آنکھ کھلی رکھنا۔

- عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: انظروا إلیٰ من أسفل منکم ولا تنظروا إلیٰ من ہو فوقکم فہو أجدر أن لا تزدروا نعمۃ اللہ

(صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق)

روایت ابوہریرہؓ سے، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

''دیکھو اس کی طرف جو تم سے نیچے ہے اور مت دیکھو اس کی طرف جو تم سے اوپر ہے، ایسا کرنے سے نہایت ممکن ہے کہ تم خدا کی نعمت کو کم وقعت نہ جاننے لگو''۔

- کھانا، پینا، سونا، ہنسنا اور مذاق دل لگی وغیرہ کم کر لینا بھی زہد کے بڑھنے اور عزم الامور کے اختیار کیا جانے میں نہایت مددگار ہوگا، علمائے قلوب کے ہاں اس کی بکثرت تاکید پائی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

زہد، جیسا کہ پیچھے ایک حدیث کے ضمن میں ہم دیکھ آئے ہیں، ایک ایسی زبردست چیز ہے کہ اسے پا کر آدمی خدا کے ہاں بھی پسندیدہ ہوتا ہے اور انسانوں کے ہاں بھی۔ یقین رکھو، تم اس راہ کو اپنے لئے اختیار کر لیتے ہو تو یہ دو جہانوں کی سرخروئی ہے......

یہ ایک ایسی عجب دنیا ہے کہ اسے بے وقعت جانو تو تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے! اسے حرص کے ساتھ دیکھو اور اسے فی نفسہٖ مطلوب جانو تو یہ تمہیں بے وقعت جاننے لگے گی! تمہیں تعظیم دے گی تو وہ جھوٹی تعظیم ہوگی اور وہ تعظیم دراصل تمہاری نہ ہوگی اس کی اپنی ہی کسی چیز کی ہوگی جو تمہارے آس پاس پائی جائے گی خواہ وہ مال ہو یا اقتدار؛ اور تم خوامخواہ 'اپنی' اس تعظیم پر خوش فہمی میں مبتلا رہو گے؛ جونہی وہ چیز تمہارے پاس سے نکل کر کسی اور کے پاس چلی جائے گی، تو پھر تم اس کی بلا سے گویا یہاں پائے بھی نہیں جاتے!

دراصل یہ اپنی وقعت خود جانتی ہے لہٰذا جو اِسے وقعت دے سب سے پہلے وہی اِس کی نگاہ میں بے وقعت ہو جاتا ہے، بے شک وہ اِس کی جھوٹی مسکراہٹوں سے کچھ دیر فریب کھاتا رہے۔ ایک ایسی بدصورت دلہن کی طرح جو اپنے لئے پیغام لانے والے کی 'پھوٹی قسمت' سے سب سے بڑھ کر واقف ہے مگر اس کے 'انتخاب' پر داد دینا اس کی مجبوری ہے!

اگلا جہان، جو کہ ایک حقیقی جہان ہے، البتہ اس سے برعکس ہے۔ اُس کو وقعت نہ دو تو اُس کی نگاہ میں تمہاری کوئی وقعت نہیں۔ کیونکہ اُس کو پانا اُسکی نہیں تمہاری مجبوری ہے۔ وہ تو تمہیں کسی بھی قیمت پر مل جائے تو تمہاری خوش قسمتی ہے!!! بے شک تم آخرت کے بہت سارے کام بھی کیوں نہ کرتے ہو اور اس کو پانے کی اپنی زندگی

میں گا ہے بگا ہے بات بھی کیوں نہ کر لیتے ہو، اگر اُس کو ہر چیز سے بڑھ کر دل میں وقعت نہیں دیتے تو تمہاری کوئی وقعت وہاں ہے ہی نہیں۔ وہاں تعظیم پانا چاہو تو سب سے پہلے اُس کی شرط ہی یہ ہے کہ اُس کو دل میں وہ مقام دو جو اُس کے لائق ہے۔ وہ چاہیے تو پھر اُسی کو دل میں رکھو......

ایک نہایت اونچے گھر کی دوشیزہ جو نہ تو حسن میں اپنا جواب رکھتی ہو اور نہ ثروت میں اور نہ وفا میں اور نہ سچی اداؤں میں، اپنے لئے پیغام لانے والے اس شخص کو کیسے قبول کر لے جو، راستے میں ایک کالی بھکارن پر للچائی ہوئی نظریں ڈالتا آیا ہے اور واپسی میں ویسی ہی کسی ہرجائی کیلئے غزلیں پاس رکھتا ہے؟!!! ایسے شخص کی تو یہ جسارت، کہ وہ 'رشتہ' مانگنے یہاں چلا آیا ہے، معاف ہو جائے تو بڑی بات ہے!!!

جب کبھی خدا کے آگے اس کے دائمی فضل کیلئے ہاتھ پھیلاؤ اور اس کیلئے نماز پڑھنے گھر سے نکلو، یہی بات پیش نظر رکھو!!!

چونکہ آخرت کا جہان ایک حقیقی جہان ہے نہ کہ فریب کا گھر؛ تو جو تعظیم تمہیں وہاں ملے گی وہ حقیقی بھی ہے اور دائمی بھی۔ بس یہ سمجھ لو، وہاں جو چیز تمہاری ہے پھر وہ تمہاری ہی ہے!!!

(اس مضمون میں اقوال و آثارِ سلف کے نقولات کے سلسلہ میں
"کن من الزاھدین" مؤلفہ امیر بن محمد المدری یکے از مشائخ یمن
پر انحصار کیا گیا ہے)

یہ مضمون علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں دستیاب ہے

خوش بختی کا راز:

علم اور عزم

لاکھ لاکھ شکر اس ذات کا جس نے ہم کو یہ موقعہ دیا اور توفیق بھی کہ جیتے جی یہیں اِسی زندگی میں اُس کی پہچان کر جائیں۔ اُس سے متعارف ہونا.. اُس سے یہیں واقف ہو کر جانا.. اُس سے معرفت پا کر دُنیا چھوڑنا.. اور اُس سے آگاہی کی حالت میں موت پانا.. اِس سے بڑی بھائیو کوئی نعمت نہیں۔

کتنے ہیں جو یوں ہی یہاں جان سے گزر جائیں گے اس حال میں کہ اُس کو پہچان تک نہ پائے ہوں۔ خدا بھائیو بدقسمتی سے بچائے۔ بہتیرے ہیں جو اس جہان سے جا کر ہی کائنات کے مالک سے پہلی بار آشنائی پائیں گے۔ ایک اتھاہ حیرانی اور پشیمانی یوں ان کا مقدر بنے گی۔ یکا یک یہ اُس ذات سے آگاہی پائیں گے جس کی شرط یہ تھی کہ وہ اُس سے یہاں واقف ہو کر اُس کے ہاں پہنچیں اور عمدگی سے تیار ہو کر اور بندگی کے ساتھ سج کر اُس کے پاس آئیں۔ جس نے یہ تھوڑا سا وقت دیا ہی اسلئے تھا کہ یہاں اُس کی اچھی طرح پہچان کر لیں تو پھر یہ دُنیا چھوڑیں۔ بدبختی کی بات، جہاں اُس کو ماننا تھا وہاں یہ اُس کو مان کر دینے کے نہ ہوئے۔ اب وہاں جائیں گے تو اُس کو خوب پہچانیں گے۔ خوب مانیں گے۔ پر بدقسمتی۔ اِن کا اُس عظیم ذات کو تب جاننا اور یوں اُس وقت جا کر اُس مہربان سے متعارف ہونا ایک خوش نما واقعہ ہونے کی بجائے

خوفناک اور جان لیوا حادثہ ہوگا۔ اندازہ تو کریں، ارحم الراحمین کا سامنا ہونے کا وقت ہو، ادھر آدمی کو اس ملاقات پر کوفت ہو!

مَنْ أحبَّ لقاءَ اللّٰهِ أحبَّ اللّٰهُ لقاءَہ، ومن کَرِہَ لقاءَ اللّٰهِ کرہ اللّٰهُ لقاءَہ (رواہ مسلم)

''جس کو اللہ سے ملنا محبوب ہو، اللہ کو اس سے ملنا محبوب ہوتا ہے۔ جس کو اللہ سے ملنا ناگوار ہو، اللہ کو اس سے ملنا گوار ہوتا ہے''!

وہ ذات جو حسن اور راحت اور لطف کی خالق ہے اور جس نے انسان میں قدرت، لذت اور حسنِ ذوق کو وجود دیا.. اس سے ملنے کا وقت تو آئے پر عین اس وقت آدمی حسرت اور افسوس اور ندامت کے سمندر میں غرق ہو! زندگی کو عدم سے وجود میں لانے اور پھر اس کو رنگوں، خوشبوؤں، خوشیوں اور مسکراہٹوں سے بھر دینے والی ذات کا سامنا کرنے سے آدمی کی جان جاتی ہو اور آدمی اس کو ایک ناگوار اور ناگہانی حادثہ جانے!

پر صاحبو ایک بڑی خلقت کے ساتھ یہ حادثہ تو روز ہوتا ہے۔ یہ بھیانک حادثہ بہتوں کا نصیب بنتا ہے۔ قبروں کے نیچے یہ جو ایک دُنیا بسی ہے خدا ہی جانے کس پر یہاں کیا گزری ہے۔ استغفر اللہ۔ اس سے ہولناک حادثہ کوئی نہیں۔ بے سوچے انسان وہاں پہنچ جائے جہاں سوچنا وبال جان ہو۔ سوچنے کا وقت گزر جائے تو سوچنا ہی عذاب بن جاتا ہے۔ جو چیز کسی وقت مداوا ہو سکتی تھی اب وہی عذاب کی ایک صورت۔ حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل ۔ کسی کو زبان ملے تو وہ ضرور ہم دُنیا والوں کو آکر بتائے۔ پر اس پردہ کا کھلنا خدا کو منظور ہو تو وہ مردے کو زبان ملنے پر ہی کیا موقوف؟ اس کی تو پھر ہزار صورتیں تھیں۔ یہ پردہ پڑا رہنا، جب تک کہ انسان زمین پر بستے ہیں، البتہ اس ذات کی اپنی ہی مشیئت ہے۔ یہ 'پردہ' ہی تو آزمائش ہے۔ مگر جہاں یہ آزمائش ہے وہاں یہ ہم کمزور گنہگار انسانوں کا سہارا بھی بنا ہے۔ اسی کی اوٹ تو ہے جو ہم ناتوانوں کی قصور واریوں کا بھرم

رکھے ہوئے ہیں۔ اسی کے دم سے یہ ممکن ہو پاتا ہے کہ عبادت کے یہ کچھ تھوڑے سے کام اور بندگی کی یہ محدود سی محنت اس انسان کو کفایت کر جائے۔ یہ 'پردہ' اٹھ جائے اور پھر کہیں اُس کی عبادت کرنی پڑے تو وہ عبادت بس یونہی اور اتنی سی تو نہ ہوگی! اُس سے ابھی جتنا ڈر کر رہا جا سکتا ہے 'پردہ' اٹھ جائے تو کب یہ آدمی کو کفایت کرنے والا ہے!؟ گناہوں پر بخشش مانگنے کی یہاں گنجائش اور آسائش ہے تو وہ اسی سبب سے تو ہے۔ یہ 'غیب' نہ رہے تو کیسی معصیت اور کیسی مغفرت......اور کیسی مہلت؟؟؟!!

اُدھر اُس مہربان کو دیکھو۔ وہ خوش ہی اس بات سے ہوتا ہے کہ مٹی کا یہ پتلا 'غیب' کی اِسی اوٹ میں اور مٹی کے اِسی فرش پر اُس کو کچھ سجدے کر سکے تو کرے۔ کوئی اُس کو پوجے تو یہاں چار دن اُس کو بن دیکھے ہی پوجے۔ اُس کو پانا چاہے تو اِس نفس کو ہی پاکیزگی دلائے، کہ دل کی آنکھ سے دیکھ سکے۔ نفس پہ میل چڑھنا اس آنکھ کی دھند ہے۔ یہ دھل جائے تو دل کی آنکھ خوب دیکھتی ہے۔ یہاں اُس کو دیکھا جا سکتا ہے تو اِسی دل کی آنکھ سے اور عقل کی بینائی سے۔ یہ اُس ذات کی اپنی ہی پسند ہے کہ جب تک 'دیکھنے' کا وقت نہیں آجاتا آدمی کوئی چار دن اُس کو اِسی طرح دیکھے۔ صحیفوں میں ہی اُس کا ذکر پا کر اپنی نگاہوں کو شاداب کرے۔ نبیوں سے ہی اُس کی حقیقت دریافت کرے اور ذوق یقین سے ہی اُس تک پہنچے۔ عقل سے ہی اُس تک رسائی پائے۔ کائنات سے ہی اُس کی عظمت کے دلائل، اُس کی وحدانیت کے شواہد اور اُس کے لائق بندگی ہونے کے ثبوت اکٹھے کرے۔ بن دیکھے ہی اُس سے ڈرے اور مقدور بھر اُس کا فرمانبردار رہے۔ جہاں کوتاہی ہو وہاں بخشش کا سوال کر لیا کرے!!!

البتہ یہ کہ آدمی اُس کو دیکھے تو تب جا کر ڈرے......اُس کو سامنے ہی پائے تو تب پوجے...... یہ مادیت ہے۔ ایسا سجدہ کرانا دوستو اُس شان بے نیازی کے مالک کو آپ ہی اپنے لئے پسند نہیں۔ کوئی اِس انتظار میں بیٹھا ہے تو اپنی ذات کیلئے بدبختی سمیٹتا ہے۔ اِس سے بڑا خطرہ کبھی کسی نے مول نہ لیا ہوگا!

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ

(السجدۃ:۲۹)

''کہو! معاملہ کھلنے کے دن، کفر کرنے والوں کو اُن کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا، اور نہ اُن کو کوئی مزید وقت دیا جائے گا''!

وہ اپنے لئے بہترین چیز پسند کرتا ہے۔ اس کو یہی پسند ہے کہ پردۂ غیب میں ہی وہ کسی کا مطلوب ہوتو ہو۔ بن دیکھے یہ وہ کسی کا مقصود ہوتو ہو۔ یہاں ایک امیر کبیر صاحبِ سطوت کو کب جھک جھک کر سلام نہیں ہوتے؟ ایک صاحبِ فضل پاس آئے کو کون نہ پوچھے گا!؟ پھر خالق اور مخلوق میں فرق ہی کیا ہوا؟! چڑھتے سورج کو تو یہاں سب سلام کرتے ہیں۔ یہی تقاضا خدا سے ہو، اس سے بڑھ کر دوستو جہالت کیا ہوگی؟!

سو کوئی بن دیکھے ہی اُس کی طلب کر سکے تو کرے۔ وہ اپنی پسند کا آپ مالک ہے۔ وہ تو دن سے بھی بڑھ کر رات کے سجدوں کو پذیرائی بخشتا ہے۔ اندھیری رات میں اور تنہائی کی خاموشی میں اور دل کی گہرائی سے انسان اُس کو آواز دے اور آہستگی سے پکارے تو وہ خوب سنتا ہے۔ مخلوق سے چھپ کر اُس کی تعظیم میں کوئی ایک آنسو گرے تو اُس کی نگاہ میں انسان کے ہاں پایا جانے والا یہ سب سے قیمتی موتی ہے۔ چشم کا اس کی محبت میں تر ہو جانا اس کو دنیا و مافیہا سے عزیز تر ہے۔ خوف اور امید کے بیچ عاجزی سے اٹھے ہوئے ہاتھ اُس کے ہاں سب سے بڑھ کر قدر پاتے ہیں۔ بن دیکھے اس کی چاہت ہوتو اس کا بدلہ وہ خلد کی نعمتوں سے تو جو دے گا سو دے گا...... کہ جانتا ہے انسان آخر انسان ہے اور انسان کی ضروریات فرشتوں کی ضروریات سے سدا مختلف رہیں گی خواہ وہ عالم دنیا ہو یا عالم آخرت......سو یہ خلد کو نعمت تو اپنی جگہ مگر 'غیب' میں پوجا جانے کا صلہ وہ مہربان 'خود' ہی بن جاتا ہے۔ اس سے بڑا دوستو کیا انعام ہوسکتا ہے؟ اس مخلوق کی یہ قسمت! اس لطف کی دوستو کوئی حد

نہیں۔ یہ بڑھتی ہی رہنے والی لذت ہے۔ یہ وہ لذت ہے جو قرآن میں ''مزید'' کے عنوان سے ذکر ہوئی ہے:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَن بِالْغَيْبِ وَجَاء بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ لَهُم مَّا يَشَاؤُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ (ق:۳۳۔۳۵)

''وہ جو بے دیکھے رحمٰن سے ڈرتا تھا، اور جو دلِ گرویدہ لئے ہوئے آیا ہے.. داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ۔ وہ دن حیات ابدی کا دن ہوگا۔ وہاں ان کیلئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس 'مزید' بھی ہے''

☆☆☆☆☆

دوستو خدا کا لاکھ لاکھ شکر جس نے ہمیں یہ موقعہ دیا اور توفیق بھی کہ جیتے جی ...... یہیں اسی زندگی میں اُس کا تعارف کر جائیں اور یہیں پر اُس سے آشنائی پائیں۔

اُس کو جاننے کا صاحبو بس یہی موقعہ ہے۔ موقعہ دوبارہ آنے کا تو خیر سوال ہی نہیں۔ بس یہ دیکھو موقعہ کب تلک رہتا ہے۔ اُس ذات سے آشنائی کا یہی وقت ہے، یا یوں کہیے اُس سے آگاہ ہونے کے وقت تو اور بہت آئیں گے مگر اُس سے آگاہ ہونے کا فائدہ بس اب ہے۔ دنیا کے کام دھندوں اور بکھیڑوں نبیڑوں کا بھی اگر یہی وقت ہے تو اُس کی جانب رخ کرنے کا بھی بس یہی موقعہ ہے! بات یہ ہے کہ کچھ بھی 'کرنے' کا یہی وقت ہے...... یہی تھوڑا سا وقت ...... بلکہ کیا معلوم تھوڑا بھی نہ ہو۔ پھر تو راحت اور آرام کا وقت ہے اور یا پھر سدا پچھتانے کا۔ کیا اس 'سدا' کا مطلب ہم نے کبھی سوچا ہے؟ بھائیو یہ بہت ہی خوفناک لفظ ہے۔ 'ابد' یعنی ہمیشگی ...... یہ بہت ہی امید افزا لفظ ہے اور بہت ہولناک بھی!!!

ہمیشہ کا آرام، یا ہمیشہ کا پچھتاوا...... کچھ کرنے کا وقت البتہ ابھی ہے!!! ویسے ہر انسان کچھ نہ کچھ واقعتاً کر بھی رہا ہے۔ یہاں کوئی بھی فارغ نہیں، قطع نظر اس سے کہ

کون کیا کر رہا ہے۔ کوئی یہاں موتی اور پھول چنتا ہے۔ کوئی خاک چھانتا ہے۔ البتہ 'فارغ' یہاں کوئی نہیں۔ ہر کسی کو اپنا کام نمٹانا ہے، چاہے وہ کوئی فضول کام ہے یا کام کا کام۔ وقت ہے جو جا رہا ہے۔ اجل ہے جو آ رہی ہے۔ بس حسرتیں رہیں گی۔ جو یہاں نمٹ نہ سکا انسان کا بس چلے تو وہ ساتھ اٹھا لے مگر ہر چیز کی کوئی خاص جگہ ہے۔ کسب کیلئے یہی دنیا ہے۔ نیک بختی یا بدبختی، کمائی کا یہی جہان ہے۔ 'کمانے' کا وقت محدود اور 'کھانے' کا وقت لامحدود! اگلا جہان واقعی بڑا عجیب ہے!

پس ہر شخص ہی یہاں کمائی کر رہا ہے۔ 'کمائی' کا تعین اصل بات ہے اور بہت کم لوگ درست طور پر یہ تعین کر پاتے ہیں، ورنہ 'کمائی' ہر شخص کرتا ہے۔ 'بے روزگار' کوئی نہیں۔ اِس دنیا کے حساب سے کوئی بے روزگار ہو تو ہوا گلے جہان کے حساب سے یہاں کوئی بے روزگار نہیں۔ ہر شخص یہاں برسر روزگار ہے! کمال یہ کہ اپنے روزگار کا تعین بھی وہ خود کرتا ہے۔ ہر آدمی ہی اپنی پسند اور ذوق اور معیار کا بہترین مظاہرہ کرنے کا یہاں خوب موقعہ پاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ہر آدمی ہی اپنی پسند اور معیار اور ذوق کا مظاہرہ کرنے کے بعد یہاں سے جاتا ہے!!!

کوئی جب تک یہاں خدا کو اپنا آپ اور اپنی حیثیت دکھا نہیں لیتا، تب تک کہاں وہ دُنیا چھوڑتا ہے؟! اور خدا کو انسان کی حیثیت دیکھنے میں وقت ہی کب لگتا ہے؟! یہ 'موقعہ' تو، جو اِس کو اپنا آپ دکھانے کیلئے ملا، انسان پر محض اُس کی مہربانی ہے!

یہاں ہر آدمی ہی اپنا مدعا سنانے کی پوری مہلت پاتا ہے۔ ہر آدمی ہی خدا کو بتانے کیلئے 'کچھ' وقت پاتا ہے کہ وہ چاہتا ہے تو کیا چاہتا ہے اور اگر وہ سرگرم ہوگا تو کس بات کیلئے اور سعی کرے گا تو کس چیز کی۔ یہ اُس کا عدل ہے: ہر آدمی عملاً خدا کو اپنی پسند بتائے۔ ہر آدمی زبانِ حال سے بولے اور کچھ برس یا کچھ عشرے مسلسل خدا کو اپنی پسند بتائے اور اپنا فیصلہ سنائے۔ اپنے اپنے ظرف کے بقدر ہر آدمی یہاں خدا کو بتلاتا ہے کہ وہ کس قابل ہے۔ کس سعی کیلئے پیدا ہوا ہے اور وہ عدل اور رحمت کا مالک اِسے دے تو کیا دے!!!

سو بھائیو ہم یہاں آئے ہیں کہ اپنے ذوق کا اعلیٰ ترین مظاہرہ کریں اور خدا سے وہ ہمیشگی کا جہان مانگیں جہاں اُس کا قرب اور اُس کی مجاورت ملتی ہو۔ اور اپنی اِس طلب میں سچا ہونے کا مقدور بھر ثبوت دیں۔ وہ ملے تو سب کچھ کا ملنا آپ سے آپ یقینی ہے۔ اُس کو پانے کا یہی وقت ہے۔ بلکہ کچھ بھی پانے کا وقت اب ہے، کہ کچھ بھی کرنے کا موقع اب ہے۔ اپنے من کی مراد منہ پر لانے کا وقت اب ہے، جو چاہو مانگ لو۔ اپنی ترجیحات بتانے کا وقت یہی ہے، جو چاہو چن لو۔ اپنا ٹھکانہ بنانے کا یہی موقعہ ہے، جو چاہو اختیار کر لو۔ قسمت بنانے کو یہی جہان پیدا ہوا، سنوار لو یا پھر بگاڑ لو۔ قابلیت کا کوئی جوہر ہے تو اس کو ابھی سامنے لاؤ۔ ہمیشگی کے جہان میں جس گھر پر ہمت کر کے یہیں سے ہاتھ رکھ دو وہ تمہارا! پر یہ ہاتھ رکھنے کا وقت اب ہے پھر نہیں! بس یہ صلاحیت پا لو کہ اس جہان میں بیٹھو تو اُس جہان کے گھر پہ نظر ہو۔ اُس جہان کی طلب کرنے کو ہی تو یہ مختصر سا جہان پیدا ہوا! ابد کی تمنا زبان پر لانے کیلئے ہی تو پلک جھپک برابر یہ وقت ملا! وہ ذات ہمارے تصور سے بھی بڑھ کر فیاض اور مہربان ہے، اُس کی شرط بس اتنی ہے کہ آدمی ہمہ تن گوش ہو اور اپنے رخ کی ساری توجہ اُسی کی جانب پھیر دے۔ اِس کے بعد پھر اُس کو جو سناؤ وہ سنتا ہے اور جو مانگو وہ دیتا ہے:

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرۃ:۱۸۶)

''میں جواب دیتا ہوں پکارنے والے کا، جب بھی وہ مجھے پکارے! پس چاہیے وہ میری سنیں اور مجھ پر ایمان رکھیں، تا کہ بھلائی پائیں!!!''

دوستو یہاں چار دن انسان ___ آزادانہ ___ اپنی طلب بتانے اور اپنا مدعا سنانے ہی تو آتا ہے۔ یہ تو اِس کی سمجھ کا امتحان ہے۔ یہ اِس کے ذوق کا اختیار ہے۔ یہ اِس کی عقل کی آزمائش ہے۔ اِس کا ظرف دیکھنے کا بس یہی موقعہ ہے۔ اِس

کے عزم کا بس یہیں پتہ چلنا ہے۔ یہی لمحہ تو ہے کہ آدمی دکھا دے وہ کس قابل ہے! یہ کل چار روز ہیں، تو اس کی رحمت ہے کہ امتحان دراز نہیں، مگر اپنے مطلوب اور مقصود کا تعین کرنے کا یہی وقت ہے۔ سوال کرنے کا یہی موقعہ ہے اور سوال میں سنجیدگی لانے کا بھی یہی وقت ہے۔ زہے نصیب کہ آدمی کا مطلوب وہ ذات ہو جو ملے تو سب کچھ ملتا ہے!

صاحبو! کوئی انسان بھی اپنے لئے بدبختی نہیں چاہتا، اِس میں کیا شک ہے، مگر بھول میں رہنا جیسے آدمی کی مجبوری ہو! اِس کا ستیاناس ہو، یوں سمجھو یہ بھول ہی بدبختی ہے۔ یہی کم بختی کا دوسرا نام ہے۔ یہ نہ ہو تو ہمیشہ ہمیشہ کی بدبختی سے بچنے کو کون ہے جو ہاتھ پیر نہ مارے؟ خوشی خوشی بربادی کی جانب آدمی اس بھول میں ہی تو بڑھتا ہے! غفلت سے خطرناک کوئی چیز نہیں۔ کچھ کرنا ہے تو ابھی کرنا ہے۔ اس 'ابھی' سے آدمی دستبردار ہوا نہیں اور اپنے کام سے گیا نہیں!

بھائیو! یہ لمحہ جو ہمیں 'ابھی' حاصل ہے اس کی قیمت کا اندازہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ایک لمحہ آپ کی لاکھوں کروڑوں سالہ زندگی میں اتنا اہم کبھی نہ ہوگا جتنا کہ آج، اب، اِس وقت۔ آپ کو عین اِس لمحے وہ سب کچھ حاصل ہے جس کی ایک مردہ قیامت تک بلکہ قیامت کے بھی بعد ہمیشہ ہمیشہ تلک حسرت کرے۔ صاحبو! کیسی بڑی دولت اپنے پاس ہے جس کو اکثر لوگ روز خاک میں رولتے ہیں۔ ہاتھ پیر تو بھائیو ہر کسی کو مارنے ہیں۔ کوئی آج ہاتھ پیر مارتا ہے کوئی کل مارے گا! قبروں سے کون اٹھنے دے گا؟ زور لگانے کا وقت اب ہے جب ہاتھ پیر چلتے ہیں اور سوچ لینے کا فائدہ ہے۔ دوستو اپنا پورا زور ابھی جس بات پر لگنا ہے ___ جی ہاں 'پورا زور' اور 'ابھی' ___ وہ یہ کہ یہ 'بھول' ہی اپنی قبر نہ بن جائے۔ زندہ ہیں تو پھر جاگتے بھی رہیے!

مثل الذی یذکر ربه والذی لا یذکر ربه مثل الحیی والمیت

(البخاری)

''اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور اس کی مثال جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا، ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ!!!''

بھول ہی بدبختی کا اصل سرا ہے۔ بس یہ نگاہ میں رہے۔ یہ ہرگز روپوش نہ ہونے پائے۔ اِس سے روز خدا کی پناہ مانگو۔ مروائے گی تو بس یہی مروائے گی۔ ہوش برقرار رہے تو انسان ضرور کچھ کر لیتا ہے۔ ہوش گیا تو سب کچھ گیا۔ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔ خطرے کی جڑ یہی ہے۔ بھول ہی اصل بربادی ہے۔ انسان کبھی اپنا بدخواہ نہیں ہوا، بس بھول سے مارا جاتا ہے۔ اصل آزمائش بس یہی ہے۔ دیکھتے جاگتے ہوئے بھلا کون مار کھاتا ہے۔ اتنا کم عقل ہرگز کوئی نہیں۔ عقلمندی تو اصل میں بس ہوش مندی ہے۔ سمجھو امتحان یہی ہے۔ ہوش میں ہر کوئی اپنا بھلا کرتا ہے۔ یہاں جو سویا بس وہ مرا۔ آنکھیں کھلی رکھنے والا خدا کے فضل سے ضرور راہ پائے گا۔

خیر کی طلب خدا نے ہر نفس میں رکھی ہے۔ البتہ خیر کو دیکھنا اور دیکھتے رہنا ضرور ایک معنی رکھتا ہے۔ خیر کو ہر دم نگاہ میں رکھنا اور اس کیلئے باقاعدہ جفاکش رہنا یہ البتہ ایک محنت طلب کام ہے۔ اصل مقابلہ یہیں پر ہونا ہے۔ سب زور اسی پر لگنا ہے یہ بڑے ہی جان جوکھوں کا کام ہے۔ شیطان کا جادو آنکھوں پر ہی چلتا ہے۔ اس کی دوڑ بس یہیں تک ہے کہ وہ بندے کو ہوش میں نہ رہنے دے۔ یہی اس کا میدان ہے۔ وہ 'نشے' کے سب نسخے پاس رکھتا ہے۔ زن، زر، زمین، کھیل تماشہ، شور شرابہ، قبیلہ برادری، ضد، حسد، غضب، فخر، بڑائی، اقتدار...... آدمی کسی بھی 'قبر' میں دفن ہوسکتا ہے۔ کسی بھی گڑھے میں روپوش ہوسکتا ہے۔ ہاتھ پیر ایک جیتا اور جاگتا انسان مارتا ہے۔ آدمی بے حس وحرکت کچھ دیر پڑا رہے تو 'قبر' پوری جانے لگتی ہے۔ یہی زندہ درگور ہونا ہے۔ زندہ رہنے کیلئے بھائیو جاگنا بہت ضروری ہے۔ بے ہوشی موت ہی کی بہن ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُوْنَ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لاَ يُقْصِرُوْنَ

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلاَ اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يِوحَى إِلَيَّ مِن رَّبِّي هَـذَا بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُواْ لَهُ وَأَنصِتُواْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ وَلاَ تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لاَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ (الأعراف:٢٠١-٢٠٦)

''جو لوگ تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں، جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو وہ حالتِ ذکر میں آ جاتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں۔

''رہے ان کے بھائی بند تو وہ (شیطان) ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں۔ پھر وہ (ان کو بہکانے میں) کوئی بھی کمی نہیں چھوڑتے۔

''اور جب تم اُن کے پاس (کچھ دنوں تک) کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے) کیوں نہیں بنا لی؟ کہہ دو کہ میں تو اُسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میرے پاس آتی ہے۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کی جانب سے دانش و بصیرت ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو (اس پر) ایمان رکھیں۔

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو؛ بہت امید ہے کہ تم پر رحم کر دیا جائے۔

''اپنے رب کی یاد صبح شام کیا کر دل ہی دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ۔ اور ان لوگوں میں نہ ہو جا جو نرے غافل ہیں۔

''یقیناً جو ہستیاں تیرے رب کے پاس ہیں وہ اُس کی عبادت سے تکبر

نہیں کرتیں۔ بس اُس کی پاکی بیان کئے جاتی ہیں اور اُس کے آگے ہی جھکی
رہتی ہیں"!

☆☆☆☆☆

پس دوستو خدا کی جانب بڑھنے کیلئے دو چیزوں کی ہر وقت ضرورت ہے: علم اور عزم۔ اُس ذات کو جاننا جو سعادت اور خوش بختی کا منبع ہے، علم کہلاتا ہے اور پھر اُس سے آشنائی پا کر اُس کی طلب کرنا اور اُس تک اُس کی مقرر کردہ راہ سے پہنچنے کا قصد کرنا، عزم کہلاتا ہے۔ اِن دونوں باتوں کو ہر دم تازہ کرنے اور ہر وقت پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔ یہی ایک سالک کا، یعنی خدا کی جانب بڑھنے والے کا، اصل زاد اور اصل سرمایہ ہے۔ منزلت پانا اِسی کے دم سے ہے۔ عمل کا حسن اِسی سے آتا ہے۔ اجر کی مضاعفت اِسی کے بقدر ہوتی ہے۔ دانائی کا سب راز بس اِسی میں پوشیدہ ہے...... خدا کو جاننا اور خدا کو چاہنا، ہوش مندی بس یہی ہے۔

'ذکر' جس چیز کا نام ہے وہ اسی حالت کی بحالی ہے۔ ذکر 'وظائف' کا نام نہیں۔ دانے گننے سے 'تسبیح' کا کیا تعلق؟ اصل بات یہ ہے کہ آدمی ___ خدا کے کلام سے اور اس کے نبیؐ کی زبان سے ___ خدا کی صفات کا علم پائے۔ خدا سے آگاہ ہو۔ اُس کے مرتبہ اور مقام سے آشنائی پائے۔ بندگی پر اُس کا حق جانے۔ غیروں سے اِس حق کی نفی کرے اور یہ جاننے کی کوشش کرے کہ اُس ذات کے لائق جو بندگی ہے وہ کس حقیقت کا نام ہے۔ خدا کے مرتبہ اور مقام کو نگاہ میں رکھنا ہی علم ہے۔ پھر اُس کی چاہت کرنا، اُس کی چاہت کے تقاضے پورے کرنے پر دلجمعی پانا اور اُس کو خوش کرنے کی تدبیر کرنا اور اُس کی خفگی سے بچنے کیلئے پریشان رہنا...... یہ ہمت اور عزم کی بات ہے۔ 'علم' اور 'عزم' عبادت کی جان ہے۔ 'خدا کو جاننے' اور 'خدا کو چاہنے' کے معاملے میں ہر لمحہ انسان پر نئی حالت آتی ہے۔ یہ جب کمزور پڑے تو وہ بھول اور غفلت کا لمحہ ہوتا ہے۔ اس سے اصل حالت میں لوٹ آنا 'ذکر' کہلاتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَواْ إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لاَ يُقْصِرُونَ (الأعراف:۲۰۱-۲۰۲)

''جو لوگ تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں، جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو وہ حالتِ ذکر میں آ جاتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں.. رہے ان کے بھائی بند تو وہ (شیطان) ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں۔ پھر وہ (ان کو بہکانے میں) کوئی بھی کمی نہیں چھوڑتے''

پس 'ذکر' ایک حقیقت کو بار بار دہرانا ہے۔ 'ذکر' ایک بہترین حالت کو ممکنہ حد تک بحال رکھنا ہے۔ مگر یہ 'بہترین حالت' جس چیز کا نام ہے وہ دراصل 'علم' اور 'عزم' سے ہی عبارت ہے۔ جو شخص پہلے اِس حقیقت سے واقف نہیں ہوتا، جو ''خدا کی جانب بڑھنے'' کا آغاز خدا کو ''جاننے'' سے نہیں کرتا اور توحیدِ بندگی کی صورت میں خدا کا باقاعدہ 'قصد کرنا' نہیں سیکھتا ...... 'ذکر' میں دانے گننے یا ضربیں لگانے کی نوبت اسی پر آتی ہے۔ ذکر تو بس 'اصل حالت' کی بحالی ہے اور اصل حقیقت کا اعادہ۔ اس 'اصل حقیقت' اور 'اصل حالت' پر جس شخص کی ابھی محنت نہیں ہوئی وہ اعادہ کس بات کا کرے اور بحالی کسی چیز کی!؟ 'ذکر' اس کیلئے بڑی حد تک ایک بے معنی لفظ ہے! 'اضافی تکلفات' اور رونق پیدا کرنے کے 'مصنوعی انتظامات' ایک بے معنیٰ کو ہی بامعنیٰ بنانے کیلئے عمل میں لائے جاتے ہیں!

بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے سفر کا آغاز 'علم' اور 'عزم' سے کرے، یعنی:

- خدا کو یوں جانے جیسا کہ انبیاء نے اُس کا تعارف کرایا۔
- خدا کی یوں طلب کرے جس طرح انبیاء نے اُس کی طلب کرنا انسانوں کو سکھایا۔

اسی حالت کو برقرار رکھنا پھر 'ذکر' کہلائے گا۔

☆☆☆☆☆

بھائیو اور بہنو!

کامیاب شخص وہی ہے جو معاملے کو ہاتھ ڈالنے سے پہلے معاملے کی سمجھ پالے۔ جو کام کو 'نمٹانے' سے پہلے اس کا سرا پالے۔ خدا تک پہنچنے کا راز بھائیو 'کثرتِ عمل' نہیں بلکہ حسنِ عمل ہے:

تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلَی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَکُمْ أَیُّکُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (الملک:۱۔۲)

''نہایت بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے، اور ہر چیز پر قدرت رکھنا اُس کی صفت۔ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ کون ہے جو تم میں عمدہ تر عمل کرنے والا ہے''۔

☆☆☆☆☆

پس ہر نعمت سے بڑی نعمت بھائیو ہوسکتی ہے تو وہ یہی کہ آدمی خدا سے اسی دُنیا میں واقف ہو کر جائے۔ بن دیکھے کوئی دن اُس کو یہیں پوجے اور یہیں چاہے۔ اُس کا عذاب دیکھنے سے پہلے ہی اُس سے ڈرے۔ ایسی پوجا جو 'غیب' میں ہی آدمی کر لے، ایسی چاہت اور ایسا خوف جو آدمی اس 'غیب کے فاصلے' سے ہی کر سکے اور ایسی تعظیم جو بن دیکھے ہی آدمی اس کیلئے خاص کر دے...... دیکھی جانے والی ہر چیز پر اس ان دیکھی حقیقت کو ہی ترجیح دے دے اور اپنا تمام تر رخ یہیں اِسی دنیا میں ہی اُس کی جانب پھیر دے...... اس کیفیت سے کیا گیا عمل تھوڑا بھی بہت ہو جاتا ہے۔ زیادہ فاصلہ بہت تھوڑی محنت سے سمٹ جاتا ہے۔ آدمی کا بس محدود ہے اور وہ ذات اپنی مخلوق کے اِس ضعف اور اِس محدودیت کو بہر حال جانتی ہے۔

اُس کو 'عبادت' کے ڈھیر نہیں لگوانے۔ مگر اِس دل میں جگہ پانا وہ اپنا حق جانتا ہے۔ یہ دل اُس کو پیش کر دیا جائے تو بس وہ خوش ہے۔ کوئی یہ پیش کرنے پر تیار نہیں تو باقی سب 'رشوت' ہے۔ رشوت سفارش کا اُس کے ہاں کیا کام!؟ اُس کا چہرہ پانا ممکن ہے

تو بس اسی طرح کہ آدمی اِس کا مول دینے پر کم از کم ابتدائی طور پر تیار ہو، پھر کسی کی آزمائش سخت ہو یا کسی کی نرم، یہ فیصلہ کرنا اُس کا کام ہے۔ بخشش اور استغفار کی راہ بھی کھلی ہے۔ مگر ابتداءً یہی ضروری ہے۔ اُس کا رخ پانے کیلئے اپنا تمام تر رخ اُس کی جانب پھیر دینا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ انسان کے پاس کسی کو پیش کرنے کیلئے بہترین چیز اِس کا دل ہی ہے۔ اس سے کم پر اُس کو راضی کرنے کا خیال بس خود فریبی ہے۔ یہ دل کی دُنیا اُس کو سونپ دی جائے تو تب ہی قصور معاف ہوتے ہیں۔ آگے بڑھنے کی توفیق ملتی ہے۔ غلطیوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور عزیمت کی راہ کھلتی ہے۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَن بِالْغَيْبِ وَجَاء بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ لَهُم مَّا يَشَاؤُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ (ق:۳۳۔۳۵)

"وہ جو بے دیکھے رحمٰن سے ڈرتا تھا، اور جو دلِ گرویدہ لئے ہوئے آیا ہے ...... داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ۔ وہ دن حیات ابدی کا دن ہوگا۔ وہاں ان کیلئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس 'مزید' بھی ہے"۔

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء:۸۷۔۸۹)

"اور مجھے اس دن رسوا نہ کریو جب سب لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ جس دن نہ کوئی مال فائدہ دے گا نہ اولاد۔ بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لئے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو"۔

ولِیِ نعمت کی جانب سے بندۂ مخلوق سے یہ مطالبہ کہ یہ، دل کی دُنیا اُسی کی فرماں روائی کیلئے بخوشی پیش کر دے اور یہ کہ انسان اپنی اس محدود سی قلمرو میں سب سے بڑے مرتبے پر ___ اپنے اختیار سے ___ خالق کو ہی فائز کرے، کیا کوئی غیر حقیقی یا غیر

واقعی مطالبہ ہے؟ یہ تو ایک ایسا مطالبہ ہے جو ایک غریب سے بھی کیا جا سکتا ہے اور امیر سے بھی۔ مرد سے بھی اور عورت سے بھی۔ راعی سے بھی اور رعایا سے بھی۔ ہر ذی ہوش سے یہ چیز طلب کی جا سکتی ہے۔ کوئی کچھ پاس رکھے نہ رکھے، دل ضرور پاس رکھتا ہے۔ خدا بھی اس سے یہی مانگتا ہے۔ آدمی چاہے تو دینے سے انکار کر دے۔ حتیٰ کہ صاف جواب دے دے۔ اور ویسے کتنے ہیں جو اپنی جان کے مالک کو روز ہی 'صاف جواب' دیتے ہیں۔ مگر اُس کی عظمت اور اس کا حلم دیکھئے۔ وہ چیز طلب کرتا ہے اور آزادی دیتا ہے کہ انسان چاہے تو اِس کو اُس ارفع و اعلیٰ ذات کیلئے پیش کر دے اور چاہے تو کسی اور طلبگار کے سپرد کر آئے! دل کی یہ دُنیا وہ کسی عورت کو دے آئے، وہ کسی قبیلے برادری یا ملک کے نام کر دے یا روپے پیسے کی تحویل میں دے دے...... چار دن یہ اِس کا پورا مالک ہے یہ جو چاہے اس کا تصرف کرے۔ چاہے تو گوشت ماس ہڈیوں اور انتڑیوں کی بنی ہوئی کسی عاجز مخلوق کو دے آئے، جس کے 'حسن' کے آگے یا جس کے 'اقتدار' کے آگے اِس کو تاب لے آنا دوبھر ہے! چاہے تو مٹی اور گارے کے نام کر دے اور چاہے تو سونے چاندی اور لوہے پیتل ایسی 'کارآمد' دھاتوں کی ہی اس پر ملکیت تسلیم کر لے...... خدا اِس پر زبردستی نہ کرے گا کہ یہ چیز بس یہ اُسی کو دے۔ خدا کو پسند گو یہی ہے کہ یہ چیز بس یہ اُسی کو دے۔ چیز زبردستی لی تو کیا لی؟! یہ تو بن دیکھے اور خوشی خوشی ہی پیش کر دی جانے والی چیز ہے! تھوڑی سی عبادت پر خلد کی نعمت اور خداوند کی قربت یا روآخر کسی چیز کا تو ''مول' ہونا چاہیے!

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ

(القمر: ۵۴-۵۵)

''بچ بچ کر رہنے والے تو پھر باغوں اور نہروں ہی میں ہوں گے۔ سچی عزت کی جگہ۔ بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب''

☆☆☆☆☆

انسان کا خدا کو اپنا دل سونپنا یا خدا کو دل میں بسانا کیا مفہوم رکھتا ہے؟

صاحبو یہ شاعری کی محفل نہیں۔ ہماری بحث حقائق سے ہے اور وہ بھی جہان کے برگزیدہ ترین حقائق سے۔ خدا کا دل میں آنا دراصل خدا کی صفات سے آگاہی پانا ہے۔ انسان کا خدا کو اپنا دل سونپ دینا خدا کی بندگی اختیار کرنا ہے۔ تنہا خدا کو ہی ___ عبادت اور پرستش اور فرمانبرداری کی راہ سے ___ اپنا مقصود بنانا ہے۔ خدا کی چاہت اور خدا کا خوف دل میں بسانا ہے۔ خدا کا مرتبہ اور مقام متعین کرنا ہے اور خدا کی خوشنودی کو اپنا ہمہ وقتی مسئلہ بنانا ہے۔

بات یہ ہے کہ 'خدا' اور بھی بہت سے ادیان اور بہت سے مذاہب کا ایک بڑا موضوع ہے۔ خدا کو دل میں بسانے کی بات اور بھی بہت سے مذاہب کرتے ہیں۔ مگر وہ 'خدا' کے نام سے جس چیز کو دل میں بساتے ہیں وہ بڑی حد تک ان کے تخیلات کا ایک مجموعہ ہوتا ہے۔ مگر خدا کسی کا تخیل نہیں۔ وہ ایک حقیقت ہے۔ بلکہ سب سے بڑی حقیقت ہے۔ یہ ایک متعین حقیقت ہے۔ ازل سے ہے۔ ابد تک ہے۔ کسی کا تخیل اس کو تبدیل کیسے کرسکتا ہے؟ کسی کا تخیل اس کا تعین ہی کیونکر کرسکتا ہے؟ وہ حقیقت اپنی جگہ ہے۔ کسی کا تخیل اس کی حقیقت جاننے سے کفایت ہی کیونکر کرسکتا ہے؟ تخیل کا حضرات وہاں کیا کام؟ اندازوں کا وہاں کیا گزر؟ اندازوں سے اس کو پایا جاسکتا اور محض جذبات یا نیک نیتی سے اُس تک پہنچا جاسکتا تو پھر لوگوں کے اندازے اُس کی بابت مختلف اور جدا کیوں ہوتے؟ وہ برگزیدہ حقیقت اگر تخیلات کے اندر سما سکتی تو مختلف ذہنوں میں مختلف بلکہ متعارض روپ کیوں دھارتی؟

یہ محض اِن کے اوہام ہیں۔ پراگندہ خیالات ہیں۔ فلسفے ہوں یا مذہب۔ جدید ہوں یا قدیم۔ خیالات یا فلسفے یا ڈھکوسلے ایک متعین حقیقت کو جاننے سے کفایت کیونکر کر سکتے ہیں؟ اور پھر یہ ہر آدمی اپنا الگ خیال، اپنا ایک نیا فلسفہ اور ایک علیحدہ ڈھکوسلہ کیوں چھوڑتا ہے؟ جتنے منہ اتنی باتیں۔ جتنے ذہن اتنے اندازے۔ وہ پاک ہے

اِس سے۔ کہیں بلند ہے اِس سے۔ وہ اپنی حقیقت جس قدر انسان کو بتائی جانا ضروری ہو آپ بتاتا ہے اور اس مقصد کیلئے زمین پر کتابیں اتارتا اور رسول بھیجتا ہے۔ حق وہ ہے جو وہ اپنے بارے میں خود کہہ دے۔ یوں ایک موحد، ایک انبیاء کے پیروکار کے دل میں خدا کا اپنی صفات کے ساتھ آنا ایک بہت ہی واضح اور متعین اور پرلطف حقیقت ہے۔ اس میں اور دوسروں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ حقیقت اور وہم میں۔

انسان کا خدا کی بابت 'اندازے' سے بات کرنا صاحبو بڑی جرأت ہے۔ وہ انسان جس کی عقل کو صرف اتنا جاننے کو کئی ہزار سال درکار ہوئے کہ جس زمین پر یہ کھڑا ہے اِس کی وہ زمین چپٹی نہیں بلکہ گول شکل ہے...... جس انسان پر یہ عقدہ کھلنے کو بیسیوں صدیاں لگیں کہ اِس کی یہ دھرتی ساکن نہیں بلکہ متحرک ہے...... سو یہ انسان جو اپنے پیروں تلے کی اس دھرتی پہ نہ جھانک سکا.. یہ ناچیز خدا کی ذات پر تخیلات کی کمند ڈالے اور توقع کرے کہ اندازوں اور ٹامک ٹوئیوں سے یہ خدا کی حقیقت کو پالے گا؟ اس سے بڑی جہالت اور اس سے بڑھ کر ظلم حضرات کیا ہوسکتا ہے؟

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (الحج: ۸۔۱۰)

"اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کے بارے میں بحث کرتا ہے بغیر کسی علم کے اور بغیر کسی ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے۔ (تکبر سے) گردن اکڑائے ہوئے، تاکہ لوگوں کو راہ خدا سے بھٹکائے، اس کیلئے دنیا میں ذلت ہے اور قیامت کے دن ہم اسے جلنے کا عذاب چکھائیں گے.. (اے سرکش!) یہ اس کی سزا ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا، اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں"

بھائیو خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے ہمیں دل کی اس ویرانی اور عقل کی اس سرگردانی سے بچالیا۔ اس سے بڑھ کر بیچارگی دوستو کیا ہوسکتی ہے کہ اس بھری دُنیا میں کسی

کو خدا کا پتہ نہ ملے!؟ نبی کی بعثت بھائیو کوئی چھوٹا انعام تو نہیں! نبی کا ورثہ محفوظ ہونا کوئی معمولی بات تو نہیں! کیا اب بھی ہم میں اور دُنیا میں کوئی فرق نہ ہو!؟

وَمَنْ أَحْسَنُ دِيناً مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لله وَهُوَ مُحْسِنٌ واتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً وَاتَّخذَ اللّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً وَلِلّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ وَكَانَ اللّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطا (النساء:۱۲۵۔۱۲۶)

''اس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی ہوسکتا ہے جس نے اللہ کو اپنا رخ سونپ دیا اور وہ (اپنے عمل میں) حسن پیدا کرنے والا ہو اور یکسو ہو کر ابراہیمؑ کی ملت کا پیروکار بن گیا ہو۔ ابراہیمؑ جسے خدا نے اپنا دوست بنالیا تھا۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے''۔

رہا یہ کہ آدمی خدا کا پتہ تو پاس رکھتا ہو مگر خدا کیلئے دل میں جگہ ہی کم رکھتا ہو۔ کسی فانی چیز کی طلب نے دل میں خدا کی طلب کیلئے جگہ ہی باقی نہ رہنے دی ہو یا بہت کم جگہ چھوڑی ہو......تو دریا کنارے پیاس سے مرنا بھائیو یہی ہے۔ اس امت میں یوں مرنے والے بھی نہ جانے کتنے ہونگے۔ خدا اپنی عافیت میں رکھے۔

بہرحال نہ علم اور آگہی کے بغیر کوئی چارہ ہے اور نہ طلب اور عزم کے بغیر۔

پس ایک مومن موحد جب خدا کو دل میں بٹھانے اور اس کو اپنا چہرہ اور اپنا رخ سونپ دینے کی بات کرے تو وہ کوئی شاعرانہ یا فلسفیانہ یا متصوفانہ بات نہیں ہوتی۔ یہ امر تو صریح طور پر 'علم' کا متقاضی ہے اور 'اخلاص' (قصد) کا۔ رہا 'علم' تو وہ موحد کے سوا بھلا کس کے پاس ہے؟

خدا کون اور کیا ہستی ہے؟ یہ خدا ہی بتائے تو بتائے۔ یہ کسی کے 'بوجھنے' کی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کے سوا خدا تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ کسی علم کا انبیاء سے ثبوت ہونا اور اس کا درست طور پر روایت ہونا اس کے 'علم' ہونے کیلئے بنیادی شرط ٹھہری۔ بلکہ 'علم' کی اس شرط کا کسی وقت پورا نہ ہونا دُنیا کے اندر ایک نئی نبوت

کا وجہ جواز بن جاتا رہا۔ خدا کی حقیقت واقعتاً اسی قدر برگزیدہ ہے۔ زہے نصیب، خدا کی بابت 'علم' رکھنے کا یہ شرف اہل اسلام کو اور ان میں سے بھی بدرجہ اتم صرف اہلسنت کو حاصل ہوا۔ دوستو کرۂ ارض کا یہ سب سے بڑا اعزاز ہے جو اپنے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ یہ خدا کی دین ہے، فخر نہیں۔ زمین پر آج ہم ہی وہ گروہ ہیں جو خدا کو واقعتاً جانتے ہیں یا یوں کہیے جو خدا کو جان سکتے ہیں!

خدا سے آگاہ قوم...... سب سے روشن، ذہن اور عالی دماغ دُنیا میں کسی کو ہونا چاہیے تو دوستو وہ ہم ہیں۔ مگر کیا عملاً ایسا ہے؟؟؟ اگر نہیں تو پھر یہ تعین کرنے میں آخر دیر کیوں کہ اپنے ہاں یہ اندھیرا کہاں سے آتا ہے؟

دوستو دُنیا میں ایک ہمارے ہی پاس نبوت کے وہ نگینے محفوظ ہوئے جو کرۂ ارض کی آج اور ہمیشہ ہمیشہ تک سب سے بڑی دولت ہے۔ خدا اپنی ذات کی بابت یا اپنی پسند و ناپسند کی بابت یا اپنی جزا و سزا کی بابت خود ہی جو بتائے سو بتائے اور جب وہ بتائے تو ہم کان لگا کر سنیں اور اس کے ایک ایک لفظ کو ذہن پر نہیں دل پر نقش کریں (بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (۱)) ہر وہ بات جس سے وہ خاموش رہے وہاں اُس کی بابت ایک لفظ تک اپنے پاس سے بولنا ہم سب سے بڑا جرم سمجھیں...... ادب، تعظیم، تسلیم اور خدا کے مرتبہ کا پاس اس سے بڑھ کر بھلا کیا ہوسکتا ہے۔ خدا کے ادب اور تعظیم کا یہ وہ طریقہ ہے جو ہمیں ہمارے نبی ﷺ سکھا گئے اور جس کو ہمارے سلف ہمارے لئے محفوظ کر گئے۔ اس سے بڑھ کر بھائیو خداشناسی کیا ہوسکتی ہے؟

سو اس امت کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہوا کہ یہ خداشناس امت ہے۔ خدا کی وہ حقیقت جو انسان سمجھ سکتا ہے اسی کے پاس محفوظ ہے۔ پس یہ کہنا غلط نہیں کہ خدا انہی کے دل میں بس سکتا ہے۔ خدا کو اپنا آپ پیش کرنا انہی کے طریقے پر ہوسکتا ہے۔ 'خدا'

(۱) العنکبوت: ۴۹ ''یہ تو آیات بینات ہیں، سینوں میں ان لوگوں کے جن کو علم دیا گیا''

کوئی وہم نہ ہو بلکہ ایک یقینی حقیقت ہو، یہ اِسی دین کے اندر ممکن ہے۔ سو کس قدر شکر، کس قدر احسان مندی اور کتنی قدر دانی ہم پر اس کیلئے واجب ہو جاتی ہے، کیا کبھی بھائیو ہم نے اس پر سوچا بھی ہے؟

اپنی ہستی کی یہ جہت خود ہم پر ہی واضح نہ ہو، اس سے بڑی محرومی دوستو کیا ہو سکتی ہے؟ سچ ہے علم کے بغیر شکر بھی ممکن نہیں!!! بلکہ علم ہی تو شکر مندی ہے!!!

☆☆☆☆☆

اب ہم امام ابن القیمؒ کے کچھ اقتباس پڑھیں گے:

''اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کو جب تقاضا ہوا کہ آدم کو اپنی آئندہ نسلوں سمیت جنت سے نکال دیا جائے تو اس نے ان کو اس سے بھی بہتر چیز عطا فرما دی۔ یہ اس کا وہ سچا وعدہ ہے جس کے سبب سے بنی آدم (صرف جنت تک نہیں) بلکہ خود اسی تک پہنچ جائیں۔ اپنے تک پہنچنے کا اس نے پوری طرح راستہ واضح فرما دیا کہ جو اس پر چل پڑے وہ ضرور مراد پائے اور ہدایت بھی۔ البتہ جو اس سے منہ موڑے تو وہ ضرور ہی بد بخت ٹھہرے اور گمراہی میں رہے۔

اب جب خدا کے اس وعدے کو پانے اور اس سیدھے راستے پر چلنے کا معاملہ یوں رکھا گیا ہے کہ اس تک رسائی پانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے علم اور ارادہ۔ ارادہ (عزم) اس تک رسائی کیلئے دروازہ ہے اور علم اس در کی کنجی۔ اور یہ دروازہ کھلنا اس کنجی کے پائے جانے پر ہی موقوف ہے۔ پس ہر انسان کو مرتبۂ کمال پانے کیلئے ان دو باتوں ہی کی اشد ضرورت ہے: انسان کے اندر ہمت اور عزم ہو جو اس کو کھڑا کر دے اور اس راہ میں آگے بڑھائے اور پھر علم ہو جو اس کو راہ دکھائے اور سارا راستہ اس کو درست چلائے۔

فلاح اور سعادت و نیک بختی کا کوئی مرتبہ آدمی کے ہاتھ سے جب بھی چھوٹتا ہے تو وہ انہی دو باتوں میں کچھ کمی رہ جانے کے باعث چھوٹتا ہے۔ یا پھر ان میں

سے کسی ایک میں کہیں کوئی کوتاہی رہی ہوتی ہے۔یعنی یا تو وہ سعادت و نیک بختی کا علم نہ رکھتا ہوگا، سو ایسا آدمی راستے کا سراغ ہی نہ پائے گا.. اور یا پھر نیک بختی کی راہ تو جانتا ہوگا مگر اس کیلئے اٹھ کھڑا ہونے اور اپنی قسمت بنانے کیلئے دوڑ پڑنے پر آمادہ نہ ہوسکا ہوگا......

یہ دو ہی وہ رکاوٹیں ہیں جنکے سبب آدمی نفس کے کیچڑ میں لت پت موت کے انتظار میں پڑا رہتا ہے اور کمال پانے کی اِس کو قدرت سے جو صلاحیت ودیعت ہوئی اس کو کوڑا بنا رہنے دیتا ہے۔ایسا شخص خود کو اعلیٰ مراتب کے حصول سے یکسر غافل رکھتے ہوئے نفس کو دنیا میں بس چرا پھرالانے پر ہی اکتفا کرتا ہے۔نکھٹوؤں کے ساتھ نکھٹو۔ بے طلب۔ بے ہمت۔ سست اور مردہ دل۔نجانے کیا کچھ اس کے ساتھ ہونے کو ہے۔گھڑیاں گنی جا رہی ہیں۔ پر یہ جاہل بے علم 'آرام' کرتا ہے۔ سمجھتا ہے یہاں وقت کٹائی کرنے آیا ہے! اُدھر دوسرا آدمی جو راستے کا سراغ پا گیا ہے اور ذوقِ طلب بھی خوب رکھتا ہے اس دنیا میں آتا ہے تو بس آستینیں چڑھا لیتا ہے۔نگاہ ہر وقت منزل پر۔فکر ہر وقت کام نمٹانے کی۔کوئی ساتھ ہے یا نہیں یہ برابر چلتا ہے۔جان لڑا کر علم حاصل کرتا ہے۔محنت سے اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔دلجمعی سے اس پر استقامت اختیار کرتا ہے۔سب کچھ پاتا ہے مگر خدا سے کم کسی چیز پر قانع نہیں۔خدا اور رسول کی جانب ہر دم عازم سفر۔ دل لگتا ہے تو بس خدا ہی کے ساتھ۔دوست رفیق اس کو کہاں ملیں گے کوئی ہوگا تو بس رفیق کار ہوگا جو اسی راستے میں پایا جائے جو خدا کی جانب بڑھتا ہے!

چونکہ عزم وارادہ کے اندر اصل دیکھا جانے والا کمال یہ ہے کہ انسان کے مقصود و مطلوب ہی میں کوئی کمال ہو جس کا کہ عزم اور ارادہ کیا گیا.. اور علم و دانش میں کوئی شرف اور اعزاز ہوسکتا ہے تو یہ کہ یہ علم و دانش جس حقیقت کا سراغ پائے خود وہ حقیقت ہی نہایت شرف اور اعزاز والی ہو......

جب ایسا ہے تو پھر اس انسان کی سعادت و نیک بختی کے کیا کہنے اور اس انسان کے زندہ و پائندہ ہو جانے میں کیا شک جس کا عزم و ارادہ اس ذات اور اس مقصود سے وابستہ ہو جس کو کوئی آنچ ہے اور نہ تغیر! جس کی ہمت اور طلب اس ذات کی جانب عازم سفر ہے جو ہمیشگی کا مالک ہے.. **الحي الذي لا يموت.** وہ ذات جس کی جانب صرف 'علم' کا راستہ جاتا ہے.. اس علم کا راستہ جو اس کے بندےؑ، اس کے رسولؐ، اس کے خلیلؑ اور اس کے چنیدہ نبیؐ اپنے پیچھے نسل در نسل چھوڑ گئے ...... اس نبیؐ کا چھوڑا ہوا علم جس کو خدا کے طلبگاروں کا ہادی اور راہ نما بنایا گیا ...... جس کو خدا اور مخلوق کے مابین واسطہ بنا دیا گیا اور جو خدا کے اپنے ہی حکم سے لوگوں کو سلامتی کے گھر کی جانب دعوت دینے پر مامور ہوا۔ یہ نبی ہی اس راستے کا نشان ہے۔ خدا اس بات سے انکاری ہے کہ اس تک پہنچنے کا راستہ سوائے محمد ﷺ کے کہیں اور سے گزرے۔ در کھلے گا تو صرف محمد ﷺ کے راستے پر۔ خدا انکاری ہے اس بات سے کہ وہ کسی محنت یا سعی کو قبول کرے سوائے اس سعی کے جو محمد ﷺ کے راستے پہ شروع ہوتی ہو اور اسی پر ختم''۔

(مفتاح دار السعادة و منشور ولاية العلم والارادة ۱:۵۹)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''خوب جان لو کہ خدا کی جانب بڑھنے کی منزلیں بدن سے بھی بڑھ کر دل اور ہمت کے ساتھ سر ہوتی ہیں۔ اور تقویٰ بھی درحقیقت دل کا تقوی ہے نہ کہ محض اعضاء کا۔ اس کا اپنا ارشاد ہے:

ذَلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج:۳۲)

''یہ ہے اصل معاملہ۔ اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے''۔

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنكُمْ (الحج:۳۶)

''نہ ان (قربانی کے جانوروں) کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، البتہ اسے تمہارے (ہاں پایا جانے والا) تقویٰ ضرور پہنچتا ہے''۔

خود رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فرمایا التقوی ھٰھُنا کہ ''تقویٰ بس یہاں ہے'' جبکہ آپؐ اپنے سینے کی جانب اشارہ فرما رہے تھے۔

پس ایک ہوشمند شخص راستے کی مسافتیں طے کرنے کیلئے جو تدبیر کرتا ہے وہ یہ کہ اپنی عزیمت ہی کو مہمیز دے۔ ہمت جوان رکھے۔ اپنے مقصود کا پورے اخلاص اور تجرد کے ساتھ تعین کرتا رہے اور نیت میں زیادہ سے زیادہ نکھار پیدا کرے اور پھر اس کے ساتھ مقدور بھر عمل بھی کرے۔ اس تدبیر کو بروئے کار لا کر یہ ہوشمند شخص تھوڑا عمل کر کر بھی اس شخص کی نسبت کہیں زیادہ مسافت طے کر جاتا ہے اور جو کہ اس گر کے استعمال سے عاجز ہے اور جو کہ تھکتا زیادہ ہے مگر اس کی مسافت کم طے ہوتی ہے۔ عزیمت اور طلب جب پائی جائے تو خدا کی جانب بڑھنا مشقت نہیں رہتا۔ یہی چیز اس سفر کو خوشگوار کر دیتی ہے۔ خدا کی جانب بڑھنے میں سبقت لے جانا...... معبود کی جانب پیش قدمی کا خوب سے خوب تر ہونا بس 'ہمت' پر ہی تو منحصر ہے، یعنی انسان کی رغبت صادق ہو اور عزیمت جوان ہو۔ خدا کی جانب بڑھنا...... یہ ایک ایسی راہ ہے کہ ایک جوان ہمت اور صاحب عزیمت شخص راستے کی کسی منزل پر استراحت کرتے ہوئے بھی اس شخص پہ سبقت پاتا ہے جو ذوق طلب اور مقصد و عزیمت میں پیچھے رہ گیا ہو چاہے وہ چلتا اس سے کہیں زیادہ کیوں نہ ہو۔ چلتا دوسرا زیادہ ہے پہنچتا یہ پہلے ہے!......

عزم وارادہ کی کمزوری اور طلب کی بے حسی دراصل دل کا ضعف ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں زندگی کی رمق بہت کم ہے۔ دل میں زندگی کا احساس جتنا زیادہ ہوگا ہمت اتنی ہی جوان ہوگی۔ ارادہ وعزم اور محبت وطلب

ایسے ہی دل کا عمل ہے۔ دراصل ارادہ وقصد اور عزم وطلب کا انحصار ہے ہی اس بات پر کہ آپ جس چیز یا جس ذات کو محبوب رکھتے ہیں آپ کا وہ محبوب یا مطلوب آپ کے شعور کو کس حد تک مشغول رکھ سکتا ہے اور آپ اس کو محسوس کرنے میں کس حد تک کامیاب ہیں اور یہ کہ کسی رکاوٹ کو آپ کے اور آپ کے مطلوب کے مابین حائل ہونے میں کس قدر آسانی یا کس قدر دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص ارادہ وعزم رکھنے سے ہی بے بس ہے یا ذوق طلب ہی سے بیگانہ ہے تو اس کا سبب یا تو یہ ہوگا کہ اس میں محسوس کرنے کی صلاحیت ہی مردنی ہے اور دل میں مراد تک جنم نہیں لے پاتی، جس کو کہ شعور کا فقدان کہا جائے گا......اور یا پھر اس کا سبب یہ ہوگا کہ دل کو کوئی ایسا روگ لگا ہے کہ دل میں امنگ پیدا ہوتی تو ہے مگر ساتھ ہی دم توڑ جاتی ہے......جس کو کہ ہمت کا فقدان کہا جائے گا۔ پس یہ دونوں ہی چیزیں آدمی کی ضرورت ہیں: قوت شعور بھی اور قوت ارادہ بھی۔ اس کے ہونے سے دل کو زندگی ملتی ہے اور اس کا فقدان ہو تو دل میں موت کی آہٹ سنی جانے لگتی ہے......"

(تہذیب مدارج السالکین:۲:۹۴۵)

"انسان کو مرتبۂ کمال دو باتوں سے حاصل ہوتا ہے:

- یہ کہ وہ حق کو باطل سے جدا کر کے دیکھ سکے، اور یوں حق کی معرفت پائے۔
- یہ کہ وہ حق کو باطل پہ ترجیح دینے کی ہمت رکھے۔

مخلوق جتنی ہے کسی کا مرتبہ خدا کے ہاں بلند ہے تو کسی کا پست......تو اس کا سبب یہی دو بنیادیں ہیں۔ جتنا کوئی ان دو باتوں میں بلند ہولے گا اتنا ہی وہ خدا کے ہاں بلند ہے اور جتنا کوئی ان دو باتوں میں پست ہوا اتنا ہی وہ خدا کے ہاں پست ہے۔ یہی دو باتیں ہیں جن کی بنیاد پر یہ انبیا خدا کے کلام میں سراہے گئے ہیں:

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُوْلِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَار

(ص:۴۵)

''اور ہمارے بندوں ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا ذکر کرو۔ بڑی قوت عمل رکھنے والے اور دیدہ ور لوگ تھے''۔

یہ انبیاء جو اُولی الأیدی ہیں یعنی زور بازو رکھتے ہیں اور پھر اُولی الابصار ہیں یعنی زور نگاہ کے مالک ہیں۔ پس مرتبۂ کمال انہی دو باتوں میں پوشیدہ ہے: زورِ بازو اور زورِ نگاہ!!!

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کا جو وصف بیان کیا وہ یہی ہے کہ حق کے ادراک میں یہ کمال کی صلاحیت رکھتے ہیں اور پھر اس حق پر عمل کر گزرنے میں بلا کی ہمت۔ پس لوگوں کی اس بنیاد پر جو چار اقسام بنتی ہیں ان میں سب سے اعلیٰ و برگزیدہ قسم ایسے ہی انسانوں کی ہے جو ان دو خوبیوں میں کمال پیدا کرلیں۔

رہی دوسری قسم تو وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یعنی ایسا آدمی جو دین کی حقیقت سے بے بصیرت ہو اور حق پر عمل پیرا ہونے کی ہمت سے تہی دامن۔ مخلوق میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے۔ یہی ہیں وہ لوگ جو زمین پر بار ہیں اور جن کو دیکھنا آنکھ کیلئے زحمت ہے۔ خوامخواہ شہروں میں اژدہام کرتے ہیں۔ بستیاں ہیں کہ ان کی کثرت کے سبب تنگ اور گنجان پڑتی ہیں۔ دُنیا میں ان کے وجود کے باعث سوائے اس کے کہ روٹی مہنگی ہو اور اناج کا اجاڑا ہو اور دُنیا کو اِن کے یہاں پائے جانے کا تاوان ہی تاوان اٹھانا پڑے، دنیا کو اور کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔ ان کا یہاں ہونے کا فائدہ بہت کم ہے اور نقصان بہت زیادہ!

تیسری قسم: وہ لوگ ہیں جو حق کی بصیرت تو رکھتے ہیں اور جن کو ہدایت سے آگہی بھی نصیب ہوئی مگر ہمت کو ضعف لاحق ہے۔ وہ قوت حاصل نہیں کہ جس بات کو حق سمجھیں پھر اس کو کر گزریں اور اس کے داعی بن کر کھڑے ہوں۔ یہ

ایک مومنِ ضعیف کا حال ہے جبکہ ایک طاقتور مومن اس سے بہتر ہے اور خدا کو اس کی نسبت عزیز تر۔

چوتھی قسم: وہ لوگ ہیں جو قوت وہمت اور عزیمت تو رکھتے ہیں مگر بصیرت میں ضعف لاحق ہے اور دین کی حقیقت سے آشنائی کم ہے۔ عمل میں بلا کے تیز مگر حق کے علم سے بالکل کورے! بڑا ہی مشکل ہے کہ اولیاء رحمٰن اور اولیاء شیطان میں تمیز کرلیں۔ حق اور باطل کے معاملے میں بات کو آسانی پالیں۔ یہ ہر چمکتی چیز پر سونے کا گمان کر لیتے ہیں اور ہر کڑوی دوا کو زہر سمجھ بیٹھتے ہیں۔

ان تینوں موخر الذکر اصناف میں ایسے لوگ نہیں پائے جا سکتے جو دین میں امامت کا منصب پائیں اور نہ ہی یہ منصب ان کیلئے بنا ہے۔ یہ رتبۂ بلند صرف پہلی قسم کے لوگوں کا ہی نصیب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُون

(السجدۃ:۲۴)

''ہم نے ان میں سے امام (پیشوا) بنائے جو ہمارے حکم سے راہ بری کرتے؛ یہ تب جب وہ صبر وثبات کرنے لگے اور تھے وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے منصبِ امامت پانے کی دو بنیادیں ذکر فرمائیں:

ایک ان کا صبر وہمت اور دوسرا اللہ کی آیات پر انکا یقین اور رسوخ۔ ان دو باتوں کے سبب ہی وہ دین کے امام ہوئے......''

(الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافی،ص۸۲)

(استفادہ از عدۃ الصابرین و ذخیرۃ الشاکرین، مؤلفہ ابن القیم)

شکر ہی تو عبادت ہے!

انسان ہوش کی آنکھ کھولتا ہے تو اس کو سب سے پہلی یہ نصیحت ہوتی ہے کہ وہ خدا کا شکر گزار رہو اور خدا کے بعد...... پھر ان دو ہستیوں کا جو اسے دنیا میں وجود دینے کا ذریعہ بنیں:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ (لقمان:۱۴)

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین (کا حق پہچاننے) کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لئے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف پلٹنا ہے"

اس کو یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ خدا اس کی کسی چیز سے خوش ہوسکتا ہے تو وہ اس کی شکرگزاری اور اس کا جذبۂ سپاس ہی ہے۔

وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ (الزمر:۷)

"اور اگر تم شکر کرو تو اسے وہ تمہارے لئے پسند کرتا ہے"

اللہ نے اپنے برگزیدہ خلیل ابراہیم علیہ السلام کی صفت بیان کی تو یہ کہ وہ اس کی نعمتوں کا پاس کیا کرتا اور اس کا شکرادا کرنے میں لگا رہتا تھا:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِلّهِ حَنِيفاً وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
شَاكِراً لِّأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ وَآتَيْنَاهُ فِي الْدُّنْيَا حَسَنَةً
وَإِنَّهُ فِي الآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ (النحل:۱۲۰-۱۲۲)

''ابراہیم اپنی ذات میں ایک امت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور مکمل یکسو۔ جو مشرکوں سے الگ تھلگ تھا۔ اللہ کی نعمتوں کا شاکر۔ اللہ نے اس کو منتخب کرلیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ دنیا میں اس کو بھلائی دی اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ایک ہوگا''

سو اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو امت یعنی ایک نمونہ اور معیار قرار دیا، جس کی، خیر کے راستے میں اتباع کرنا ہر شخص پر فرض ہے۔ پھر اسے قانت کہا یعنی مطیعِ فرمان اور حکم آئے کو کبھی 'ناں' نہ کرنے والا۔ پھر کہا کہ وہ حنیف تھا۔ یعنی ہر طرف سے رخ موڑ کر وہ ایک اللہ کی طرف رخ کر چکا تھا۔ پھر ان خوبصورت صفات کا ذکر جس بات پر ختم کیا وہ یہ کہ...... وہ ایک شکر گزار بندہ تھا جو نعمتوں کی قدر پہچاننے والا اور ہدیۂ سپاس پیش کرتا رہنے والا تھا۔

سو خلیل اللہؑ کی صفات کی انتہا یہ ہوئی کہ وہ شکر گزار تھا!

اللہ کا ایک کام تخلیق کرنا ہے اور دوسرا حکم دینا اور شریعت اتارنا یعنی خلق اور امر۔ اس خلق اور امر کی غایت یہ ہے کہ دنیا میں اُس کا شکر ہو۔ انسان کی اپنی تخلیق ہوتی ہے تو اس لئے کہ وہ ہوش سنبھالے تو پیدا کرنے اور دینے والے کا شکر ادا کرنے میں لگ جائے:

وَاللّهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لاَ تَعْلَمُونَ شَيْئاً وَجَعَلَ لَكُمُ
الْسَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (النحل:۷۸)

''اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا جب تم کچھ جانتے تھے نہ سمجھتے۔ اس نے تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں اور سوچنے والے دل دیئے، اس لئے کہ تم شکر گزار بنو''

یہ تو ہوئی خلق کی غایت۔ پھر جہاں تک امر کی غایت ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

(آل عمران:۱۲۳)

''بدر میں بھی تمہاری مدد اللہ نے ہی کی تھی حالانکہ اس وقت تم بہت کم زور تھے۔ لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو...... تاکہ تم شکر گزار بنے رہو''

چنانچہ اس آیت میں اللہ کا یہ کہنا کہ ''تاکہ تم شکر گزار بنے رہو'' اس کی نصرت کے باعث بھی ہوسکتا ہے جو اس نے بدر میں کی اور (فاتقوا اللہ) تقوی کا حکم دینے کے باعث بھی...... اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان دونوں باتوں کے باعث شکر گزار ہونے کیلئے کہا گیا ہو اور یہی بات ظاہر اور واضح ہے۔ چنانچہ شکر خلق کی غایت بھی ہوئی اور امر کی بھی!

اللہ تعالیٰ نے بہت صراحت سے یہ بتا دیا ہے کہ اُس کی شریعت کے اتارے جانے اور اُس کا رسولؐ بھیجا جانے کا مقصد بھی بندوں سے اپنا شکر کروانا ہے:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُونَ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُواْ لِي وَلاَ تَكْفُرُونِ (البقرہ:۱۵۲-۱۵۱)

''جس طرح کہ ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا، جو تمہیں میری آیات سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔ لہٰذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرے شکر گزار بنے رہو، کفران نعمت نہ کرو''

صحیحین سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ رب کے حضور میں اتنی اتنی دیر تک کھڑے رہتے اور راتوں کو اتنا لمبا قیام کرتے کہ آپ کے قدم سوج کر پھٹنے کو آجاتے۔ آپ سے عرض کی گئی:

''اللہ آپ کے سب اگلے پچھلے قصور معاف کر چکا، پھر یہ سب کچھ!؟''

تب آپ ایک مختصر اور خوبصورت جواب دیتے ہیں: أفلا أكون عبداً شكوراً ''تو کیا میں شکر گزار بندہ بن کر نہ دکھاؤں''!!!

مسند احمد اور ترمذی میں روایت ہے کہ نبی ﷺ معاذ سے کہتے ہیں:

''معاذ، بخدا تم مجھے بہت پیارے ہو۔ سو جب تم نماز ختم کرو تو کبھی یہ کہنا نہ بھولو: اللهم أعِنّي على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك ''خدایا مجھے توفیق دے کہ میں تجھے یاد کروں، میں تیرا شکر کرتا رہوں اور تیری بندگی میں حسن پیدا کروں''۔

ابن ابی الدنیا نے بیان کیا: بیان کیا، عبداللہ بن عباس سے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''چار چیزیں جس آدمی کو مل گئیں، سمجھو اسے دنیا اور آخرت کی سب خیر مل گئی:

شکر گزار دل

ذکر کی گرویدہ زبان

مصیبت پہ صابر بدن

اور بیوی جو اپنی ذات میں یا اس کے مال میں کسی خیانت کی روادار نہ ہو''

ابن ابی الدنیا ہی قاسم بن محمد کی حدیث عائشہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اللہ اپنے بندے پر انعام کرتا ہے تو بندہ جب بھی یہ اعتراف کرتا ہے کہ یہ نعمت اس کے پاس اللہ کی دی ہوئی ہے تب اللہ اس کے نامۂ اعمال میں درج کر دیتا ہے کہ بندہ اس نعمت پر اللہ کا شکر گزار رہا۔ اللہ اپنے بندے کے دل میں اس کے کسی گناہ پر ندامت اور پشیمانی دیکھتا ہے تو وہ اسے بخشش کا سوال کرنے سے بھی پہلے معاف فرما دیتا ہے۔ بندہ جب کوئی اچھا اور مہنگا لباس خرید کر زیب تن کرتا اور ساتھ میں اللہ کی حمد اور تعریف کرتا ہے تو اس کی قمیض اس کے گھٹنوں تک بھی ابھی پہنچنے نہیں پاتی کہ اس کی بخشش ہو چکی ہوتی ہے''!!

صحیح مسلم میں نبی ﷺ سے حدیث ثابت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا:

''اللہ کو بندے کی یہ بات خوش کر جاتی ہے کہ اِسے ایک بار کا کھانا نصیب ہو یا پینے کا کوئی مشروب اِس کے حلق سے اترے تو وہ اس کی تعریف میں لگ جائے''!!!

دیکھئے اس بندے کو کیا جزا ملی...... اللہ کی خوشی!!! آپ کو معلوم ہے کہ کسی ثواب اور نیک بدلے کی یہ آخری انتہا ہے کہ اللہ کو بندے سے خوشی ہو! یہ عظیم ترین جزاء ہے اور اعلیٰ ترین بدلہ۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ.

یہ عظیم ترین باریابی دیکھئے کس چیز پر ہوئی: چند نوالے کھا کر، یا چند گھونٹ پی کر مالک کی تعریف کرنے میں لگ جانا!!! تعریف، شکر کا بہترین اظہار ہے!!!

ابن ابی الدنیا نے بیان کیا، عطارد قرشی سے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہو نہیں سکتا کہ اللہ اپنے کسی بندے کو شکر کی توفیق دے اور پھر اسکی اس نعمت میں، جس پر وہ شکر کرتا ہے، اور سے اور اضافہ نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خود کہا ہے: لئن شکرتم لأزیدنکم کہ''اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نواز وں گا''

حسن بصریؒ کہتے ہیں: ''اللہ جب تک چاہتا ہے بندے کو نعمت سے لطف اندوز ہونے دیتا ہے پھر جب اس سے وہ کوئی شکر نہیں پاتا تو اسی نعمت کو عذاب میں بدل دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم سے پہلے لوگ شکر کا ذکر 'محافظ اور نگہبان' کے نام سے کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے، نعمت کا تحفظ کرنے اور نعمت کو بچا رکھنے والی کوئی چیز ہے تو وہ شکر ہے۔ وہ کہا کرتے تھے شکر وہ چیز ہے جو کھوئی ہوئی نعمت کو بھی لوٹا لائے''!!

مطرف بن عبداللہؒ کہا کرتے تھے: ''مجھے عافیت نصیب ہو اور میں اس پر شکر کرتا رہوں، یہ مجھے اس سے کہیں عزیز ہے کہ میں کسی آزمائش میں پڑوں اور اس پر صبر کروں''۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ''خدا کی ان نعمتوں کا بہت تذکرہ کیا کرو کیونکہ نعمتوں کا بار بار تذکرہ ہی نعمتوں کا شکر ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبیؐ کو کہا ہے کہ وہ اپنے رب کی نعمت کا تذکرہ کیا کرے:

وأما بنعمه ربک فحدث!!!

اللہ تعالیٰ کو خود یہ پسند ہے کہ وہ بندے پر اپنی نعمتوں کے نشانات دیکھتا رہے۔ یہ گویا لسان حال سے خدا کا شکر کرنا ہے۔

علی بن الجعد کہتے ہیں میں نے سفیان ثوری کو یہ کہتے ہوئے سنا: داوٗد علیہ السلام ایک بار گویا ہوئے: **الحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْداً كما ينبغي لِكَرَمِ وَجْهِهٖ وَعِزِّ جَلالِهٖ** ”حمد میرے خدا کی......ایسی حمد جو اس کے روئے انور کے شایان شان ہو......ایسی حمد جو اس کی ہیبت وجلال اور اس کی عزت وشان کے لائق ہو“۔

تب اللہ نے داوٗد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی:

”داوٗد تم نے یہ تعریف کر کے فرشتوں کو بے بس کر دیا“۔

شعبہؒ نے بیان کیا: بیان کیا ہم سے مفضل بن فضالہ نے ابورجاء العطاروی سے کہ: ایک بار عمران بن حصینؓ گھر سے نکل کر ہمارے پاس آئے تو ایک بیش قیمت قبا زیب تن کئے ہوئے تھے۔ ان کو ایسی قبا پہنے اس سے پہلے کبھی ہم نے دیکھا اور نہ اس کے بعد۔ تب عمران بن حصین کہنے لگے: رسول اللہ نے فرمایا:

> **إذا أنعم الله على عبده نعمة يحب أن يرى أثر نعمته على عبده** ”اللہ جب کسی بندے کو نعمت سے نوازے تو اس کو یہ پسند ہے کہ وہ بندے پر اس نعمت کے اثرات بھی پائے“

عمرو بن شعیب کے صحیفے میں، ان کے والد سے، بروایت ان کے دادا (عبد اللہ بن عمرؓ)، روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

> ”کھاؤ پیو، صدقہ خیرات کرو، البتہ خود پسندی اور فضول خرچی سے بچو، اللہ کو خود یہ پسند ہے کہ وہ اپنی نعمت کے نشانات اپنے بندے پر دیکھے“

سورۂ عادیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو کنود کہہ کر اس کی مذمت فرمائی ہے۔ کنود وہ شخص ہے جو نعمت پر شکر نہیں کرتا۔ حسن بصریؒ کنود کی شرح میں فرماتے ہیں: ''انسان ناشکرا ہے مصیبتوں کا شمار کرتا ہے اور نعمتوں کا ذکر تک نہیں''!

رسول اللہ ﷺ نے خبر دے رکھی ہے کہ دوزخیوں میں عورتوں کی اکثریت بھی اسی وجہ سے ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا: تم اس کے ساتھ زندگی بھر اچھائی کرتے رہو پھر اسے تم سے کوئی برائی دیکھنے کو ملے تو کہہ اٹھتی ہے 'میں نے تو تم سے کبھی کوئی خیر نہیں پائی'۔ خاوند ایک اچھائی کرتا ہے تو اس پر یہ حال ہے اور اس پر شکر مندی کی اتنی تاکید ہے، حالانکہ خاوند کے ذریعے جو نعمت بھی ملتی ہے وہ دراصل خدا کی ہی دی ہوئی ہوتی ہے...... پھر اس بارے میں کیا خیال ہے کہ آدمی خدا ہی کی نعمت کا شکر ادا کرنے سے ٹلتا رہے!

ظالم انسان! اس ظلم کا خمیازہ تمہارے اپنے سوا کسی اور کو نہیں بھگتنا۔ آخر کب تک تم خدا کے ساتھ یہ رویہ رکھو گے کہ اس کی نعمتیں تمہارے کسی شمار قطار میں ہی نہ آئیں البتہ کبھی مصیبت آ پڑے تو اس کا خوب چرچا کرو!

ابن ابی الدنیا ابو عبدالرحمٰن السلمی کی حدیث شعبی سے بروایت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''نعمت کا تذکرہ شکر میں شمار ہوتا ہے اور اس کو ترک کر دینا کفرانِ نعمت، جو شخص تھوڑے پر شکر نہیں کرنے لگتا وہ زیادہ پر بھی شکر نہ کر پائے گا۔ جو لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ خدا کا بھی شکر گزار نہ ہوگا، جماعت برکت ہے اور تفرقہ عذاب''

مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں: ''میں نے دو چیزوں پر غور کیا۔ ایک عافیت اور دوسری شکر مندی۔ تب میں نے یہ پایا کہ ان دو چیزوں میں دنیا اور آخرت کی سب خیر سمیٹ دی گئی ہے۔ میں کسی گوشۂ عافیت میں خدا کا شکر بجالاتا رہوں، یہ بات مجھے کہیں وارے کی ہے کہ میں مبتلائے مصیبت ہوں اور اس پر صبر کروں''۔

بکر بن عبداللہ مزنیؒ نے ایک بار بردار کو دیکھا کہ وہ بوجھ کمر پر لادے جا رہا ہے اور ساتھ میں الحمدلله، استغفر الله کہتا جاتا ہے، بکر بن عبداللہؒ کہتے ہیں یہ دیکھ کر میں وہیں رک گیا کہ کب وہ اپنا بوجھ زمین پر دھرتا ہے۔ جب اس نے بوجھ اتار کر زمین پر رکھ دیا تو میں نے اسے آزمانے کیلئے پوچھا: بس ان الفاظ کے سوا تمہیں کچھ اور کہنا نہیں آتا! مزدور بولا: کیوں نہیں، خدا کی کتاب پڑھ لیتا ہوں۔ اور بہت کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مگر بھائی بات یہ ہے کہ بندہ دو حالتوں سے باہر نہیں ہوتا؛ خدا کی نعمتیں لیتا ہے اور خدا کے حق میں گناہ کرتا ہے۔ خدا کی نعمت کیلئے میں اس کی حمد کئے جاتا ہوں اور اپنے گناہوں کیلئے استغفار۔ تب میں نے خود سے کہا: بکر! یہ بوجھ ڈھونے والا مزدور تم سے کہیں برتر فقیہ ہے"!!!

ترمذی میں جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے پاس حجرے سے نکل کر آئے تو ان کو سورہ الرحمٰن، اول سے آخر تک تلاوت کر کے سنائی۔ صحابہ خاموشی سے سنتے رہے۔ تب آپؐ نے فرمایا: جنوں کو بھی میں نے اس رات یہی سورت پڑھ کر سنائی۔ ان کا جواب تم سے بہتر تھا۔ میں جب بھی یہ آیت پڑھتا۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَان "پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے اور اس کی کس کس قدرت کا انکار کرو گے" تو وہ ہر بار جواب دیتے: "خدایا ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے، تعریف صرف تیری"۔

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں: بیان کیا ہم سے عبدالرزاق بن عمران نے، کہا سنا میں نے وہب بن منبہؒ سے کہ میں نے آل داؤدؑ کی کتاب میں لکھا ہوا پایا:

"مجھے میری بڑائی کی قسم۔ جو میری پناہ میں آیا، اس کے خلاف آسمان وزمین کی سب مخلوقات دشمنی پہ اتر آئیں میں ان سب کے درمیان سے اس کے لئے راستہ نکال دوں گا اور جس نے مجھ سے پناہ اور سہارا نہ مانگا اس کے ہاتھ سے میں آسمان کے سب اسباب چھڑوا دوں گا، اس کے پاؤں تلے سے

زمین کھینچ لوں گا اور اس کو فضا میں بے سہارا اس کے اپنے حال پر چھوڑ دوں گا۔ میں اپنے بندے کیلئے بہت کافی سہارا ہوں اور بہترین جائے پناہ۔ میرا بندہ جب میری فرمانبرداری میں لگا ہوتا ہے تو میں اس کے سوال کرنے سے پہلے اسے وہ جو چاہے عطا کر دیتا ہوں۔ اس کے دعا کرنے سے پہلے شرف قبولیت بخشتا ہوں۔ مجھے خود اس سے بڑھ کر اس کی ضرورت اور حاجت کا پاس ہوتا ہے"۔

حسن بصریؒ جب کوئی گفتگو شروع کرتے تو پہلے یہ کلمات کہتے:

"حمد وتعریف اللہ وحدہ لاشریک کی،

خدایا تیری حمد اور تعریف۔ تو نے ہمیں اسلام دیا اور قرآن سے نوازا۔

خدایا تیری تعریف۔ ہم اہل وعیال رکھتے ہیں۔ مال ودولت پاس ہے اور تیری بخشی ہوئی عافیت ہے کہ چین اور اطمینان سے گزرتی ہے۔

تو نے دشمن کو ہم سے باندھ کر رکھا۔ رزق ہم کو فراخ دیا۔ امن وسکون کی نعمت تیری عطا کردہ ہے، تیری رحمت ہے کہ عزیزوں سے ملتے اور احباب کو دیکھتے ہیں۔ کتنے مصائب سے تو ہم کو روز بچاتا ہے۔ خدایا تجھ سے جو مانگا تو نے ہم کو اس سے بڑھ کر دیا۔

خدایا تعریف تیری ...... بہت ہی زیادہ تعریف۔ خدایا ہر ہر نعمت کے عوض تیری تعریف۔ کوئی نعمت جو تو نے پہلے کبھی کی یا اب کر رہا ہے، تیری نعمت نظر آئے یا نظروں تک سے روپوش رہے، تیری نعمت عام ہو خاص، زندگی کی حالت میں ہو یا مر جانے کے بعد ...... خدایا ہر نعمت پر تیری تعریف۔

"خدایا تیری تعریف ...... تیری تعریف اس وقت تک جب تو اس تعریف سے راضی ہو...... پھر خدایا جب تو راضی ہو چکے تب بھی تیری تعریف"!!!

ابن ابی الدنیا کہتے ہیں محمود الوراق نے مجھے اپنے اشعار سنائے: (جن کا خلاصہ یہ بنتا ہے)

''خدا کی نعمت کا شکر کر لوں تو یہ شکر کرنا تو خود مجھ پر ایک نعمت ہوئی۔ اب اس نعمت پر بھی تو مجھے اسی کا شکر کرنا چاہئے! سو ہر شکر ہی تو ایک شکر چاہتا ہے! پھر ایسے میں اس کا شکر کیسے ادا کر پاؤں گا چاہے دن جتنے بھی بڑھ جائیں اور عمر جتنی بھی دراز ہو جائے...... سوائے اس کے کہ بس اس کا فضل ہو جائے!

وہ مجھ کو راحت دے تو خوشیوں سے ڈھانپ دے۔ کبھی تکلیف آنے دے تو پھر اس پر اجر و ثواب کی حد کر دے۔ وہ تو دونوں صورتوں میں مجھ پر فضل کرتا ہے۔ اس کے فضل کا اندازہ بحر و بر کی کسی مخلوق کے بس میں نہیں''۔

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے جو خواہشمند ہو کہ وہ اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کی واقعی قدر کرنے لگے اسے چاہیے کہ وہ اپنے نیچے دیکھے نہ کہ اپنے اوپر''

اس آیت کے بارے میں کہ:

وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (لقمان:۲۰)

''اس نے تم پر اپنی کھلی اور چھپی نعمتوں کی بارش کر دی''

مجاہدؒ کہتے ہیں: یہ آیت تو انسان کے پاس کہنے کو کچھ چھوڑتی ہی نہیں۔

وہبؒ کہتے ہیں: ''ایک عابد زاہد آدمی نے اللہ کی پچاس سال عبادت کی۔ اللہ نے اسے وحی کے ذریعے خبر دلوائی کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ عابد نے دل میں کہا: ''صرف معافی! مجھے تو کوئی گناہ بھی یاد نہیں'' تب اللہ نے اس کی گردن کی ایک نس کو حکم دیا کہ ذرا بگڑ جائے۔ نس کا بگڑنا تھا کہ عابد کی نیند جاتی رہی اور نماز پڑھنے تک کی ہوش نہ رہی۔ کچھ دیر بعد اس کو سکون آیا تو وہ نیند میں

چلا گیا۔ تب خواب میں اسے بتایا گیا تمہارا رب فرماتا ہے پچاس سال تک اپنی گردن کی صرف ایک نس سے جو سکون پاتے رہے تمہاری پچاس سال کی عبادت تو اس کا بھی عوض نہیں''۔

ابن ابی الدنیا ذکر کرتے ہیں: داؤد علیہ السلام نے خدا سے دریافت کیا: ''تیری مجھ پر کم سے کم نعمت کیا ہے؟'' تب اللہ نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی: ''داؤد، ذرا سانس لو''۔ داؤد علیہ السلام نے سانس لی۔ تب خدا نے فرمایا: ''یہ میری تم پر کم از کم نعمت ہے''۔

اس بات کی روشنی میں ابوداؤد کی اس حدیث کا مطلب واضح ہو جاتا ہے جو کہ زید بن ثابت اور عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ:

''اللہ اگر آسمان اور زمین کی سب مخلوقات کو عذاب دینے پر آئے تو اس کا ایسا کرنا ہرگز ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر ان پر رحم کرے تو اس کا رحم فرمانا ان کے اعمال کرنے سے کہیں برتر ہوگا''

اسی طرح اس صحیح حدیث کا مطلب بھی یہیں سے واضح ہو جاتا ہے:

''تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کے بل پر نجات نہ پائے گا''۔ صحابہ نے عرض کی: ''کیا آپ بھی اے اللہ کے رسولؐ''؟ فرمایا: ''میں بھی نہیں، سوائے یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے''

چنانچہ بندوں کے اعمال خدا کی کسی ایک نعمت کا بھی بدلہ نہیں۔

ابو الملیح کہتے ہیں:

موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دریافت کیا:

''شکر کی بہترین صورت کیا ہے؟''

جواب آیا:

''یہ کہ ہر حال میں تم میرا شکر کرتے رہو''۔

جریری ابوالورد سے، اور وہ جلاح سے اور وہ معاذ بن جبل سے روایت کرتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو کہہ رہا تھا: اللھم إنی أسألک تمامَ النعمة ''خدایا مجھ پر نعمت کا اتمام فرما''۔ تب آپؐ نے اس شخص سے فرمایا: ''جانتے ہو نعمت کا اتمام کیا ہے؟'' آدمی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول بس میری زبان پر یہ دعا آ گئی اور میں اِن (الفاظ) سے اپنے رب سے خیر پانے کا خواستگار ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نعمت کا اتمام یہ ہے کہ آدمی دوزخ سے سلامت رہے اور جنت میں داخلہ پائے''

سہم بن سلمہؒ کہتے ہیں: ''مجھے اہل علم سے پتہ چلا ہے کہ آدمی کھانے کے شروع میں اللہ کا نام لے اور کھانا ختم کر کے اللہ کی تعریف کرنے لگے تو اس سے اس کھانے کی نعمت کی بابت سوال نہیں کیا جاتا''۔

عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں: بیان کیا ہم سے مثنی بن الصباح نے بروایت عمرو بن شعیب، بروایت ان کے والد، بروایت ان کے دادا، کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

''دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس انسان میں پائی جائیں اسے خدا کے ہاں صابر اور شاکر لکھ دیا جاتا ہے اور جس آدمی میں یہ نہ پائی جائیں اسے خدا کے ہاں صابر اور شاکر نہیں لکھا جاتا: جو شخص دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر دیکھتا ہے اور اپنے سے بہتر شخص کی اقتدا کرنے لگتا ہے......اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے دیکھتا ہے اور اپنے سے کم شخص کو نظر میں رکھتا ہے تب وہ اللہ کی تعریف کرنے لگتا ہے کہ مالک نے اس پر کتنا فضل کیا......ایسے شخص کو خدا اپنے ہاں صابر اور شاکر لکھ لیتا ہے مگر وہ شخص جو دین کے معاملے میں اپنے سے نیچے دیکھتا ہے اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے اوپر دیکھتا ہے اور یہ دیکھ دیکھ کر کفِ افسوس ملتا ہے

کہ ہائے اسے دنیا کی فلاں اور فلاں چیز نہ ملی تو ایسے شخص کو اللہ اپنے ہاں صابر اور شاکر نہیں لکھتا''

اسی اسناد سے عبداللہ بن عمروؓ سے ایک موقوف روایت آتی ہے:

''چار باتیں جس شخص میں پائی جائیں اللہ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے:

جس کا بات بات پر سہارا لا الہ الا اللہ کا کلمہ ہو،

جسے مصیبت آئے تو وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہو،

اسے کچھ ملے تو الحمد للہ کہتا ہو،

کوئی گناہ ہو جائے تو أستغفر اللہ کہنے لگ جاتا ہو۔

ابن ابی الدنیا کہتے ہیں: مجھے کسی دانا کی یہ بات ملی ہے کہ: اللہ اپنی نافرمانی پر کبھی بالکل بھی عذاب نہ دے تب بھی اس کی نعمت کے پاس کا تقاضا ہے کہ اس کی نافرمانی نہ ہو!''۔

آدمی خدا کے دو قسم کے حقوق کا اسیر ہے:

خدا کے انسان پر دو قسم کے حقوق ہیں اور ان کی قید سے وہ عمر بھر آزاد نہیں ہوتا۔ ایک اس کا امر اور نہی ہے اور جو کہ خدا کا خالص حق ہے جسے ادا کر دینا آدمی کا فرض ہے اور دوسرا اس کی نعمتوں کا شکر کرنا جو کہ وہ انسان پر کرتا ہی رہتا ہے۔

خدا انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ

- اس کی نعمتوں کا پاس کرتا اور ان پر شکر گزار ہوتا رہے
- اور اسے جو جو حکم دیا جائے وہ اسے پورا کرے

اور یہ دونوں کام کرنے میں اپنے قصور اور کوتاہی کا برابر اعتراف کرتا رہے...... اور اس بات کا ادراک کرتا رہے کہ ہر دو معاملہ میں وہ بخشش اور مغفرت کیلئے

خدا کا ہر دم ہی محتاج ہے اور یہ کہ اگر اس کو خدا نے اپنی رحمت سے نہ سنبھالا تو اس کے تباہ ہو جانے میں کوئی بھی شک نہیں۔ انسان میں دین کی سمجھ اور تفقہ جس قدر بڑھتا ہے اتنا ہی وہ اپنے ان ہر دو فرض کا ادراک اور احساس زیادہ کرنے لگتا ہے۔ جتنا اس کا دین میں درجہ بلند ہوتا ہے اتنا ہی وہ اس ادائے فرض میں اپنے قصور کا بڑھ کر اعتراف کرتا ہے۔ دین بس یہی نہیں کہ آدمی ظاہری طور پر گناہوں کو چھوڑ دے۔ دین کا مطلب تو دراصل یہ دیکھنا ہے کہ وہ کونسی بات ہے اور کونسی ادا ہے جو خدا کو خوش کر جائے۔ اکثر دیندار ان باتوں کو بس اتنی ہی توجہ دیتے ہیں جتنی کہ عوام الناس کے ہاں ضروری جانی جاتی ہے!

رہا یہ کہ آدمی جہاد کا فرض ادا کرے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے، اللہ اور رسول ؐ کی خاطر خدا کے بندوں سے ہمدردی کرے اور ان کی بھلائی اور نصیحت کیلئے دوڑ دھوپ کرے اور یہ کہ اللہ کی اور اس کے رسول ؐ کی اور اس کے دین کی اور اس کی کتاب کی نصرت کرے...... تو یہ فرائض ان کے وہم وگمان تک میں نہیں آتے...... کجا یہ کہ وہ اس کے لئے عزائم جوان رکھتے ہوں اور یہ تو خیر اس سے بھی بڑی بات ہے کہ وہ ان فرائض کی بالفعل ادائیگی میں مصروف ہوں۔

جو شخص دین میں جتنا پیچھے ہوگا اور جتنی اس کی اللہ کے ہاں وقعت کم ہوگی اتنا ہی وہ ان عظیم فرائض کو ترک کرے گا چاہے بظاہر وہ دنیا کا بڑا زاہد کیوں نہ ہو۔ چنانچہ آپ کم ہی یہ دیکھیں گے کہ کسی دیندار کا خدا کی خاطر غصے میں آکر چہرہ لال ہوا ہو یا وہ کہیں اللہ کی نافرمانی دیکھ کر سیخ پا ہوا ہو...... یا یہ کہ اللہ کے دین کو نصرت دینے میں اس نے اپنی عزت پر کوئی حرف آنا گوارا کیا ہو۔ ایسے دنیدار سے تو وہ گنہگار اچھے جو اللہ کیلئے خوش ہونا اور اللہ کیلئے غصہ کرنا جانتے ہوں۔ ابو عمر و دیگر اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ اللہ نے اپنے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ وہ ایک بستی کو زمین میں دھنسا آئے۔ فرشتے نے عرض کی۔ اے میرے رب وہاں تو فلاں زاہد اور عابد شخص بستا ہے۔ اللہ نے فرشتے کو حکم دیا: ''اسی سے شروع کرو۔ برائی کو دیکھ کر کبھی ایک دن بھی اس کی حالت غیر نہیں ہوئی''۔

یہ تو ہوا امر و نہی کے معاملہ میں بندگی و شکر گزاری کا معاملہ۔ جہاں تک شکر کی دوسری صورت کا تعلق ہے یعنی نعمت کا پاس اور اعتراف کرتے رہنا، تو اعترافِ نعمت کا تقاضا ہے کہ آدمی کی نظر سے اپنی ہر اچھائی اور ہر نیکی روپوش ہو جائے، چاہے اس نے دنیا جہان کے نیک اعمال کیوں نہ کر لئے ہوں...... کیونکہ اللہ کی نعمتیں اس پر ہیں ہی اتنی کہ اس کے اعمال کا اللہ کی ان نعمتوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ اللہ کی تو چھوٹی سے چھوٹی نعمت بھی اتنی بڑی ہے کہ آدمی کے بڑے سے بڑے عمل پر ایک وہی بھاری پڑ جائے۔ چنانچہ بندے کا صحیح مقام صرف مقامِ بندگی کا احساس ہے۔ بندے کے لائق بس یہی بات ہے کہ اس کی نگاہ ہر دم خدا کے حق اور اپنے قصور پر ٹکی رہے اور خدا کا حق تو اس کی نظر سے کسی لمحے روپوش نہ ہو۔

چنانچہ اعترافِ نعمت اور احساسِ فرض...... دو ایسی چیزیں ہیں جو بندے کی نظر سے اس کی ہر اچھائی اور ہر نیکی کو روپوش کرا دیتی ہیں۔ آدمی ہر وقت اپنے قصور کا معترف رہتا ہے۔ سب کچھ کر کے بھی معافی کا خواستگار ہوتا ہے اور ہر معاملے میں اپنے نفس کو ملزم ٹھہراتا ہے۔

اعترافِ نعمت اور احساسِ فرض...... آدمی خدا کی رحمت کے کتنا قریب ہوتا ہے جب وہ ان دو خوبصورت احساسات کے بیچ میں بستا ہے۔ کچھ کر دینا تو بڑی بات ہے خدا کے حق میں تو احساس کا حق ادا کر لینا بھی آسان نہیں۔

خدایا بس تیرا سہارا!

(استفادہ واختصار از: عدة الصابرین و ذخیرة الشاکرین

مؤلفہ امام ابن القیم)

فاعبدہ واصطبر لعبادتہ

صبراورثبات

''صبر اور نماز سے مدد لو، بیشک یہ ایک سخت مشکل کام ہے، مگر ان فرمانبرداروں کیلئے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخرکار انہیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے''

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''

کیا کوئی خاص سبب ہے کہ خدا کے راستے میں بڑھنے اور مدد پانے کیلئے صبر اور صلوۃ ناگزیر ہیں؟ ان دونوں آیتوں میں آخر 'صبر' کو 'صلوۃ' سے بھی پہلے کیوں لایا گیا ہے؟

'صبر' کی بابت آیئے امام ابن القیمؒ کی مجلس سے ایک سبق پڑھتے ہیں۔ کتاب ہے: **عدۃ الصابرین و ذخیرۃ الشاکرین**۔ یہاں ہم کتاب کے چند ابتدائی ابواب سے ہی کچھ موتی چنیں گے۔

عربی کے یہ مقاطع ہم اپنے انداز میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

☆☆☆☆☆

صبر کی تعریف:

جنید بغدادیؒ سے دریافت کیا گیا: صبر کیا ہے؟

کہا: ''بندگی کی راہ میں آدمی کڑواہٹ کا گھونٹ یوں بھر جائے کہ ماتھے پہ بل نہ آئے''، یعنی آدمی بندگی کا بھرم نہ جانے دے!

عمرو بن عثمان مکی کہتے ہیں:

''صبر یہ ہے کہ آدمی خدا کے ساتھ کھڑا رہے اور بُرے سے بُرے وقت میں بھی آدمی کا قدم نہ ڈگمگائے''

ابو محمد حریری صبر کی جو تعریف کرتے ہیں وہ البتہ محل نظر ہے...... کہتے ہیں:

''صبر یہ ہے کہ آسائش اور آزمائش دونوں ہی آدمی کی نگاہ میں اپنا فرق کھو دیں اور ہر دو صورت میں آدمی خاطر جمع رکھے''۔

یہ آخری تعریف البتہ درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات نہ تو انسان کے بس میں ہے اور نہ شرعاً انسان اس کا مامور۔ آسائش اور آزمائش میں فرق کرنا انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کو نظر انداز کرنے کا پابند انسان کو نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کا بس کسی بات پر ہے تو وہ یہ کہ انسان ہر حال میں اپنے آپ پر قابو پائے اور نفس کو خدا کا فرماں بردار رکھے۔ پس صبر یہ نہیں کہ نعمت اور مصیبت آدمی کی نگاہ میں یکساں ہو کر رہ جائیں۔ بندگی کی راہ میں عافیت نصیب ہو تو اس جیسی تو کوئی بات ہی نہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی مشہور دُعا کے الفاظ ہیں:

ان لم يكن بك غضب علي فلا أبالي غير أن عافيتك أوسع لي

''خدایا (میری اس آزمائش کے پیچھے) اگر تیرا مجھ پر غضب نہیں تو پھر مجھے (اس آزمائش کی) کچھ پروا نہیں۔ پھر بھی اگر تیری عافیت نصیب ہو تو اس میں میں البتہ کہیں بڑھ کر کشادگی پاتا ہوں''

رسول اللہ ﷺ کا یہ قول آپ ﷺ کے اس قول سے متعارض نہیں: ما أُعْطِيَ أحدٌ عطاءً خيراً و أوسعَ مِنَ الصبرِ ''صبر سے بہتر اور کشادہ تر نعمت کسی کو آج تک نصیب نہیں ہوئی'' دراصل اس موخر الذکر حدیث کا تعلق اس حالت

سے ہے جب آدمی کو آزمائش پڑ ہی جائے۔ رہا آزمائش سے پہلے، تو کشادگی عافیت میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

☆☆☆☆☆

صبر کی تعریف ویسے یوں بھی کی گئی ہے:

''صبر نفس کے دلیر ہو جانے کا نام ہے''

''صبر یہ ہے کہ جذبات کی بھگدڑ میں آدمی کا دل اپنے ہاتھ میں رہے اور خدا کی فرماں برداری تب بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے''۔

''صبر یہ ہے کہ بندگی کی راہ میں آدمی نفس کو واویلا نہ کرنے دے۔ واویلا کم دلی اور نامردی کا نام ہے تو صبر ہوشمندی اور پامردی کا''۔

'دنیا دراصل ایک دلفریب گزرگاہ ہے۔ اس کے ختم ہوتے ہی یا تو بہشت کی حسین وادی شروع ہو جاتی ہے یا پھر ایک دم دوزخ کا ہولناک گڑھا آتا ہے۔ البتہ یہاں آپ پیدل نہیں۔ اس گزرگاہ کو عبور کرنے کیلئے جو کہ یک دم جنت یا جہنم پہ ختم ہو جاتی ہے، ہر شخص کو ایک سواری حاصل ہے۔ یہ انسان کا نفس ہے۔ سواری کیا ہے ایک اسپِ خودسر ہے۔ صبر اب جس قابلیت کا نام ہے وہ ہے اس شترِ بے قابو کی لگام ہاتھ میں کرنا اور اس سرکش سواری کو عین وہ جہت دے رکھنا جو کہ سواری اور سوار دونوں کو سلامت پار لگا دے۔ پس جنت یا جہنم میں جا پہنچنے کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ ''لگام کیونکر برتی گئی''......خدایا خیر!

''صبر، یوں سمجھو، برداشت کر جانے کا نام ہے۔ برداشت کئے بنا چارہ نہیں۔ یہاں کر لو یا وہاں۔ حق یہ ہے کہ ''خدا کے ممنوع ٹھہرائے ہوئے'' امور برداشت کرنا اس سے کہیں بہتر اور وارے کا ہے کہ تمہیں خدا کا ''عذاب'' برداشت کرنا پڑے۔ پس سوال صبر کرنے یا نہ کرنے کا نہیں، سوال صرف یہ ہے کہ آپ کونسا صبر کرنا چاہتے ہیں، آج جب اس کا فائدہ ہے یا کل

جب صبر کریں تو فائدہ نہیں اور بے صبر ہوں تو فائدہ نہیں ! ؟ جب عذاب بھگتنے والے کہیں گے:

سواءٌ علینا أجزعنا اَم صبرنا مالنا من محیص (ابراہیم: ۲۱)

''(اب) ہم واویلا کریں یا صبر۔ ایک برابر ہے۔ نکلنے کی اب ہمارے لئے کوئی راہ نہیں''

☆☆☆☆☆

'صبر' کی ایک اور بھی تعریف کی گئی ہے......

نفس کے اندر خدا نے دو قوتیں ودیعت کر رکھی ہیں۔ قوتِ اقدام اور قوتِ توقف۔ 'صبر' اس ہنر کو پانے کا نام ہے جس کی بدولت آدمی اپنی قوتِ اقدام کا تمام تر رخ سودمند اشیاء کی جانب پھیر دے جبکہ اپنی قوتِ توقف کو نقصان دہ امور پر مرکوز رکھے۔ گویا یہ 'تلوار' اور 'ڈھال' کا بیک وقت استعمال ہے جس میں 'حوصلہ' اور 'دانش' بھرپور طور پر برتی گئی ہو۔ زندگی کی جنگ لڑنے کا یہ طریقہ 'صبر' کہلاتا ہے۔

اب اس لحاظ سے مختلف لوگوں کا معاملہ مختلف ہے......

کچھ لوگ ہیں جن میں سودمند امور کے 'حصول' کے معاملہ میں برداشت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ جبکہ نقصان دہ امور سے 'بچاؤ' کے معاملہ میں یہ اس درجہ کا صبر نہیں رکھتے۔ پس عبادت اور ریاضت میں صبر کر لینا یہ اپنے لئے آسان پاتے ہیں البتہ خواہشات اور خدا کے حرام کردہ امور کی کھینچ کے آگے یہ بے بس ثابت ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس کچھ لوگ ہیں جو خدا کی نافرمانی سے بچنے کے معاملہ میں صبر زیادہ بہتر طور پر کر لیتے ہیں البتہ نیکی اور عبادت کی مشقت سہہ لینا ان کیلئے دشوار رہوتا ہے۔

جبکہ کچھ لوگ ہیں جو نہ اس انداز کا صبر کریں اور نہ اس انداز کا۔

بہترین لوگ البتہ وہ ہیں جن کو صبر کی یہ دونوں صورتیں نصیب ہوں۔

چنانچہ کتنے ہی لوگ آپ دیکھتے ہیں، سردی ہو یا گرمی راتوں کو تہجد نہیں چھوٹتی۔ روزوں کی مشقت خوشی خوشی سہہ لیتے ہیں، جو کہ بے حد مستحسن ہے۔ البتہ نظر ہے کہ قابو میں نہیں۔ آنکھ خدا کی نافرمانی سے نہیں چوکتی۔ دوسری جانب دیکھئے۔ ایسے لوگ ہیں جو گناہوں سے بچنے کا معاملہ خاصا اچھا نبھا لیتے ہیں۔ 'پرہیز گاری' خوب نصیب ہوئی ہے۔ البتہ جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ان کو بلاتا ہو، جہاں کفار اور منافقین کے خلاف جہاد مطلوب ہو، جہاں باطل کے روبرو کلمۂ حق بلند کرنے کا مقام ہو...... وہاں ان میں گویا حوصلہ ہے اور نہ جان۔ یہاں البتہ یہ پامردی کا ثبوت نہیں دے پاتے۔

☆☆☆☆☆

'صبر' کی ایک اور بھی تعریف کی گئی ہے جو کہ بے حد خوبصورت ہے......

نفس کی دنیا دراصل کچھ اس نقشے پہ بنی ہے کہ اس میں دو فریق ہر دم برسر جنگ رہتے ہیں۔ ایک جانب عقل و ہوش کا لشکر ہے تو دوسری جانب اھواء وخواہشات کا۔ ایک جانب دین ہے تو دوسری جانب ہوائے نفس۔ جیت ہار تو متحارب فریقین میں چلتی ہی ہے۔ اس جنگ کا میدان انسان کا شعور بنتا ہے اور اس کا دل۔ انسان کی اپنی ذات میں ایک جنگ برپا ہو تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ خود اس میں غیر جانبدار رہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ممکن ہی نہیں۔ پس یہ انسان ہے جو چاہے اِس فریق کی جیت کروا دے یا اُس فریق کی۔

'صبر' اب جس چیز کا نام ہے وہ یہ کہ: اپنے قلب وشعور میں جاری اس جنگ کے اندر انسان خواہش اور ہوائے نفس کے برمقابل عقل ودین کا واضح طرفدار بنے اور اِس فریق کو اُس فریق پر مسلسل فتح دلوائے۔ پس درون کی اس جنگ میں دین اور عقل کا پلڑا بھاری کروا دینے کا نام ہی 'صبر' ہے۔

☆☆☆☆☆

حقیقتِ صبر کتنی جہتوں سے بیان ہوتی ہے؟

صبر ایک ایسی عظیم حقیقت ہے جس کیلئے لغت میں بے شمار الفاظ اور تعبیرات مستعمل ہیں۔ گویا یہ اس کی مختلف جہتیں ہیں۔ ان سب جہتوں سے دیکھیں اور غور کریں تو گویا 'دین' بس 'صبر' ہی کا نام ہے۔

'صبر' نفس کی ایک اختیاری حالت کا نام ہے۔ اس کا مطلب ہے نفس کا اپنی ایک ایسی خواہش پر جو حق سے متصادم ہے فتح پا لینا اور اس کے مقابلے میں حق کی جیت کروا دینا۔ نفس کی یہ حسین کیفیت البتہ انسان کے اندر سو رنگ میں جھلکتی ہے۔ اس کا ایک مختصر جائزہ اب ہم یہاں لیں گے:

...... فحش و بے حیائی کے مقابلے میں نفس کا صبر کر رکھنا 'عفت' کہلاتا ہے۔ اس معنی میں صبر کا متضاد ہو گا گراوٹ اور بے شرمی۔

...... لغویات کے بالمقابل نفس کا صبر کر رکھنا 'سنجیدگی' کہلاتا ہے اور اس کا متضاد ہو گا بے ہودگی۔

...... خواہشِ شکم کے مقابلے میں ضبطِ نفس نصیب ہو تو صبر کی اس حالت کو 'بے لوثی' اور 'بے غرضی' کہا جائے گا، رال پہ انسان کو قابو ہو اور اس معاملہ میں آدمی اپنے آپ کو ہلکا پڑنے اور بے عزت ہونے سے روک رکھے تو اس کو 'سیر چشمی' کہا جائے گا۔ اس پہلو سے صبر کا متضاد ہو گا خِست، کمینگی، ندیدہ پن اور خود غرضی۔

...... زبان پہ قابو ہو یہی صبر پھر صداقت، صاف گوئی، عیب پوشی اور نرم خوئی کی صورت انسان کے اندر دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس معنی میں صبر کا متضاد ہو گا ہذیان، دروغ، گالی گلوچ، غیبت، بہتان، رگیں پھلانا اور اوٹ پٹانگ بکنا۔

...... عیش پسندی کے مقابلے میں نفس کا صبر کئے رہنا پھر 'زہد' کہلاتا ہے۔ اس کا متضاد ہے دنیا طلبی اور تن پرستی۔

...... اپنی ضرورتوں کو قابو میں لے آنا ...... نفس کی اس حالت کو 'قناعت' کہا جاتا ہے۔ اس پہلو سے صبر کا متضاد ہے حرص اور بوالہوسی۔

...... طیش میں نفس قابو رہے تو صبر کی یہ حالت 'بردباری' کہلائے گی اور اس کا متضاد، اشتعال اور اوت پن۔

...... رویہ واسلوب کے معاملہ میں حالتِ صبر کو 'وقار'، 'متانت' اور 'طبیعت کے ٹھہراؤ' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا متضاد ہے عجلت، بھڑک پن، جھنجلاہٹ اور شخصیت کا ہلکا پن۔

...... اندیشے جو انسان کو حق سے برگشتہ کریں اور خطرے جو انسان کو بلندیوں کی جانب بڑھنے سے روکیں، نفس کا ان کو جھیل جانا اور ان کے مقابلے میں ڈٹ جانا 'شجاعت' اور 'بسالت' کہلاتا ہے۔ صبر کی اس حالت کا الٹ ہے بزدلی اور بوداپن۔

...... اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے پر آدمی قدرت پالے تو آدمی کا اس وقت اپنے آپ کو سنبھال لینا اور خود کو حق کا اسیر کر لینا 'تسامح' اور 'بلند اخلاقی' کہلاتا ہے۔ اس پہلو سے صبر کی ضد ہے منتقم مزاجی اور شتر کینگی۔

...... مال کی محبت کے مقابلے میں انسان کا نفس پر فتح پا لینا ...... کسی بلند مقصد کیلئے دولت کا فراق آرام سے سہہ جانا 'سخاوت' کہلاتا ہے۔ نفس کے 'صبر' کے اس مقام کو نہ پہنچ پانا بخل کہلاتا ہے۔

...... سستی وکم ہمتی کے مقابلہ میں انسان کا نفس پر فتح پانا 'جفاکشی' کہلاتا ہے۔ اس معنی میں صبر کا متضاد ہے کسالت اور نکما پن۔

...... دوسروں کا احسان لینے کا روادار نہ ہونا اور عزت نفس کی خاطر ہر قسم کی صورتحال سہہ جانا خودداری کہلاتا ہے۔

...... کسی دوسرے کے بوجھ کو اپنا بوجھ بنا لینا، اور اس کیلئے جو سہنا پڑے سہہ جانا، مروت کہلاتا ہے۔

...... انصاف کی بات کرنا کسی وقت جان جوکھوں کی بات ہو، کسی کی حق بات تسلیم کرنا اور انصاف کی کڑواہٹ سہنا دل گردے کا کام ہو تو حق پرستی ہی صبر کا دوسرا نام ہو جاتا ہے۔

...... اعلیٰ ظرفی بھی ایک حوصلہ طلب کام ہے۔ظرف رکھنا صبر ہی کی ایک صورت ہے۔

یوں سمجھئے صبر کے بے شمار نام ہیں اور بہت سے عنوان۔کوئی اعلیٰ و برگزیدہ کام انجام دیتے ہوئے، کسی نازیبا فعل سے دستکش رہتے ہوئے ......غرض ہر موقعہ اور ہر مناسبت پر 'صبر' کی کوئی نہ کوئی صورت ایک با مقصد انسان کو درپیش رہتی ہے۔صبر کی حقیقت معلوم ہو جائے تو آپ محسوس کریں گے دین سارے کا سارا صبر ہے جو کبھی کسی صورت میں ظاہر ہوگا تو کبھی کسی صورت میں۔'صبر' گویا 'بندگی' کی حقیقت پر کاربند رہنا ہے اور 'بندے' کے لائق مقام پر برقرار رہنا۔

ظاہر ہو یا باطن، شعور و احساس ہو یا عمل، گفتار ہو یا کردار......نفس کا عظمت کی جانب بلند ہونا اور پھر بلندی پہ ٹھہرا رہنا جس مسلسل عمل کا مرہون منت ہے اس کو دین میں 'صبر' سے تعبیر کیا گیا ہے پھر کیوں نہ ہو جو قرآن میں کہہ دیا جائے:

انما يُوَفّى الصَّابِرُونَ أجرَهُم بِغَيْرِ حِسَاب (الزمر:١٠)

''صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا''۔

☆☆☆☆☆

صبر کی اقسام اور صبر کی مکلّف مخلوقات:

صبر دو قسم کا ہے: جسمانی اور ذہنی۔

جسمانی صبر: جیسے محنت مشقت سہنا، بیماری، چوٹ، درد، گرمی سردی وغیرہ برداشت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

ذہنی صبر: جیسے دکھ، افسوس، پریشانی، کسی عزیز کی فرقت یا کسی نقصان کا برداشت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

پھر صبر کی یہ ہر دو صورت مزید دو صورتوں میں تقسیم ہوتی ہے: اختیاری اور اضطراری۔ یعنی ایک وہ صبر جو آپ اپنی مرضی سے اور اپنے اختیار کردہ راستے میں کرتے ہیں چاہے وہ جسمانی ہو یا ذہنی۔ اور ایک وہ صبر جو آپ کو کرنا ہی پڑتا ہے اور جہاں آپ ہیں ہی بے بس۔

اب یہ صبر اختیاری اور صبر اضطراری کی تقسیم بے حد اہم ہے......

جہاں تک صبر اضطراری کا معاملہ ہے تو یہ انسان کیا جانور سب کو پیش آتا ہے۔ یہ ہم انسانوں کو بھی ویسے ہی درپیش ہوتا ہے جس طرح کہ جانوروں کو۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ صبر کی اس قسم میں، یعنی جہاں ہو ہی بے بسی اور جہاں کوئی چارۂ کار اور کوئی جائے فرار ہی نہ ہو، بعض جانور انسان کی نسبت کہیں زیادہ ہمت برداشت کے مالک ثابت ہوئے ہیں۔ انسان کا جانوروں سے امتیاز اگر کوئی ہے تو وہ ہے صبر اختیاری۔ خواہ جسمانی صبر کا معاملہ ہو یا ذہنی صبر کا۔

تاہم بہت سے لوگ صرف انہی معاملات میں صبر وحوصلہ اور ہمت و برداشت کا مظاہرہ کر پاتے ہیں جن میں وہ اور چوپائے برابر کے شریک ہیں۔ یعنی جہاں کوئی چارۂ کار ہی نہ ہو۔ یعنی صبر اضطراری۔ رہا یہ کہ کسی مقصد کی خاطر آپ کوئی راستہ چلیں، جہاں صبر کرنے نہ کرنے اور حوصلہ دکھانے نہ دکھانے کا آپ کو اختیار ہو...... یعنی صبر اختیاری، تو یہ بہت کم لوگوں کے نصیب میں آتا ہے۔

☆☆☆☆☆

کیا جنات بھی انسانوں کے ساتھ صبر کی اس قسم (یعنی صبر اختیاری) میں مشترک ہیں؟

جی ہاں۔ کیونکہ شرعی امر و نہی کا مکلّف ہونے کی بنیاد ہی یہ ہے...... یعنی صبر اختیاری...... انسان کا آپ اپنی مرضی سے تکلیف اٹھانا...... آپ اپنی مرضی سے اپنے مرغوبات نفس کو چھوڑ دینا...... تو اب جنات بھی جب انسانوں کی طرح 'مکلّف'

ہیں تو مکلّف ہونے کی اس اساس میں بھی وہ ہمارے ساتھ مشترک ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مکلّف ہونے کی بعض عملی صورتوں کے اندر ہم میں اور ان میں کچھ معاملات کا فرق ہو۔

☆☆☆☆☆

کیا ملائکہ بھی صبر کی اس صورت میں ہمارے ساتھ مشترک ہیں؟

معاملہ یہ ہے کہ ملائکہ کو خواہشات نفس کے ساتھ پالا نہیں پڑا۔ جہاں تک عالم بشر کا معاملہ ہے، اور عالم جنات کا بھی، تو ایک طرف ان کو عقل اور علم اور دین عطا ہوا ہے تو دوسری جانب خواہشات وشہوات۔ ان دونوں عوامل کی کھینچا تانی ہی وہ اصل بنیاد ہے جہاں 'صبر' کا تصور معرض وجود میں آتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے کہا صبر کی تعریف ہی یہ ہے کہ آدمی عنصرِ علم وعقل ودین کو اپنی ذات میں عنصرِ خواہش وشہوت پر فتح دلائے اور یوں اپنے وجود میں آپ اپنے اختیار سے، اور حوصلہ وہمت سے بھرپور کام لیتے ہوئے، حق کا قیام کروائے۔

پس ملائکہ کو امتحان کی یہ صورت درپیش ہی نہیں۔ ان کے حق میں عبادت اور اطاعت یوں ہے جیسے ہمارے حق میں سانس لینا۔ پس ملائکہ کو صبر کی یہ صورت تو درپیش نہیں۔ ان کے حق میں صبر کی کوئی اور صورت ہوسکتی ہے جو ان کے لائق مقام ہو۔ یعنی اپنی تخلیق کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے معاملہ میں ان کا ثبات و استقلال۔ البتہ 'خواہش' اور 'ہوائے نفس' کے ساتھ دوبدو ہونے کی آزمائش سے وہ محفوظ ہیں اور 'طبیعت'، 'مزاج' اور 'جبلت' وغیرہ کے ساتھ جھپٹنے پلٹنے کی کوئی مہم بھی ان کو درپیش نہیں۔

☆☆☆☆☆

ہم میں کا کوئی انسان پس جب 'صبر' اختیار کرتا ہے...... یعنی اس میں جو داعیۂ دین وعلم خدا نے رکھ دیا ہے وہ اس میں پائے جانے والے داعیۂ ہوس وخواہش پہ جب

بھاری پڑ جائے ......تو اس کو فرشتوں سے ایک نسبت ہونے لگتی ہے۔ اور اگر اس میں داعیۂ ہوس وخواہش ہی زور آور ہو یہاں تک کہ وہ اس میں پائے جانے والے داعیۂ دین وعلم کو مات دے دے تو اس کو نسبت شیاطین سے ہے۔ اور اگر داعیۂ طبیعت وجبلت مانند پیٹ پوجا، جسمانی مطالب وجنسی ضروریات ہی اس پر حاوی ہو کر رہے اور اس کے اندر ودیعت کئے گئے داعیۂ عقل وفہم کو دبا ڈالے تو اس کو نسبت پھر چوپایوں سے ہوتی ہے۔

قتادہ کہتے ہیں: خدا نے فرشتے پیدا کئے گویا عقول ہیں ہوس کا نام نہیں۔ جانور پیدا کئے گویا مجسم ہوس ہیں عقول نام کو نہیں۔ البتہ انسان کو پیدا کیا تو اس میں عقل بھی رکھ دی اور ہوس بھی۔ اب جس شخص کی عقل وہوش اس کی ہوس پہ بھاری پڑ جائے وہ انسان ہو کر گویا فرشتہ ہے۔ اور جس کی ہوس اس کی عقل کو چلتا کرے تو وہ انسان ہو کر گویا جانور ہے۔

☆☆☆☆☆

سونے پہ سہاگہ!!!

اب ایک اور بات پر ذرا غور کرو......

انسان پیدا ہوتا ہے تو ناقص حالت میں پیدا ہوتا ہے۔ کھانے پینے کے سوا تب کوئی اور اشتہا خدا نے اس میں نہیں رکھی ہوتی۔ جہاں تک 'صبر' کا تعلق ہے تو اس مرحلہ میں اس کا اور جانوروں کا سمجھو ایک سا معاملہ ہے۔ یعنی صبر وہاں جہاں بے بسی ہو۔ اختیاری فیصلے کا اور اپنی خواہش کو آپ اپنی مرضی سے قابو میں لانے کا ابھی اس کو شعور ہی نہیں ہوتا......تا آنکہ ہوش کی عمر شروع نہ ہو جائے۔

پھر جب اس میں کھیل کود کی اشتہا آتی ہے تو کچھ نہ کچھ فیصلہ واختیار کی صلاحیت بھی اس کو مل جاتی ہے مگر یہ بڑی حد تک موہوم رہتی ہے۔

پھر جب یہ اس عمر کو پہنچتا ہے جب اس میں جنسی تسکین کی اشتہا پیدا ہو، تو تب تک اس میں قوتِ صبر واختیار بھی نمایاں ہو چکی ہوتی ہے۔ تب عقل اس کو چلاتی ہے۔ صبر وضبط، شعور اور قوتِ اختیار اس کو پابندیاں قبول کر لینے پر آمادہ کرتی ہے!

مگر عقل وشعور کا یہ راج، جس میں ہوس وشہوت کے باغی لشکروں کو تتر بتر کر رکھا جائے اور خواہشات کو صرف وہاں سر اٹھانے دیا جائے جہاں سلطانِ عقل آپ ہی اس کی اجازت دے...... عقل وشعور کا یہ راج انسان کی ذات میں آپ سے آپ قائم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ہوش میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی ہدایت کی پو بھی ذہن کے افق پر پھٹنے لگتی ہے۔ پھر جوں جوں یہ سن بلوغ کے قریب ہوتا جاتا ہے توں توں اس کے افق پر 'روشنی' بڑھتی جاتی ہے۔ مگر یہ ہدایت اور علم جو یہ عمومی طور پر اپنے ماحول سے لیتا ہے حد درجہ ناقص اور مشتبہ ہوتی ہے۔ یہ کوئی ایسی ہدایت نہیں ہوتی جس سے دنیا وآخرت کے سب مصالح اس پر روشن ہو جائیں۔ ماحول اس کو جو ہدایت دیتا ہے زیادہ سے زیادہ وہ اس کو دنیا کے ہی کچھ مصالح اور مفاسد کا راستہ روشن کر کے دے سکتی ہے۔ ایسا انسان دنیوی سود وزیاں ہی کی بنیاد پر اپنے لئے 'صبر' کا ایک لائحہ تجویز کر پاتا ہے۔ یوں سمجھئے اس کے افق پر پو تو پھٹی اور کچھ نہ کچھ دیکھنا ممکن تو ہوا مگر اس کی فضا ابھی شدید گرد آلود ہے اور دھوئیں کی کالی دبیز تہہ نے اس پر ہنوز پردہ تان رکھا ہے۔ اب اس کے آسمان پر اگر نبوت کا سورج بھی طلوع ہو جائے اور رسالت کی روشنی یوں اس کو میسر آ جائے تو زہے نصیب!!! تب تو اس کے شعور کی دنیا کسی اور ہی انقلاب سے آشنا ہو جاتی ہے۔ تب اس کو وہ اجالا میسر آتا ہے کہ دو جہان اس پر روشن ہو جاتے ہیں۔ تابنا کی اس کا خیر مقدم کرتی ہے۔ راستے کے سب اچھے بُرے پہلو......سب مصالح اور مفاسد ...... جہاں جہاں کوئی ٹھوکر لگ سکتی ہے اور جہاں جہاں سے کچھ غنیمت ہاتھ لگ سکتی ہے......سب کچھ اس کو نصف النہار کی صورت دکھائی دیتا ہے اور 'راستہ' اس کیلئے آخرت تک روشن ہو جاتا ہے۔ اب جب اس پر وہ مہم واضح ہوئی جو دنیا میں آنے کے کارن اس کو

درپیش ہے تو اب یہ ہر وہ ہتھیار اٹھاتا ہے جس کی اس مہم میں اس کو ضرورت ہے اور ہر وہ تدبیر اختیار کرتا ہے جو اس کو صحیح سلامت پار پہنچادے۔

یہ مہم کیا ہے؟ جیسا کہ ہم نے کہا، یہ عقل اور ہوس کی جنگ ہے۔ ہدایت اور خواہش کی ہاتھا پائی ہے۔ شعور اور جبلت کی لڑائی ہے۔ پس:

- سب سے پہلے ضروری ہے کہ اس جنگ کا نقشہ ہی انسان پر واضح ہو جائے۔ اس چیز کو 'یقین' کہا جاتا ہے۔
- اس کے بعد یہ باقی رہ جاتا ہے کہ آدمی یہ جنگ، جس کی حقیقت اس پر واضح ہو چکی، ہوشمندی اور حوصلے کے ساتھ لڑ لے۔ اس چیز کو 'صبر' کہا جاتا ہے۔

پس راستہ روشن ہونا 'یقین' کہلائے گا اور راستہ چل کر دکھانا 'صبر'۔ نہ راستہ روشن ہوئے بغیر کوئی چارہ ہے اور نہ راستہ چلے بغیر۔ دونوں چیزیں ایک دوسری کو مکمل کرتی ہیں اور ایک دوسری کو حد درجہ بامعنی بناتی ہیں۔

'یقین' اور 'صبر'...... ایمان دراصل ان دونوں چیزوں کا نقطۂ اتصال ہے اور 'امامت' کا منصب انہی دو سعادتوں کے بدرجہ اتم پائے جانے پر منحصر:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُون

(السجدۃ: ۲۴)

''ہم نے ان کو امام بنا دیا وہ ہمارے حکم سے ہدایت و رہنمائی (کا فریضہ) سرانجام دیتے تھے۔ (یہ تب ہوا) جب وہ صابر ہوئے اور ہماری آیات پر پختہ یقین رکھنے لگے''

☆☆☆☆☆

'صبر' کی ضد 'شہوات' ہیں تو 'یقین' کی ضد 'شبہات'۔ 'صبر' اور 'یقین' اگر نجات کا توشہ ہیں تو 'شہوات' اور 'شبہات' یہاں شیطان کے ہتھیار۔ ہر دور کی جاہلیت انہی دو ہتھیاروں سے لڑتی ہے۔ آج کی مادی جاہلیت نے بھی خباثت میں جو بے نظیر عروج پایا

ہے اور شیطنت میں جو بے مثال مہارت حاصل کی ہے اس کا راز یہی دو باتیں ہیں: شہوات اور شبہات...... وہی شیطان کا پرانہ طریقۂ واردات۔

یہ بلا شبہ ایک دشوار گزار گھاٹی ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جس کا خدا مددگار رہو۔ بدنصیب وہ ہے جس کو خدا دھتکار دے۔

☆☆☆☆☆

آدم کے بچے! دیکھنا پاؤں بہت سنبھال کر رکھنا۔ دنیا کی یہ سرسبز وادی ایک دم ختم ہو گی۔ اگلا پیر کچھ معلوم نہیں کہاں پڑے۔ 'آنکھ' کھلے تو کچھ معلوم نہیں سامنے کیا آئے، بہشت یا دوزخ۔ واپسی کا راستہ وہاں نہیں۔ یہاں ایک مہلت ہے سو اس کی ضمانت نہیں۔ خدا کے سوا کیا کوئی سہارا ہے؟ پر دیکھنا تو یہ ہے کہ خدا کی جانب تمہارا رخ ہے یا تمہاری پشت؟؟؟ سارا فیصلہ بس اسی ایک بات پر ہو جاتا ہے اور فیصلے کی یہ بنیاد بہت ہی معقول ہے۔ کہو کیا یہ بات غلط ہے؟؟؟

ففروا الی اللہ انی لکم منہ نذیر مبین (الذاریات:۵۰)

''بھاگ آؤ خدا کی طرف۔ میں تو تم کو واضح خبردار کرنے آیا ہوں''

(استفادہ از: عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین، مؤلفہ ابن القیم، ابتدائی ابواب)

میری خامشی فکر ہو،

اور میرا بولنا ذکر،

اور میرا دیکھنا عبرت

اور میرا چلنا جہاد......!!!

''وہ نظروں کی خیانت جان جاتا ہے اور سینوں کے راز اُس پر عیاں ہوتے ہیں''

مسئلے کا آغاز چونکہ 'نگاہ' سے ہوتا ہے، ہم دیکھتے ہیں قرآن میں غضِ بصر کا ذکر حفظِ فرج سے پہلے آتا ہے......

حادثے جب بھی ہوتے ہیں ابتدا نگاہوں سے ہوئی ہوتی ہے......

زیادہ تر 'آگ' چھوٹی چھوٹی 'چنگاریوں' سے بھڑکی ہوتی ہے جو کہ بالآخر آدمی کو اپنی زد میں لے لیتی ہے۔ 'نگاہ' اٹھتی ہے۔ پھر 'خیال' آجاتا ہے، پھر 'قدم' اٹھ جاتے ہیں اور پھر 'گناہ' ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے: جو شخص ان چار محاذوں پر پہرے بٹھا لے اس کا دِین محفوظ ہو جاتا ہے:

نگاہیں، خیالات، کلمات اور اِقدامات

آدمی کو چاہیے وہ ان چار دروازوں پر آپ ہی اپنے نفس کا پہرہ دار بن کر کھڑا رہے۔ ان چاروں جہتوں سے جہاں کہیں کوئی رخنہ آ جانے کی صورت بنے وہیں پر فوری ترین کارروائی کر ڈالے۔ یہ طے ہے 'چور' جب بھی داخل ہوگا یہیں کسی راستے سے سرک کر اندر آئے گا۔ البتہ اگر اسے اپنی 'افواج' اندر لے آنے دیا گیا تب ضرور وہ یہاں کا سب کچھ تلپٹ کر جائے گا اور یہاں کی سب خوبصورت تعمیرات کو خاک میں ملا ڈالے گا۔

پس زیادہ تر گناہوں کو نفس کی دُنیا میں در آنے کیلئے راستہ انہی چار دروازوں سے ملتا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم اِن میں سے ہر ایک کی بابت علیحدہ علیحدہ کچھ گفتگو کریں گے۔

یہ اردو استفادہ ہے ابن القیمؒ کے کلام سے، کتاب ہے الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی[1]

☆☆☆☆☆

(۱) صفحہ ۱۷۸ تا ۱۹۱

'یہ کہ میری خامشی فکر ہو'

آدمی کے اندر اتریں تو اس کو کہاں سے ٹٹولیں؟ کہاں سے پتہ چلے آدمی کا رخ سلامتی کے گھر کی طرف ہے یا بربادی کے کسی گڑھے کی جانب؟

آدمی خود اپنا یہ تعین کیونکر کرے؟

اس کا جواب کچھ اتنا مشکل نہیں۔ ذرا دیکھو تو......تمہاری سوچوں کا دھارا پل پل تمہیں کس طرف کو لے جاتا ہے؟ خیالات کا بہاؤ کچھ کچھ دیر بعد تمہیں کس طرف کو کھینچ لے جاتا ہے؟ سوچیں اور امیدیں اور اندیشے کن باتوں کے گرد بکثرت گھومتے ہیں؟

انسان، عمل کے میدان میں تو محدود حد تک ہی چلتا ہے مگر سوچ اور تفکیر کے اسپِ تیز رفتار پر تو روز بہت دور دور تک گھوم آتا ہے۔ بہشت کی وادیوں کے راستے جن سوچوں اور اندیشوں اور فکروں سے پُر رہتے ہیں وہ کچھ لوگوں کیلئے بہت مانوس ہوتے ہیں تو کچھ کیلئے بہت اوپرے اور انہونے! انسان اپنے مقام کا تعین بس یہیں سے کرسکتا ہے!!!

'سوچیں' انسان کا ایک درست مگر مشکل امتحان ہیں۔ خیر اور شر کے راستے یہیں سے پھوٹتے ہیں تو یہیں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ یہیں سے 'ارادے' جنم لیتے ہیں۔ یہیں سے 'عزائم' پرورش پاتے ہیں اور یہیں سے 'ہمتیں' وجود میں آتی ہیں۔ پس

جو شخص یہاں پا مرد ہے اور یہیں پر اپنی سمت پہ قابو پا لیتا ہے وہ اپنا رخ پھر خود بنا تا ہے اور اپنے نفس کی لگام اپنے ہاتھ میں کر لیتا ہے۔ اور جو یہاں نامردی دکھائے وہ آگے تمام راستہ اپنے ہویٰ و نفس کا غلام رہتا ہے۔ جو شخص 'یہاں' بے ہمت رہے، آگے تباہی کے بہت سے چھوٹے بڑے گڑھے اس کی 'آمد' کے منتظر رہتے ہیں۔

یہی سوچیں اور خیالات جب کسی بے کار سمت میں چلتے ہیں تو بہت جلد خام آرزوؤں میں ڈھل جاتے ہیں۔ ''ایک ایسے سراب کی مانند جسے ریت کے لق ودق میں ایک پیاسا جوئے آب سمجھ کر (چلتا) ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ وہاں 'پہنچتا' ہے تو کچھ بھی تو نہیں پاتا، البتہ خدا کو وہاں پاتا ہے جو اس کو اس کا پورا پورا حساب کر دیتا ہے اور خدا تو ہے ہی سریع الحساب''(۱)

سب سے نامرد اور سب سے کمتر نفس وہ شخص ہے جو 'حقیقت' کی بجائے 'آرزو' پہ رتیجھ جائے اور اسی کے چاؤ میں یہ مختصر زندگی تمام کر دے۔ اس زندگی سے گزرتے وقت یہی ___ یعنی خام آرزوئیں ___ اس کا کل اثاثہ ہوں اور یہی اس کی وہ پونجی اور زیور جسے اس نے زندگی بھر جوڑ جوڑ کر اور سینت سینت کر رکھا ہو۔ اس سے بڑھ کر بھلا کوئی بدقسمت ہے؟ بخدا یہ مفلسوں کا رأس المال ہے اور قلاشوں کا سرمایۂ تجارت۔ یہ ان ہیچ نفسوں کا زادراہ ہے جو 'وصل' کی راہ میں مشقت اٹھانے کی بجائے 'سپنوں' میں ہی راحت پا لیتے ہیں اور جو 'حقیقت' کی لذت چھوڑ کر 'آرزو' سے ہی دل بہلا لیتے ہیں!!!

انسان کی نامرادی یہی ہے۔ آج سستی اور پس ہمتی ہے تو کل حسرت اور ندامت۔ صاحبو! آرزوؤں کی اسیری اور لایعنی اہداف سے وابستگی زندگی کی سانسوں کا بدترین مصرف ہے۔

---

(۱) اشارہ ہے سورۃ النور کی آیت ۳۹ کی طرف

نفس کی عظمت یہ ہے کہ آدمی ہر اس خیال سے بلند ہو جائے جس کی انتہا 'حقیقت' کی بجائے 'آرزو' پہ ہوتی ہو۔ احاطۂ خیال میں اس سوچ کا گزر دشوار کر دے جو اسے دُنیا یا آخرت کی خیر نہ دلوا سکتی ہو۔

مومن کے وارے کی سوچیں وہی ہو سکتی ہیں جو ان چار صورتوں سے باہر نہ ہوں:

- یا وہ اس کو دُنیا کی خیر لا کر دیں
- یا وہ اس کو دُنیا کے نقصان سے تحفظ دیں
- یا وہ آخرت کے فائدے کریں
- یا وہ آخرت کے نقصان سے اس کا بچاؤ کریں

بندے کا کام ہے وہ اپنے گرد انہی چار فصیلوں کا حصار کھڑا کرلے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی سوچ کی ان چاروں جہتوں کو بیک وقت اکٹھا رکھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی جہت ایسی نہیں جس سے وہ کسی وقت غافل ہو جائے۔ نہ دُنیا کا فائدہ اس کی نگاہ سے اوجھل ہو اور نہ دُنیا کے نقصان سے بچاؤ کو کبھی وہ کم اہم جانے، اگرچہ 'دینداری' کا محدود تصور اس سے کتنا ہی تقاضا کرے کہ وہ ان دو باتوں سے غافل ہو جائے...... اور پھر نہ ہی وہ کبھی آخرت کی خیر جمع کرنے سے غافل ہو اور نہ آخرت کے اپنے کسی نقصان سے لاپروا۔

ہاں البتہ ان چہار جہتوں کا بیک وقت مجتمع رہنا کسی وقت ممکن نہ رہے اور فکروں اور اندیشوں کے لشکر اس پر یوں حملہ آور ہوں کہ ہر سمت بیک وقت پورا اترنا اس کے بس میں نہ رہے...... تو پھر ضروری ہے کہ اہم سے اہم تر کو ترجیح دے اور اس جہت کو مقدم جانے جہاں نقصان ہو جانے کا سب سے بڑھ کر اندیشہ ہو۔

پھر، کسی وقت ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک بات ہو تو اہم تر، مگر اس کے چھوٹ جانے کا کچھ بہت اندیشہ نہ ہو۔ اور ایک بات ہو تو کم اہم، مگر اس کے جاتے رہنے کا اندیشہ

زیادہ ہو۔ یوں ایک پہلو سے ایک چیز کو مقدم رکھنا ضروری ہو تو ایک دوسرے پہلو سے دوسری چیز کو۔ اب یہاں ظاہر ہے معاملے کی پیچیدگی بڑھ جاتی ہے۔ اہم تر کو ترجیح دے تو کم اہم تو بالکل ہی ہاتھ سے گیا۔ کم اہم کو مقدم کر لے تو امکان ہے اہم تر ہاتھ سے چلا جائے۔ پھر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ دو بھلائیاں بیک وقت ہاتھ آنے کی ہی نہ ہوں، ایک کا حصول دوسرے کو کھوئے بغیر ممکن ہی نہ ہو۔ اب یہ ہے وہ اصل میدان جہاں آدمی کی عقل اور اس کی دانائی اور اس کے تفقہ کا اصل امتحان ہوتا ہے۔ یہ ہے وہ مقام جہاں رفعت پانے والے رفعت پا گئے اور کامیابی پانے والے کامیابی۔ یہ ہے وہ نقطہ جہاں ناکام رہنے والے درحقیقت ناکام اور نامراد رہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں تم بڑے بڑے دانائی کا زعم رکھنے والوں کو دیکھو گے کہ سونا ہاتھ سے دے کر مٹی لئے جاتے ہیں اور اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ پہ فریفتہ ہوئے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس چیز سے بچتا تو کوئی بھی نہیں، پھر بھی کسی کو یہ خسارہ بڑا وافر ملتا ہے تو کسی کو نسبتاً کم۔

اس معاملے کا دارومدار البتہ اسی اصل بڑے قاعدے پر ہے جس پر دراصل پوری شریعت کا ہی دارومدار ہے اور جو کہ دانائی کی اصل اساس ہے: یعنی دو پیش آمدہ مصلحتوں میں سے، باوجودیکہ دونوں مصلحت ہیں، بڑی کو ترجیح دینا اگرچہ کمتر مصلحت اس سے فوت ہی ہوتی ہو۔ علاوہ ازیں دو مفسدتوں میں سے، باوجودیکہ دونوں مفسدت ہیں، چھوٹی کو اختیار کرلینا تاکہ بڑی میں آدمی بہرحال نہ پڑے۔ چنانچہ ایک مصلحت کو فوت کر لینا تاکہ اس سے بڑی مصلحت فوت نہ ہو اور ایک مفسدت یعنی بُرائی کو اختیار کر لینا تاکہ اس سے بڑی میں آدمی بہرحال نہ جا پڑے...... یہی آدمی کی سمجھ کا اصل امتحان ہے۔

چنانچہ آدمی کے تفکرات اس ڈھب پہ ہونے چاہیں اور اس قاعدہ سے ہرگز تجاوز نہ ہونا چاہیے۔ دُنیا اور آخرت کے سب مصالح اسی پر سہارا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

سب سے اعلیٰ ونفیس سوچ وہ ہے جو خدا اور یوم آخرت سے وابستہ ہو۔ کسی سوچ کی بلندی اس بات پر منحصر ہے کہ وہ آدمی کو کس سمت میں لے کر جانے والی ہے۔ آدمی کا مول دراصل یہیں پر لگتا ہے!!!

خدا سے وابستہ سوچیں طرح طرح کی ہوسکتی ہیں:

- ایک یہ کہ آدمی خدا کی نازل کردہ کسی آیت کی بابت سوچنے میں محو ہو۔ خدا کی اس سے جو منشا اور مراد ہوسکتی ہے اس کیلئے اپنے احاطۂ فہم میں وہ زیادہ سے زیادہ گنجائش نکالنے کی سعی کر رہا ہو۔ خدا نے اپنی آیتیں اس کی ہدایت کیلئے اتار رکھی ہیں تو وہ محض تلاوت کئے جانے کیلئے نہیں۔ تلاوت وسیلہ ہے نہ کہ غایت۔ سلف میں سے کسی کا قول ہے: خدا نے قرآن نازل کیا کہ اسے پڑھ کر 'عمل' برآمد ہو۔ لوگوں نے اس کو پڑھ لینا ہی 'عمل' سمجھ لیا!

- دوسرا یہ کہ خدا کی کسی کائناتی آیت کی بابت سوچے اور اُس پر غور وفکر کرنے میں محو ہو۔ اس سے آدمی خدا کے اسماء وصفات پر استدلال کرے۔ اس میں خدا کی حکمت ودانائی کی داد دے۔ اس میں خدا کے احسان کا اندازہ کرے۔ خدا کی صناعی کا بار بار معترف ہو۔ خدا کے جودوسخا کو بار بار نگاہ میں لائے اور اس کی مہربانی کا خوب خوب اندازہ کرے۔ کائنات میں خدا نے اپنی یہ نشانیاں تو ہر طرف بکھیر دی ہیں اور جہان کو اس سے حسن اور توازن بھی خوب دیا ہے اور اس کو زندگی اور وجود کا وافر سامان بھی بنا دیا ہے۔ ان کو برتتا بھی ہر ایک ہے خواہ یہ خالی 'استعمال' کی صورت میں ہو اور خواہ 'سائنسی استفادہ' کی صورت میں۔ البتہ خدا نے 'اپنے خاص بندے' ان لوگوں کو کہا ہے جن کیلئے یہ واقعتاً خدا کی 'نشانیاں' بن جائیں، یعنی جو ان کے ذریعے خدا تک پہنچیں اور ان نشانات کے پیچھے خدا کی صفات کو کارفرما دیکھیں اور یوں خدا کی ان تخلیقات پر، جن کو خدا نے اپنی آیات کہا ہے، بار بار تدبر کریں...... اور یوں ہر روز خدا کی جانب ایک منزل بڑھیں۔ جبکہ اس غافل شخص کو،

جو کائنات میں بکھرے ان نشانات میں کوئی پیغام نہیں پڑھتا، خدا نے قابل مذمت گردانا ہے۔

"کیا تم دیکھتے نہیں: اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے۔ اس کے ذریعے سے پھر ہم طرح طرح کے مختلف رنگتوں کے پھل نکال لاتے ہیں۔ پہاڑوں (کو دیکھو) کہیں سفید دھاریاں ہیں کہیں سرخ اور کہیں گہری سیاہ۔ مختلف رنگتیں ہیں۔ انسانوں اور چوپایوں اور مویشیوں (کو دیکھو کیسی کیسی) مختلف رنگتیں ہیں۔ خدا سے ڈرنے والے تو اصل میں وہی لوگ ہیں جو 'علم' رکھتے ہیں"۔[1]

_ تیسرا یہ کہ خدا کے احسانات کو توجہ کا مرکز بنائے۔ خدا کی نعمتوں پر مکرر غور کرے۔ اس کائنات کو بنانے اور چلانے والے کو مخلوق کی ضرورتوں کا جس طرح پاس ہے، یہ بات اس کو بار بار متوجہ کرے۔ خدا کی رحمت اور مغفرت کی وسعت کی جانب آدمی کی نگاہ جائے اور بندوں کے ساتھ خدا کی بردباری اس کو بار بار حیران کرے۔

غور وفکر کی یہ تین جہتیں ایسی ہیں کہ آدمی ان کو توجہ دے تو یہ اس کے دِل میں خدا کی معرفت اور محبت کا ایک سیلاب لے آ سکتی ہیں۔ خدا کے معاملہ میں یہاں خوف اور اُمید کا وہ نقطۂ مطلوب آ سکتا ہے جو اس کے وجود کو مجسم عبادت بنا دے۔ اور اگر کبھی ایسا ہو جائے کہ آدمی کی سوچوں پہ یہ تین جہتیں حاوی ہی ہو جائیں اور یوں آدمی کے 'ذکر' میں یہی احساسات عمل پذیر ہوں، تب تو معرفت اور محبت کے بحر میں اس کا دل یوں غوطے لیتا ہے کہ خدا کے رنگ کے سوا اس پر کوئی رنگ ہی باقی نہیں رہتا۔

---

(۱) اشارہ ہے آیت کی طرف:

أَلَـمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفاً أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر: ۲۷-۲۸)

- چوتھا یہ کہ آدمی اپنے نفس کے عیوب پر غور کرے۔ اپنے نفس کی آفتوں کی بابت سوچے۔ اپنے عمل کے عیب بار بار نگاہ میں لائے۔ اپنی نیکیوں کے نقائص پہ متوجہ ہو اور اپنے گناہوں کو یاد کرے۔ سوچ کا یہ دھارا کیسے کیسے انمول فوائد لا کر دیتا ہے، یہ آدمی کے اندازے سے بھی باہر ہے۔ یوں سمجھئے یہ ایک ایسا دروازہ ہے جو ہر ہر خیر کی جانب کھلتا ہے۔ نفسِ امارہ، یعنی نفس کا وہ پہلو جو انسان کو بُرے انجام کی جانب اٹھا کر بھاگتا ہے، اس نفسِ امارہ کو کچلنے میں اس عمل کی افادیت بے مثال ہے۔ نفس کے اس پہلو کو کچل دیا جائے تو نفس مطمئنہ، یعنی نفس کا وہ پہلو جو اس کو خیر کی جانب کشاں کشاں لئے چلتا ہے، خوب پھلتا پھولتا اور آگے سے آگے ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی باگ ڈور نفس مطمئنہ ہی کے ہاتھ میں آ رہتی ہے۔ تب دِل میں ہر دم ایمان کی سرسبزی اور یقین کی شادابی رہتی ہے۔ مملکت دِل میں خیر کی باقاعدہ حکومت ہو جاتی ہے اور خیر کے ہرکارے یہاں ہر طرف دَوڑتے اور مملکت کی فلاح و بہبود کے انتظام میں چوکس اور مستعد پھرتے نظر آتے ہیں۔

- پانچواں یہ کہ آدمی اس فرض کی بابت سوچے جو عین اس لمحے اس سے مطلوب ہے۔ یوں 'فریضۂ وقت' ہی اس کی سوچوں پہ حاوی ہو اور اس کی کل توجہ اس پر مرکوز ہو جائے۔ صاحبِ معرفت ہم اس شخص کو کہیں گے جو ہر کام کیلئے درست وقت کا علم رکھے اور ہر وقت کیلئے درست کام کا۔ دانا وہ شخص ہے جو وقت کو سنبھال لے اور نادان وہ جسے وقت سنبھالے! عارف وہ ہے جو وقت کو چلائے اور عاجز وہ جسے وقت چلائے! آدمی جس لمحے میں ہے عین اس لمحے کے فرض سے غافل ہو جائے تو سب مصالح اور سب نیکیاں اس کی زندگی میں درہم برہم ہو جاتی ہیں۔ مصالح جہاں سے انجام پاتے ہیں وہ ہے 'اوقات کا درست تعین'۔ حکمت کا یہ سرا اس سے چھوٹ جائے تو سمجھو سب کچھ اس سے چھوٹ گیا......!

امام شافعی کہتے ہیں: میں نے صوفیہ کی مصاحبت میں ایک وقت گزارا۔ ان دو باتوں کے سوا ان سے کچھ فائدہ نہ پایا: ایک یہ کہ: وقت تلوار ہے، اگر تم اسے نہیں چلاتے

تو یہ تم پر چل جائے گی۔ اور دوسری یہ کہ: یہ تمہارا جو نفس ہے تم اسے اگر خیر میں مصروف نہیں کر لیتے تو یہ تمہیں شر میں مصروف کر لے گا۔

پس انسان کا 'وقت' ہی دراصل انسان کی 'عمر' ہے۔ انسان کو اگر اپنے ہاں پائے جانے والے اس اصل 'عنصر' کا تعین کرنا ہے جو صورت بدل کر ایک حیات ابدی میں مسلسل ڈھل جاتا ہے اور جو کہ اصل بیج ہے یا تو بہشت کے لا فانی جہان کا اور یا پھر دوزخ کی لامتناہی زندگی کا، تو وہ اصل 'عنصر' اور اصل 'بیج' اس کا وہ 'وقت' ہی ہے جو آج اسے بے پناہ حاصل ہے۔ یہ وقت ہی ہے جو بادل کی طرح بھاگ رہا ہے اور کچھ معلوم نہیں کب روپوش ہو جائے۔ پس اس کے اس 'وقت' کا وہ حصہ جو خدا کیلئے اور خدا کے ساتھ گزرا، اس کی اصل 'عمر' اور اصل 'زندگی' بس وہی ہے۔ باقی ماندہ وقت اس کی 'عمر' میں شمار نہیں۔ ایسے وقت کا کیا شمار جو چوپایوں کی طرح گزرا ہو؟ ایسے وقت کا کیا مول لگے جو بے مقصد اور بے سمت گزر گیا ہو اور جو صرف آرزوئیں پالنے کے کام آیا ہو؟ وقت سے بھلی چیز کیا کسی کے پاس ہو سکتی ہے؟ اس سے بڑھ کر نایاب چیز کیا کبھی پائی گئی ہے؟ مگر دیکھ لیجئے کتنے ہیں جن کے پاس اس کا کوئی مصرف نہیں؟! کتنے ہیں جن کی زندگی کے وہ لمحات ہی خدا کی میزان میں سب سے بہتر یا سب سے کم ضرر لمحات شمار ہوں جو خیر سے نیند میں گزر گئے ہوں!؟ ذرا غور تو کرو، حساب دینے میں جس کی نیند کے لمحات اس کی بیداری کے لمحات سے بہتر یا کم ضرر ہوں، اس کی موت اس کی زندگی سے بہتر کیوں نہ ہو؟!

بندہ نماز تک کی حالت میں ہوتا ہے تب بھی بندے کے حق میں نماز کا صرف وہ حصہ شمار ہوتا ہے جس میں اس کا شعور خدا کی جانب متوجہ رہا...... تو پھر 'عمر' کا بھی صرف وہی حصہ شمار ہونے والا ہے جو خدا کیلئے اور خدا کے ساتھ گزرا۔ خدا کے ماسوا سب حوالے جو اس کی سوچوں کو مصروف کریں اور اس کی تفکیر پہ حاوی ہوں اس کی 'عمر' شمار نہ ہوں گے۔ یہ شیطان کے وسوسے ہیں اور یا پھر خام آرزوئیں اور بڑھتے اور

پھیلتے چلے جانے والے فریب ......جن کا کچھ مول پڑنے والا نہیں ......اور 'مول' کے بغیر کچھ ملنے والا نہیں!

☆☆☆☆☆

یہ بھی جان لو کہ کوچۂ خیال سے کسی سوچ کا محض گزر ہو جانا ضرر رساں نہیں۔ ضرر رساں وہ اس وقت ہوتی ہے جب تم اسے ذہن کی نشست گاہ میں براجمان کر لیتے ہو اور اس سے باقاعدہ 'محو گفتگو' ہو جاتے ہو۔

سوچیں، خیالات، وسوسے آتے جاتے تو مسلسل رہتے ہیں مگر ان کے ساتھ ایک راہ گیر کا سا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اس 'راہ گیر' کو 'توجہ' نہ دو تو وہ آپ اپنی سمت چلا جاتا اور آخر کار روپوش ہو جاتا ہے۔ ہاں اسے بیٹھنے کیلئے کہہ دو پھر ضرور ہو سکتا ہے وہ تمہارے پاس بیٹھ جائے اور پھر بیٹھا ہی رہے اور اپنی مسحور کن باتوں اور اداؤں سے تمہیں زیادہ سے زیادہ اپنے ساتھ الجھائے۔ اس صورت میں ضرور ممکن ہے کہ اب اس گھر آئے مہمان کو دھکے دے کر نکالنا تمہارے لئے دشوار ہو جائے......لیکن اس کے ہاتھوں لٹ جانے کی نسبت یہ پھر بھی وارے کا ہے۔

پس یہ ابتدائی لمحہ سب سے اہم ہے اور سب سے زیادہ فیصلہ کن۔ ناروا سوچ ابتدا میں اپنا آپ خود بتاتی ہے۔ ایک عالی ہمت اور بلند عزم انسان پر اس کو گھاس ڈالنا بہت گراں گزرتا ہے اور انسان اپنی اس حالت کو آپ محسوس کئے بغیر نہیں رہتا۔ البتہ ایک کھوکھلے اور بے مقصد نفس کو اس کا بار کچھ زیادہ محسوس نہیں ہوتا۔ پھر بھی انسان کے اندر تنبیہ کرنے والے بہت سے آلات نصب رہتے ہیں۔

خدا نے انسان کی ذات میں دو نفس فٹ کئے ہیں: نفس امارہ اور نفس مطمئنہ۔ یہ دونوں اپنی فطرت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جو چیز ایک پر گراں گزرتی ہے وہ دوسرے کو آرام دیتی ہے۔ جو چیز ایک کو لطف دیتی ہے وہ دوسرے کو بدمزہ کرتی ہے۔ نفسِ امارہ پر اس سے بڑھ کر کوئی چیز گراں نہیں کہ انسان کا عمل خدا

کیلئے ہو اور یہ کہ خدا کی رضا کو اس کی ھویٰ پر ترجیح ملے۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز بھی اس کیلئے نفع بخش نہیں۔ دوسری جانب، نفس مطمئنہ پر کوئی چیز بھی اس سے بڑھ کر گراں نہیں کہ عمل کی غایت خدا کے کچھ ماسوا ہو اور یہ کہ اس کی اپنی خواہش کو خدا کی رضا پر ترجیح ملے۔ جبکہ اس سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی چیز بھی مہلک وضرر رساں نہیں۔ اِدھر دائیں جانب سے فرشتہ اِس کی مدد کو موجود رہتا ہے اُدھر بائیں جانب سے شیطان اُس کی مدد پر مستعد رہتا ہے۔ بات بات پر دونوں میں جنگ چھڑتی ہے۔ لڑائی بھڑائی کبھی ختم ہونے میں نہیں آتی، تا آنکہ انسان کا وقت ہی دُنیا میں پورا نہ ہو جائے۔ باطل اور شر، ماحول میں جتنا بھی میسر ہو، شیطان اور اَمارہ کی پشت پر آجاتا ہے۔ حق اور خیر جس قدر بھی میسر ہو، فرشتے اور مطمئنہ کی اعانت کرتا ہے۔ جنگ میں کبھی ایک کی جیت ہوتی ہے تو کبھی دوسرے کی، البتہ سلسلۂ جنگ کبھی نہیں تھمتا۔ جیت آخر کار صبر کی ہوتی ہے، جو یہاں صابر رہتا ہے اور خیر کو ہی اپنے اوپر طاری کئے رہتا ہے اور خدا کا تقویٰ کسی وقت ہاتھ سے چھوڑنے کا روادار نہیں ہوتا اس کو فیصلہ کن جیت ملتی ہے۔ آخری جیت اسے دنیا میں ملتی ہے اور انجامِ خیر آخرت میں۔ خدا نے اس جنگ کے نتیجے کی پیشگی خبر کر دی ہے اور خدا کی بات لازماً سچ ثابت ہوگی۔ فرمایا:

والعاقبة للتقوىٰ. والعاقبة للمتقين.

میدان تقویٰ کے ہاتھ رہتا ہے، بشرطیکہ اختیار کر لیا گیا ہو!!!

'دِل' دراصل ایک لوح ہے اور 'خیالات وافکار' وہ نقوش جو ذرا چھوڑ دیئے جائیں تو اس لوح پر ثبت ہو جاتے ہیں اور بالآخر گہرے ہو جاتے ہیں۔ اب ایک دانا کیونکر روادار ہوسکتا ہے کہ اس کے دِل کی لوح پر روز جو نقش ثبت ہوتے ہوں وہ سب کے سب بے حقیقت سراب ہوں اور خام آرزوئیں اور دروغ اور فریب کے تانے بانے؟ جس دِل میں سراب اور آرزو نقش ہوں اس میں حکمت اور دانائی اور علم اور ہدایت کے نقش بھلا کیونکر بیٹھیں گے؟ آدمی وہاں زور لگا کر علم اور ہدایت کے نقش بٹھانے بھی

لگے تو وہ ایک ایسی لوح پر کام کی بات لکھنے کے مترادف ہے جو بے کار تحریروں سے پہلے ہی بھری پڑی ہو۔ پس اگر اس لوح سے بے کار نقش ہی سب سے پہلے کھرچ نہیں دیئے جاتے اور جب تک دِل کی اس سرزمین کو بے مقصد خیالوں کے قبضہ سے واگزار نہیں کرا لیا جاتا تب تلک اس پر کارآمد اور نفع بخش خیالات کی چھاپ نہ لگ سکے گی۔ ایک بے کار بات تو کہیں بھی سما سکتی ہے مگر کارآمد چیز تو اپنے سمانے اور فائدہ مند ہونے کیلئے سب سے پہلے 'مناسب جگہ' مانگتی ہے۔

اور چیزوں کا معاملہ اور ہوگا۔ 'محبت' تو کہیں بٹھائی ہی نہیں جاسکتی جب تک اور 'چیزیں' وہاں سے اٹھا نہ دی جائیں۔ 'محبت' اور 'طلب' اگر خدا کی کرانا مقصود ہو پھر تو یہ کہیں ضروری ہو جاتا ہے کہ خیالاتِ لغو سے سرزمین دِل کا خاص تحفظ ہو۔

چنانچہ اربابِ سلوک کو یہ بات نصیب ہوئی ہے کہ وہ عین اس نقطے کا تعین کر لیں اور وہیں پر پہرے بٹھا دیں جہاں سے معاملے کی ابتدا ہوتی ہے...... اور یہ ہے 'خیالات' اور 'تفکرات' کی دُنیا۔ چنانچہ وہ یہیں پر چوکس ہو جاتے ہیں اور خیالاتِ بد سے اپنا پورا تحفظ کرتے ہیں۔ بے کار سوچیں اپنے آپ سے دور کرتے ہیں۔ اپنی سوچ کی سب توانائیاں نیک مقاصد اور اچھی دلچسپیوں پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ اپنے شعور کو خدا کی رضا کی سمت میں ہی دوڑاتے چلے جاتے ہیں اور اپنی طلب اور چاہت کو خدا کیلئے زیادہ سے زیادہ نکھارتے اور سنوارتے ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ دِل آئینے ایسے شفاف ہو جاتے ہیں، جہاں پھر صرف 'حقائق' ہی کے عکس نظر آئیں! علوی حقائق کا کشف اور ظہور ایسے ہی قلوب پر ہوسکتا ہے نہ کہ ان قلوب پر جو لغویات سے چپکے رہیں، فضولیات کی طلب میں پراگندہ رہیں اور فانی وارضی اہداف پر ہی فریفتہ ہوں!!!

تاہم اصحابِ سلوک یہاں ایک انحراف کا بھی شکار ہو جاتے ہیں......

یہ ایک بات یاد رکھتے ہیں تو کئی باتیں بھلا بیٹھتے ہیں۔ 'اَشغالِ دُنیا' سے دِل کی سرزمین خالی کراتے کراتے یہ ہر چیز سے ہی دِل کو خالی کرا بیٹھتے ہیں! شیطان

یہاں جگہ خالی پاتا ہے تو وہاں باطل کے کچھ ایسے بیج بو دیتا ہے جن کو یہ لوگ عُلوی اور سماواتی جانتے ہیں جبکہ یہ وہ مواد نہیں ہوتا جو انبیاء کے لائے ہوئے علم اور ہدایت سے عبارت ہو!!!

معاملہ دراصل یہ ہے کہ شیطان ہر دِل میں باطل کی وہی فصل بوتا ہے جسے اس کی طبیعت اور مزاج قبول کر لینے والا ہو۔ ضروری نہیں شیطان ہر دِل میں فواحش اور سفلی خیالات ہی پیدا کرے۔ کچھ لوگوں کو شیطان 'اِخلاص' اور 'اِرادت' کی راہ دکھاتا ہے اور وہ دُنیا کے سب علائق سے دستبردار بھی ہو جاتے ہیں مگر یہاں وہ ان افکار کو نہیں آنے دیتا جو درحقیقت ان دلوں پہ حاوی ہونے چاہیں اور جن کے ذریعے سے ہی دُنیا اور آخرت کی مرادیں پائی جاسکتی ہیں۔ یہ خدا کے شرعی مرادات ہیں اور اس کے اومر ونواہی جن میں اس کی رضا پوشیدہ ہے اور باطل کے خلاف جہاد کا وہ مسلسل عمل جس میں دُنیا وآخرت کی سب خیر رکھ دی گئی ہے۔ خدا کو یہ باقاعدہ طور پر مطلوب ہے کہ قلبِ مومن خدا کی شریعت اور خدا کے راستے کی سب وادیوں کے ساتھ مشغول ومنسلک رہے۔ خدا کی طرف سے جو دین اترا ہے اس کے علم اور معرفت اور اس سے بہ تفصیل آگاہی میں مومن کا دِل برابر مصروف رہے۔ مخلوق میں اس دین کے قیام اور تنصیب کی جانب برابر توجہ رہے۔ آدمی اس کی نصرت کی ہر دم تدبیریں کرے اور معاشرے میں شریعت کے قیام و سر بلندی کیلئے معاشرے کے عین بیچ میں رہے۔ مگر شیطان نے ان کو کیا پٹی پڑھائی کہ یہ سب کچھ ان کے ہاں متروک ٹھہرا ہے۔ 'زہد' کے نام پر اور 'دُنیا' کے خیالات وتفکرات سے دامن جھاڑ لینے کے پردے میں شیطان نے ان کو ان بہت سے نیک خواطر اور بابرکت تفکرات سے محروم کر دیا جو دراصل ایک صاحبِ بصیرت کیلئے توشۂ آخرت ہیں۔ شیطان نے ان کو یہ وہم ڈال دیا کہ 'کامل' ہونے کیلئے دُنیا کے ان سب ہنگاموں سے نکل آنا ضروری ہے اور ان سب سوچوں سے فراغت پا لینا ہی 'اِخلاص' اور 'تجرد' ہے! مگر کہاں!!! اِس چیز کو اُس بات سے کیا تعلق!!!؟

'کامل' وہ دِل ہے جس میں 'خیالات' اور 'افکار' اور 'ارادوں'، اور 'تفکرات' کا تانتا بندھا رہے اور وہ خدا کی خوشنودی کے راستوں میں عمل اور جہاد کی سوچوں سے لدا ہوا مسلسل بڑھتا جائے۔ خیر کے اتنے منصوبے اور پروگرام لے کر وہ معاشرے سے گزرتا ہو جن کو اٹھانے کو ایک عزمِ بلند درکار ہو!!!!!

سب سے کامل شخص وہ ہے جو سوچیں اور ارادے اور عزائم رکھنے میں بھرپور ہو البتہ یہ سب سوچیں اور یہ سب ارادے اور یہ سب عزائم اللہ اور یوم آخرت سے وابستہ ہوں۔ سب سے ناقص شخص وہ ہے جس کی سوچیں اور ارادے اور عزائم اس کے اپنے ہی نفس کا حظ ہوں اور اس کی اپنی ہی خواہش کی تسکین!!!!!

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں عمرؓ بن الخطاب ہمیشہ خواطرِ حق اور مشاغلِ خیر سے لدے رہتے تھے، جبکہ یہ سب خواطر اور مشاغل خدا کو خوش اور باطل کو زیر کرنے کی راہوں سے وابستہ تھے۔ یہاں تک کہ کسی وقت وہ آپؓ پر نماز میں بھی وارد ہو جاتے تھے۔ آپؓ دوران نماز بعض اوقات ذہن میں لشکرِ جہاد کی ترتیب دے لیتے تھے۔ یوں جہاد اور صلوٰۃ آپؓ کے ہاں کسی وقت یکجا ہو جاتے۔ یہ دراصل کئی عبادتوں کو ایک عبادت میں جمع کر لینا ہے جو کہ علم وفقہ کا ایک نہایت برگزیدہ باب ہے اور سوائے ایک طالبِ صادق اور مردِ حاذق کے ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ علم کا ایک بلند مقام ہے جس میں آدمی ایک عبادت کے اندر داخل ہوتا ہے تو وہاں کئی کئی عبادتیں کر آتا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے اور وہ جسے چاہے دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

'اور میرا بولنا ذکر'......!

رہے 'کلمات' تو ان کا تحفظ یہ ہے کہ آدمی زبان کو بے سود نہ چلنے دے۔ وہی بات بولے جو اس کے اندازے میں اسے کوئی نفع لا کر دے اور یا اس کے دین کا بھلا کر کے جائے۔

بولنے سے پہلے آدمی ہمیشہ تولے آیا یہ بول کر وہ کچھ نفع پانے والا ہے یا نہیں؟ اگر نفع کی کوئی اُمید نہیں تو چپ ہی بھلی۔ البتہ کوئی نفع ہے تو پھر یہ تولے آیا یہ بات کہہ دینے سے اس نے اپنے لئے بولنے کا کوئی ایسا موقع تو ختم نہیں کر لیا جو کہ اس سے بھی بڑھ کر نفع بخش ہو سکتا تھا؟ جو بات وہ کہنے جا رہا ہے اس سے بھی بہتر کیا کوئی اور بات تو نہیں جو وہ نہیں کہہ رہا؟ ایسا ہو تو 'یہ' بول کر 'وہ' بولنا اپنے حق میں فوت نہ کر لے۔

تم اگر کبھی اندازہ لگانا چاہو کہ کسی دِل میں کیا کیا کچھ ہے تو اِس کا کچھ اندازہ تم آدمی کی حرکتِ زبان سے ہی کر سکتے ہو۔ 'زبان' ضرور کچھ نہ کچھ 'دِل' کی خبر دے جاتی ہے، آدمی لاکھ چاہے یا نہ چاہے......!

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں:

'قلوب کیا ہیں ہانڈیاں ہیں جو ایک خاص آنچ پر دھری ہوئی ہیں۔ ان میں وہی کچھ جوش کھاتا ہے جو کچھ کہ ان میں ہے۔ زبانیں وہ 'کف گیر' ہیں جن سے 'پکوان' کچھ نہ کچھ باہر انڈیل لیا جاتا ہے'!

پس آدمی کو دیکھنا چاہو تو اس وقت دیکھو جب وہ بولتا ہے۔ وہ کبھی اپنے اس 'پکوان' کا مزہ چکھائے بغیر نہ رہے گا۔ صاف پتہ چلے گا جو اندر پک رہا ہے میٹھا ہے یا ترش۔ خوش مزہ ہے یا بدذائقہ......!

صحابیِ رسولؐ انس رضی اللہ عنہ ایک مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں:

''آدمی کا ایمان درست نہیں ہوتا جب تک اس کا دِل درست نہ ہو جائے۔ آدمی کا دِل درست نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو جائے''

آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: کون سی چیز سب سے زیادہ انسانوں کو جہنم میں داخل کرائے گی؟ فرمایا:

''زبان اور شرمگاہ'' (ترمذی، حدیث حسن صحیح)

معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اسلام کی اساس اور عمود اور کوہان کی چوٹی کی بابت جاننا چاہا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمہیں وہ چیز ہی نہ بتادوں جو اس سب کا ملاکِ امر ہے؟''

کہا: ارشاد فرمایئے اللہ کے رسول ﷺ! تب آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر دکھائی اور فرمایا:

''بس اس کو تھام رکھو''

معاذ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: تو کیا ہم اپنے بولنے پر ہی پکڑے جائیں گے!؟

فرمایا:

''تمہاری ماں تم پر روئے ارے او معاذ! تو کیا لوگوں کو ان کے چہروں کے بل ـــــ ایک روایت میں، ان کے نتھنوں کے بل ـــــ گرانے والی ان کی زبانوں کی کمائی کے سوا کوئی اور بھی چیز ہوگی؟!'' (ترمذی، حدیث حسن صحیح)

عجیب بات یہ ہے کہ آدمی پر حرام کھانے سے بچ رہنا آسان ہے۔ ظلم و زیادتی، چوری چکاری اور شراب خوری اور نظرِ حرام ایسے امور سے مجتنب رہنا آسان

دیکھا گیا ہے۔ لیکن زبان کو قابو رکھنا بسا اوقات مشکل تر۔ اور تو اور ایسے ایسے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ دینداری اور زہد اور عبادت گزاری میں مثال جانے جاتے ہیں پر زبان کی نوبت آتی ہے تو وہ کچھ بول جاتے ہیں جو اللہ کو سخت ناپسند ہو اور جو انہیں عذاب میں جھونک آنے کیلئے کافی ہو۔

کتنے ہی پرہیز گاروں کو آپ دیکھیں گے کہ بدکاریوں اور گناہوں سے کوسوں دور رہتے ہیں مگر زبان ہے جو زندوں کی چغلیوں سے تو کیا رکے گی مرے ہوئے لوگوں کو بے آبرو کرنے سے نہ ہٹے گی۔ پرواہ تک نہ ہوگی کہ حضرت کہہ کیا رہے ہیں!

ایک بے سوچا سمجھا جملہ آدمی کو کیسے کیسے مروا ڈالتا ہے، دیکھئے صحیح مسلم میں جندب بن عبداللہ کی حدیث: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

''ایک آدمی بولا: بخدا، فلاں آدمی کو خدا کبھی معاف نہ کرے گا۔ تب خدا تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہوتا کون ہے جو اپنی طرف سے مجھ پر بات کرے کہ میں فلاں شخص کو کبھی معاف نہیں کروں گا؟ جاؤ میں نے اسے معاف کیا البتہ تمہارا سب عمل غارت کر دیا''

کیا معلوم اس عبادت گزار نے کتنی کتنی عبادت کی ہوگی۔ زبان سے نکلا ہوا ایک کلمہ سب کیا کرایا غارت کرا بیٹھا......!

ابو ہریرہؓ کی حدیث میں بھی ایسا ہی مروی ہوا ہے۔ جس کے بعد ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: ''ایک ہی کلمہ اس کی دُنیا اور آخرت برباد کر گیا''۔

صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''آدمی خدا کی خوشنودی والی کوئی ایک بات کر دیتا ہے جسے بولتے وقت اس کا سان گمان تک نہیں ہوتا مگر اس کے سبب اللہ اس کے درجات بلند کرتا جاتا ہے۔ آدمی خدا کی ناراضی کی کوئی بات کر دیتا ہے جسے بولتے وقت اس کا سان گمان تک نہیں ہوتا مگر وہ اس کے سبب جہنم میں اترتا ہی چلا جاتا ہے''۔

جبکہ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

"آدمی ایک بات بول دیتا ہے اور دیکھتا تک نہیں اس میں کہہ کیا دیا گیا ہے، جس کے سبب وہ جہنم میں اتنی دور تک لڑھکتا چلا جاتا ہے کہ شاید مشرق اور مغرب کا فاصلہ بھی اس سے کم ہو"

ترمذی میں بلال بن حارث مزنی، نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"تم میں سے کوئی شخص کبھی خدا کی خوشنودی کی بات کر لیتا ہے جبکہ اس کو گمان تک نہیں ہوتا کہ اس کے اثرات کہاں کہاں تک پہنچیں گے تب اللہ اس کے بدلے اپنی خوشنودی اسکے لئے اپنے روزِ ملاقات تک کیلئے لکھ چھوڑتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی خدا کو ناراض کرنے والی کوئی ایک بات کر بیٹھتا ہے جبکہ اس کو گمان تک نہیں ہوتا کہ اس کے اثرات کی نوبت کہاں کہاں پہنچے گی۔ تب اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اپنی خفگی اس کیلئے اپنے روز ملاقات تک کیلئے لکھ چھوڑتا ہے"

اس مذکورہ بالا حدیث کی بابت، علقمہؒ کہا کرتے تھے: 'بڑے بڑے لفظ میرے منہ پر آئے ہوئے، بلال بن حارثؓ کی اس ایک حدیث نے روک دیے'!!!

ترمذی میں ہی حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ صحابہ میں سے ایک آدمی فوت ہوا۔ تب ایک آدمی نے کہا: جنت مبارک ہو! تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم؟ کیا پتہ اس نے کچھ بے سروکار بولا ہو یا ایسی چیز یا ایسی بات میں بخل کیا ہو جس کے کرنے سے اس کا کچھ بھی نہ گھٹتا"

(ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے)

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: ایک نوجوان نے یومِ اُحد شہادت پائی۔ اس کے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا پایا گیا جو اس نے بھوک سے باندھ رکھا ہوگا۔ اس کی ماں اس کے چہرے سے مٹی پونچھتی ہوئے کہہ رہی تھی: مبارک ہو بیٹا جنت تمہاری ہوئی۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: "تمہیں کیا معلوم؟ شاید اس نے کچھ

بے سروکار بولا ہو یا وہ چیز دینے سے انکاری ہوا ہو جس کے دے دینے میں اس کو کوئی نقصان نہ ہوتا''۔

صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے:

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے''

مسلم کے الفاظ ہیں:

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ جب کسی موقع مناسبت پر حاضر ہوتا ہے تو وہاں اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے''

ترمذی نے صحیح اسناد کے ساتھ نبی ﷺ سے روایت کی:

''آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی امور سے مجتنب ہو''

سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے روایت ہے، کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ! اسلام میں مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے جو آپؐ کے بعد میں کسی سے نہ پوچھوں۔ فرمایا: کہو: 'ایمان لایا میں'، پھر اس پر استقامت پکڑو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ آپ ﷺ میرے لئے کیا خدشہ دیکھتے ہیں؟ تب آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: ''یہ''......!!!

اُم المومنین ام حبیبہ نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں:

''ابن آدم کا بولا ہوا ہر لفظ اس کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف جاتا ہے، سوائے یہ کہ وہ نیک کام کا کہے یا بُرائی سے روکے یا اللہ عزوجل کا تذکرہ کرے۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: صبح ہوتی ہے تو سب اعضاء زبان کو جھڑکتے ہیں اور اسے کہتے ہیں: ہمارے معاملے میں خدا سے ڈرنا۔ ہم تمہارے ساتھ وابستہ ہیں۔ تم سیدھی رہو تو ہم بھی سیدھا رہیں۔ تم ٹیڑھ پن میں پڑو تو ہم بھی ٹیڑھ پن کا شکار ہو جائیں''

سلف صالحین کا حال یہ تھا کہ وہ ایسے نا قابل التفات جملوں تک پر اپنا احتساب کرلیا کرتے تھے کہ مثلاً: 'افوہ کیسا گرم دِن ہے یا کیسا سرد دِن ہے'۔ اہل علم میں سے کوئی بزرگ شخصیت فوت ہو جانے کے بعد کسی کو خواب میں نظر آئی۔ پوچھا گیا: کیسا معاملہ رہا؟ کہا: ایک کلمہ ایک بار زبان سے کہہ بیٹھا تھا اس کی وجہ سے روک لیا گیا۔ میں نے کہہ دیا تھا 'لوگ بارش کے کس قدر ضرورت مند ہیں'۔ مجھے کہا گیا: تم بہت جانتے ہو؟ میں خود اپنے بندوں کی ضرورت بہتر جانتا ہوں۔

سلف اور خلف کے ہاں اس پر اختلاف رائے پایا گیا ہے کہ آیا انسان کا بولا ہوا ہر لفظ لکھ لیا جاتا ہے یا صرف خیر اور شر کی بات لکھی جاتی ہے؟ اس پر دو رائے ہیں مگر پہلی رائے کا قوی ہونا ظاہر تر ہے۔

سلف میں سے کسی کا قول ہے: 'ابن آدم کی بولی ہوئی ہر بات اس کے خلاف پڑتی ہے نہ کہ اس کے حق میں سوائے وہ بات جو خدا کے تعلق سے آئی ہو'۔

ابوبکر صدیقؓ اپنی زبان پکڑ کر کہا کرتے تھے۔ اس نے مجھے بڑی بڑی مشکلوں میں ڈالا۔

تمہارے لفظ تمہارے قیدی ہیں۔ البتہ جب تمہارے منہ سے نکل جائیں پھر تم ان کے قیدی ہو۔ اور اللہ ہر بولنے والے کی زبان پر اپنے پہرے دار رکھے ہوئے ہے۔

ما يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق:18)

☆☆☆☆☆

زبان کے معاملے میں دو آفتیں پائی جاسکتی ہیں۔ آدمی ایک سے بچ جائے تو دوسری میں جا پڑتا ہے۔ یا 'بولنے' کی آفت اور یا پھر 'چپ سادھ لینے' کی آفت......

ہوسکتا ہے ان میں کسی وقت ایک آفت زیادہ مہلک اور آدمی کو گناہ میں ڈال آنے والی ہو اور کسی وقت دوسری......

پس جو شخص حق سے خاموشی اختیار کرتا ہے وہ گونگا شیطان ہے۔اللہ کا صاف نافرمان ہے۔ریا کار ہے اور اللہ کو ناراض کر لینے کی قیمت پر انسانوں کے ساتھ اچھا بننے (مداہنت) کا مرتکب، ہاں البتہ اگر اسے اپنی عافیت کا خدشہ لاحق ہو تو اور بات ہے۔

دوسری طرف، باطل بات بولنے والا شیطانِ ناطق ہے اور اللہ کا پکا نافرمان۔

اکثر مخلوق کا حال یہ ہے کہ بولنے کا معاملہ ہو تو حق سے انحراف ہوتا ہے اور چپ رہنے کا معاملہ ہو تو حق سے انحراف۔

جبکہ اہلِ وسط جو کہ اہلِ صراطِ مستقیم میں یہ وتیرہ اختیار کرتے ہیں کہ باطل سے اپنی زبانوں کو روک لینے کا تو پورا اہتمام ہوتا ہے البتہ ان خاص امور میں جو ان کو اخروی فائدہ لا کر دیں اپنی زبانوں کو پوری چھوٹ دیتے ہیں۔پس آپ دیکھتے ہیں کہ وہ بولتے ہیں مگر ان کا بولا ہوا کوئی ایک لفظ بھی بے سود خرچ نہیں ہوا ہوتا بلکہ ایک ایک لفظ ان کو منفعت لا کر دیتا ہے اور ایک ایک لفظ میزان میں لکھنے کے قابل ہوتا ہے۔زبان کے استعمال میں وہ کبھی گھاٹا کما کر نہیں آتے۔

جبکہ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ زبان وہ چیز ہے جو گھاٹا کھانے یا نفع پہنچانے کا ایک خاص اوزار ہے۔ایسے ایسے لوگ قیامت کے روز آئیں گے کہ نیکیاں پہاڑوں سے بڑھ کر ہوں گی مگر دیکھتے ہی دیکھتے نیکیوں کے یہ پہاڑ زبان کی کارگزاری کے ہاتھوں یوں چٹیل اور روپوش پائے جائیں گے کہ گویا تھے ہی نہیں۔اسی پر بس نہیں، نیکیوں کے پہاڑوں کی جگہ پر دیکھتے ہی دیکھتے بدی کے پہاڑ نکل آئیں گے۔

جبکہ ایسا بھی ہوگا کہ گناہوں کے پہاڑ ہوں گے مگر زبان کے بولے ہوئے اچھے کلمات جو کہ خدا کے ذکر و تعظیم میں کہے گئے ہوں یا حق کی نصرت و اعانت میں، ان سب کو بے وزن کر جائیں گے......!

خدایا خیر......!!!

☆☆☆☆☆

'اور میرا دیکھنا عبرت'......!!!

'نگاہ' بری خواہشات کا ہراول ہے اور اس کا تیز رفتار ترین ایلچی۔ اس سے تحفظ کر لینا ہی دراصل شہوتِ شر سے اپنا تحفظ کر لینا ہے۔ جو شخص اپنی نگاہ کو بے مہار چھوڑ دے وہ ضرور اس کو بربادی کے کسی گڑھے میں پھینک کر آئے گی۔

نبی ﷺ اس سے خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک نظر کے پیچھے دوسری نظر مت جانے دو۔ پہلی پر تمہیں چھوٹ ہے، پر دوسری پر نہیں''

مسند میں روایت ہوئی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''نظر شیطان کے ترکش کا ایک بہت کاری تیر ہے۔ پس جو شخص کسی عورت کے محاسن پر جا پڑنے والی نگاہ محض اللہ کے خوف سے نیچی کر لے گا اللہ اس کے دِل میں (ایمان کی) ایک ایسی مٹھاس بٹھائے گا کہ جس کا مزہ روز ملاقاتِ خداوندی کہیں نہ جائے گا''۔ یہ حدیث کا مفہوم ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

''نگاہیں نیچی رکھا کرو اور عفت کا تحفظ کرو''

اسی طرح آپ ﷺ فرمایا:

''گزرگاہوں کے اندر براجمان ہو جانے سے اجتناب کرو''

صحابہؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم (غریبوں) کو اس کے سوا بیٹھنے کی کوئی جگہ ہی میسر نہیں۔

فرمایا:

''ہاں تو اگر کوئی چارہ ہی نہیں تو گزرگاہ کو اس کا حق بہرحال دو۔

عرض کیا: گزرگاہ کا حق کیا ہے؟

فرمایا:

''نگاہیں نیچی رکھنا۔ اذیت روک کر رکھنا اور سلام لوٹانا''

☆☆☆☆☆

بیشتر نقصان جو انسان کے نفس کو لاحق ہوتے ہیں جس نقطے سے پیدا ہوئے ہوتے ہیں وہ 'نظر' ہی ہے۔ 'نگاہ' 'خیال' کو جنم دیتی ہے۔ 'خیال' 'سوچوں' میں ڈھلتا ہے۔ 'سوچیں' 'خواہش' کو وجود میں لاتی ہیں۔ 'خواہش' 'ارادے' کو جنم دیتی ہے۔ 'ارادہ' جان پکڑنے لگے تو رفتہ رفتہ 'عزم' بننے لگتا ہے...... یہاں تک کہ 'فعل' واقع ہو جاتا ہے!!! اِلَّا یہ کہ فعل کے واقع ہونے میں کوئی اور چیز حائل ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ نگاہ نیچی رکھنے پر صبر کر لینا اس سے کہیں آسان ہے کہ آدمی اس سے مابعد مراحل کی الم ناکی پر صبر کرے۔

نگاہ ایک ایسا تیر ہے جسے آدمی چلاتا ہے مگر وہ کسی اور پر نہیں خود اسی پر چلتا ہے۔ اب یہ تم پر ہے اس تیر کو کتنا تاک کر اور کتنا کھینچ کر چلاتے ہو!!!

ذرا سوچ لیا کرو تمہارے ڈھیلے جب تمہاری آنکھوں کی مچان میں گھوم گھوم کر نشانے تاک رہے ہوتے ہیں کہ یہ تمہیں کن کن خطروں کے منہ میں دے آنے کیلئے پر تولتے ہیں اور کیسی کیسی تباہ کن مہمات پر تم کو روانہ کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتے ہیں!!!

'نگاہ' کے ہاتھوں تم کسی تیر کی طرح اپنے ہاتھ سے نکل جاتے ہو اور کیا بعید تم کبھی اپنے آپ کو پھر واپس نہ ملو......!!!

نظر کی آفتیں بے شمار ہیں۔ اب یہ کہ ہر ہر نگاہ تمہیں حسرتیں لا لا کر دے۔ کبھی ٹھنڈی آہیں بھرو۔ کبھی کسی نا قابل تکمیل خواہش پہ سو سو بار مرو۔ یعنی ایک چیز پر آدمی کو نہ قدرت اور نہ اس پر صبر۔ جبکہ خدا کی بخشش وثواب اور خدا سے ملنے والے نعم البدل کی اُمید پہلے ہی نہ ہو۔ یہ اس نافرمانی کے عذاب کی پہلی نقد قسط ہے!!!

کتنی ہی بار ایسا ہوا کہ آدمی نے نظر کا تیر چلایا اور اگلے ہی لمحے اُس نے اپنے آپ کو کسی خاردار جھاڑی کے اندر لہولہان پایا......!!!

نگاہ ایک ایسا نشتر ہے جو آدمی کے اپنے ہی دِل پر لگتا ہے۔ آدمی اپنے دِل پر خود اپنے ہاتھوں چرکا لگاتا ہے اور پھر شفا پانے کی آس میں بار بار اسی کا اعادہ کرتا ہے......!!!

اسی لئے کہا گیا ہے: نظروں پر قابو پانا حسرتوں کے دوام سے کہیں بہتر ہے'!!!

☆☆☆☆☆

اور میرا چلنا جہاد!

رہ گئے 'قدم' تو ان کا تحفظ یہ ہے کہ ان کو صرف اسی سمت میں اٹھنے دیا جائے جہاں سے خدا کی خوشنودی وثواب کی آس ہو۔ ان کا سارا زور ادھر کو رکھے جدھر سے جنت کی خوشبو آتی ہو۔

قدموں کو مشقت کرانے میں جہاں سے کوئی ثواب اور دین ودنیا کا کوئی فائدہ متوقع نہیں اس طرف کو جانے سے بیٹھ رہنا بہتر۔

حتیٰ کہ جائز امور کو بھی لے لو۔ بہت سے جائز امور جن کی طرف تمہارے قدم روز بھاگتے ہیں اور تمہیں کشاں کشاں لئے جاتے ہیں اور اتنی ڈھیر ساری مشقت اٹھانے کے بعد کوئی رتی بھر ثواب پائے بغیر تمہیں یہ واپس لا دھرتے ہیں، ایسے جائز امور کی بابت تم کیوں ایسا نہیں کر لیتے کہ انہی کو خدا کے تعلق سے نیکیاں بنا ڈالو اور انہی کے اندر خدا کی بندگی کے معانی پیدا کرلو۔ تب تمہارا ہر قدم نیکی بنے اور ہر قدم اٹھنے کے ساتھ تم خدا سے قریب تر ہوتے جاؤ۔ نری مشقت کرتے رہنے کا بھلا کیا فائدہ؟!

آدمی کا ٹھوکر کھا جانا چونکہ دو طرح سے ہے: ایک وہ جو 'پیر' کو لگتی ہے اور دوسری وہ جو 'زبان' کو لگتی ہے...... دیکھئے کس خوبصورتی سے قرآن میں دونوں کی جانب ایک ہی مقام پر ارشاد کر دیا گیا:

وَعِبَادُ الرَّحمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً (الفرقان:۶۳)

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو آہستگی و وقار کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں

اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے کہ تم کو سلام''

چنانچہ یہاں عباد الرحمٰن کا جو وصف بیان ہوا وہ یہ کہ ایک راستی اور استقامت وہ اپنے 'لفظوں' کے اندر رکھتے ہیں اور ایک راستی اور استقامت وہ اپنے 'قدموں' کے اندر......!

جبکہ ایک دوسری آیت کے اندر 'نگاہوں' اور 'خیالوں' کا تذکرہ ایک ساتھ کر دیا گیا ہے، فرمایا:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (غافر:۱۹)

''وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے''

☆☆☆☆☆(۱)

قدموں کے ایک ایک نشان کا محفوظ کیا جانا دین کی کثیر نصوص سے ثابت ہے۔ مومن کا زمین کے سینے پر چلنا اور شرق تا غرب کارہائے خیر ومنفعت میں سرگرم رہنا، زمین کے نقشے کو آسمانی ہدایت پہ تبدیل کر دینے کیلئے مسلسل رو بہ سعی ہونا ایک نہایت خوب اور پر معنیٰ دلالت رکھتا ہے اور زمین کو یاد رہنے والی داستانوں میں سب سے سچی اور برگزیدہ داستان! وہ دن بھی کیا دن ہوگا جب زمین اپنی سرگزشت سنائے گی، اور جس میں کافروں، ملحدوں اور طاغوتوں کی سعی وحرکت ہی نہیں، اہل ایمان کے قدموں کے نشانات بھی نظارۂ خلقت کے لئے سامنے لائے جائیں گے! کیسی زبردست صلائے

☆ صفحہ ۲۵۳ سے یہاں تک استفادہ امام ابن القیم کی کتاب الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی ص ۱۷۸......۱۹۱ سے ہوا ہے۔ گو اس میں ترتیب ہماری اپنی ہے۔ مابعد کا کلام دیگر مصادر سے نقل کیا جا رہا ہے۔

عام ہے اِس زمین کی طرف سے یہ ان مبارک قدموں کے سرگرم ہونے کیلئے جو اِس کی کہانی کو صالح معانی سے لبریز کردیں!

اور تو اور، زمین کے پربت اور وادیاں اور گزرگاہیں فخر کرتی ہیں، کہ خدا کو جاننے والے اور اس کا ذکر کرنے والے کسی شخص کا ان کے یہاں سے گزر ہوا ہے! امام ابن قیمؒ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول لاتے ہیں کہ: ایک پہاڑ دوسرے کو نام لے کر بلاتا ہے اور پھر پوچھتا ہے: ارے کیا آج تیرے پاس سے کوئی شخص خدا کو یاد کرتا گزرا؟ اگر وہ کہے: ہاں، تو وہ خوش ہو اٹھتا ہے! عون بن عبداللہؒ کہتے ہیں: زمین کا ایک بقعہ دوسرے کو مخاطب کرکے کہتا ہے: اے ہمدم! کیا آج کوئی تیرے پاس سے گزرا جو خدا کو یاد کرتا ہو؟ تب کسی بقعۂ ارض کا جواب ہوتا ہے: ہاں، اور کسی کا جواب ہوتا ہے: نہیں! اسی سے ملتا جلتا قول امام صاحب نے اعمشؒ اور مجاہدؒ سے بھی نقل کیا ہے۔ ☆

☆☆☆☆☆

'قدم' کیونکر آدمی کو جنت کی طرف لے کر چل سکتے ہیں؟ کیونکر یہ آدمی کو جہنم سے دور بھگا لے جاسکتے ہیں؟ یہ جاننا آج ہر آدمی کا فرض ہے۔ بھائی خدا نے قدم دیے ہیں تو کیوں نہ جہنم سے بھاگ لو اور موت سے پہلے پہلے اس سے اتنا دور چلے جاؤ کہ خدا کی پناہ گاہ میں جا پہنچو! یہ قدم تمہارے پاس ہیں اور جنت کا راستہ تمہارے سامنے، اور وقت بہت کم!!! پھر بیٹھے کس لئے ہو؟!!

یہ قدم تمہیں جنت نہیں پہنچاتے تو اتنا چلنے کا فائدہ؟!

کیسے مبارک قدم ہوں گے جو خدا کے راستے میں دھول اڑاتے جائیں!

قرآن نے تو ان تیز رفتار گھوڑوں کو سراہا ہے جو اپنے مالک کی جنگ لڑنے کے لئے دیوانے ہو ہو جاتے ہیں! سرپٹ، دھول اٹھاتے اور اپنی ٹاپوں سے چنگاریاں اڑاتے

☆ دیکھئے امام ابن القیم کی کتاب الوابل الصیب ص ۵۶، الفائدہ السابعۃ والستون

ہوئے گویا دھرتی کو دہلاتے ہیں اور شیروں کی طرح جنگ کے گھمسان میں جا اترتے ہیں! پھر اگر یہ انسان اپنے مالک کا اتنا وفادار ہو جاتا ہے کہ اِس کی بھاگ دوڑ اور اِس کی سعیِ عمل خدا کے کلمہ کی سربلندی اور باطل کی سرنگونی کے لئے ہو جاتی ہے تو اِس سے بڑھ کر اِس کے حق میں فخر کی کیا بات ہو سکتی ہے؟!

حدثنا عباية بن رفاعة، قال: أدركني أبو عبس وأنا أذهب إلى الجمعة، فقال: سمعت النبي ﷺ يقول: "من اغبرّت قدماه في سبيل الله حرمه الله على النار" (صحيح البخاری: رقم ٨٦٥، کتاب الجمعة، باب المشی إلی الجمعة)

عبایہ بن رفاعۃ (تابعی) بیان کرتے ہیں، کہا: مجھے ابوعبس (عبدالرحمٰن بن جبرؓ صحابی) نے جمعہ کو جاتے دیکھا تو کہا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا:

''جس شخص کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوں، اللہ اسے جہنم پہ حرام ٹھہرا دیتا ہے''

عن أبي أمامة، أن رجلاً قال: يا رسول الله! ائذن لي في السياحة؟ قال النبي ﷺ: إن سياحة أمتي: الجهاد في سبيل الله. (رواه أبو داود۔ قال الألباني: صحيح۔ دیکھئے: صحیح أبي داود للألباني رقم: ٢٢٤٧)

ابوامامہؓ سے روایت ہے، کہ ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! مجھے سیاحت کی اجازت مرحمت فرمائیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''بے شک میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے''

عن أبي هريرة، عن النبي ﷺ، قال: لغدوة أو روحة في سبيل الله خير مما تطلع عليه الشمس وتغرب (رواه البخاری)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''خدا کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام لگانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے''

☆☆☆☆☆

'جہاد' گو 'قتال' سے وسیع تر ہے اور 'قتال' کے علاوہ بھی دین کے متعدد ابواب کو شامل ہے، مگر 'جہاد' کی برگزیدہ ترین صورت یقیناً 'قتال' ہی ہے، جہاں يَقْتُلُونَ وَ يُقْتَلُوْنَ کی صورت آدمی خدا کے دشمنوں کے روبرو یا تو اپنی جان دیتا ہے یا پھر خدا کے دشمن کی جان لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، جہاں حق اور باطل کی یہ پیغمبرانہ کشمکش اس مقام کو جا پہنچے کہ جان دے دینے یا جان لے لینے کی نوبت آ جائے!

خدا کی محبت اور طلب میں یہ مقام آ جائے تو اس کے بعد پھر آدمی کے اور جنت کے مابین بھلا کیا فاصلہ رہ جاتا ہے اور خدا کو اپنی سچائی بتانے میں کیا کمی رہ جاتی ہے؟!

تاہم یہ 'کشمکش'، جس میں کسی وقت 'قتال' تک نوبت آ جاتی ہے، خود بھی 'جہاد' ہی ہے۔ اپنی دنیا میں یہ کشمکش کھڑی کرنا، اِس کو کھڑی رکھنا اور اِس کو ایک نہایت صالح سمت میں آگے بڑھانے کے لئے دوڑ دھوپ کرنا، یہ درحقیقت 'جہاد' ہی کے مختلف ابواب ہیں۔ اِس معنیٰ میں ہر نبی یہاں جہاد کر کے گیا ہے اور ہر دور کے اندر صالحین کرۂ ارض پر جہاد ہی کرتے رہے ہیں۔ ہر زمانے میں باطل کو مٹانا اور حق کو فتح دلوانا، یہاں اہل حق کی سرگرمی کا عنوان بنا رہا ہے۔ پس اس عمل میں آج اپنے دور کے اندر شریک رہنا اور 'جہاد' کی تمام ممکنہ صورتوں کو اختیار کرتے ہوئے زمین پہ قائم اس تاریخی کشمکش کا حصہ بننا جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کروانے اور غیر اللہ کی عبادت کی سب صورتوں کو ختم کروانے کیلئے آج بھی جاری ہے، یہ انسان کے 'خدا کی جانب چلنے' اور 'خدا کی طلب کرنے' کی ایک نہایت برگزیدہ صورت ہے۔

امام ابن قیمؒ کہتے ہیں:

ربیع بن انس سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتیٰ یرجع ☆

☆ قال الترمذی: ھذا حدیث حسن غریب، رواہ بعضھم فلم یرفعہ۔
البانیؒ نے ان الفاظ کو اکثر مقامات پر ضعیف بتایا ہے۔ البتہ صحیح الترغیب والترہیب میں
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

”جو شخص علم کی طلب میں نکلے تو وہ اللہ کے راستے میں ہے جب تک وہ واپس نہ آ جائے“

یہاں طلبِ علم کو ’سبیل اللہ‘ میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ اسلام کا قیام علم کے دم سے ہے اور یا پھر جہاد کے دم سے۔ پس دین دو ہی بنیادوں پر کھڑا ہے؛ علم اور جہاد۔ اسی لئے جہاد، دو نوع کا بتلایا گیا:

۱) ہاتھ اور شمشیر کا جہاد، جس میں شریک ہونا بہت سے لوگوں کے حصہ میں آ جاتا ہے،

۲) جہاد از راہِ حجت و بیان، یہ پیروانِ رسل میں سے خواص کا جہاد ہے۔ ائمۂ دین کا جہاد ہے، اور جہاد کی ہر دو نوع میں سے افضل تر، کیونکہ اس کی منفعت عظیم تر ہے اور اس پر محنت بھی زیادہ آتی ہے، اور اسی کو دشمنوں کا بھی زیادہ سامنا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان میں، جو کہ ایک مکی سورت ہے، (اِس) جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَاداً كَبِيْراً (الفرقان: ۵۱)

”پس مت مان ان کافروں کی، اور جہاد کر ان سے، جہادِ کبیر“

چنانچہ اعدائے دین کے خلاف جہاد کیا جانے کی یہ وہ قسم ہے جس میں لڑنے والے کا ہتھیار قرآن ہوتا ہے۔ اور یہ جہاد کی ہر دو قسم میں سے اعلیٰ تر ہے۔ منافقین کے خلاف جہاد کا قرآن میں جو حکم آیا ہے وہ بھی جہاد کی اسی نوع سے ہے، کیونکہ منافقین مسلمانوں کے ساتھ ’قتال‘ نہیں کر رہے تھے، بلکہ ظاہر میں وہ مسلمانوں کے ساتھ ہی تھے، بلکہ تو بسا اوقات وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ)

= اس کو حسن لغیرہ کہا ہے۔ دیکھئے: صحيح الترغيب والترهيب: رقم ۸۸، كتاب العلم، باب الترغيب في الرحلة في طلب العلم، ج ۱ ص ۸۸

کے دشمن سے 'قتال' کرتے تھے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف 'جہاد' کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبة: ٧٣)

''اے نبیؐ! جہاد کرو کفار سے اور منافقین سے، اور ان کے خلاف شدت اپناؤ''

جبکہ یہ تو معلوم ہے کہ منافقین کے خلاف جہاد کا ہتھیار دلیل وحجت اور قرآن ہے۔ مقصد یہ کہ 'سبیل اللہ' سے مراد ہے: جہاد، اور دین کا علم وفہم، اور اس کی مدد سے مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت۔ اسی معنیٰ میں معاذ بن جبلؓ کا قول ہے:

عليكم بطلَبِ العلم، فإن تعلُّمَه لله خشيةٌ، ومُدارَسته عبادةٌ، ومُذاكَرَته تسبيحٌ، والبحثُ عنه جهادٌ

''طلبِ علم کو لازم پکڑو، کیونکہ علم کو اللہ کی خاطر طلب کرنا خشیت ہے۔ باہم مل کر اس کی دہرائی کرنا عبادت۔ مل بیٹھ کر اس کو یاد کرنا اور ذہنوں اور دلوں میں تازہ کرنا تسبیح۔ اور اس کی تلاش میں نکلنا جہاد''

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے سورۂ حدید کے اندر آسمان سے نازل کی گئی 'کتاب' اور نصرت دینے والا 'آہن'، دونوں کو یکجا مذکور کر دیا، فرمایا:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (الحديد: ٢٥)

''ہم نے اپنے رسول بھیجے کھلی نشانیاں دے کر۔ اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب نازل کی اور میزان، تاکہ انسانیت حق وانصاف پہ قائم رہے۔ اور اتارا ہم نے لوہا، جس میں شدید زور ہے، اور انسانوں کے لئے بہت سے فوائد، اور اس لئے کہ اللہ جان لے کون نصرت کرتا ہے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی، بن دیکھے۔ یقیناً اللہ قوی ہے اور عزت وغلبہ رکھنے والی ذات''

چنانچہ یہاں 'کتاب' اور 'لوہا' ہر دو اکٹھے ذکر ہوئے، کیونکہ ''دین'' اپنے قیام کے لئے انہی دو بنیادوں پہ سہارا کرتا ہے؟

یا تو وحی کی کاٹ ہے، جو باطل کے پرخچے اڑا کر رکھ دے، اور یا پھر لوہے کی دھار ہے جو ہر ٹیڑھے کو سیدھا کرنے اور ہر حد سے گزر جانے والے کو حد میں رکھنے کے لئے کام دے۔ ایک، علاج ہے عقلمندوں کے روگ کا۔ اور دوسرا، مداوا ہے جہالت پہ اڑنے والوں کے مرض کا!

چونکہ جهاد بالسيف اور جهاد بالحجة ہر دو پر 'سبيل الله' کا اطلاق ہوتا ہے، لہٰذا صحابہؓ نے سورۂ نساء کی آیت أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم میں لفظ أولي الأمر کی تفسیر کی کہ: یہ ہیں امراء اور علماء۔ کیونکہ ہر دو صنف مجاہد فی سبیل اللہ ہیں؛ یہ، اپنے ہاتھوں کی قوت سے؛ اور یہ، اپنے علم اور زبان کی قوت سے۔

پس علمِ صالح کی طلب اور اس کا نشر و تعلیم، 'سبيل الله' کے عظیم ترین ابواب میں آتا ہے۔ کعب الاحبار فرماتے ہیں: علمِ کا متلاشی ویسا ہی ہے جیسا خدا کی راہ میں صبح اور شام لگانے والا۔ صحابہ میں سے کسی کا قول آتا ہے: علم کے متلاشی کو موت آئے اور وہ اسی حال میں ہو، تو وہ شہادت کی موت مرتا ہے۔ سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں: جو علم کا متلاشی ہے وہ خدا سے بیعت کئے ہوئے ہے۔ ابوالدرداء کا قول ہے: جس شخص کا خیال ہے کہ علم کیلئے صبح شام نکلنا جہاد نہیں اس کی عقل اور رائے میں نقص ہے۔

(ابن قیم کا اقتباس ختم ہوا) ☆

☆ دیکھئے: مفتاح دار السعادۃ، ج: ۱، ص: ۷۰، الوجه الخمسون

رقائق

آیئے اپنا فرض سمجھیں!

ترمذی کی ایک حدیث ☆ کا مفہوم ہے:

"جو آدمی صبح اٹھے تو صحیح سلامت ہو آفتوں سے محفوظ ہو، ہاتھ پیر چلتے ہوں، جسم کے اعضاء قویٰ اور کام کرتے ہوں، اور اس روز کا کھانا اسکو میسر ہو تو گویا اسے دنیا جہاں کی خیر وسعادت حاصل ہے"

عزیز بھائیو اور بہنو، ہم میں سے بیشتر کو دنیا جہاں کی یہ خیر اور سعادت حاصل ہے بس یہ سوچنا شاید باقی ہو کہ لکھنے والے صبح شام ہمارا نام کس خانے میں لکھ کر لے جاتے ہونگے۔ شکر گزار یا ناشکرے!!

ویسے عموماً اس خیر و عافیت کی قدر صرف اس وقت ہوتی ہے جب یکایک یہ ہاتھ سے جاتی رہے، آدمی اپاہج ہو جائے تو دنیا اسکے لیے اندھیر ہو جاتی ہے کوئی زندگی بھر کا روگ لگ جائے تو مایوسی کے سیاہ بادل چھا جاتے ہیں اور آدمی سمجھنے لگتا ہے کہ اب کوئی نہیں جو اسکی دنیا روشن کر سکے انسان درحقیقت ظالم اور نادان ہے وہ کسی نعمت کا ادراک کرتا ہی نہیں جب تک وہ اس سے چھن نہ جائے۔ حالانکہ نعمت کا ادراک تو محض اس لیے مطلوب تھا کہ وہ اسکا کچھ شکر ادا کرے۔ ایسے ادراک اور خالی احساس کا کیا

☆ الترمذی عن عبد اللہ بن محصن، حدیث حسن (صحیح وضعیف سنن الترمذی، للألبانی، رقم: ۲۳۴۶، ج ۵ ص ۳۴۶)

فائدہ جو وقت گزر جانے کے بعد پیدا ہوا اور پھر دل کو حسرتوں کا روگ لگا دے!! جو نعمت ہاتھ سے جاتی ہی رہی اب لاکھ اسکا احساس کریں آپ اس پر شکر تو نہ کر پائے! اب تو شکر نہیں صبر ہوگا!! پر جو ظالم نعمت پر شکر تک نہ کر سکا وہ مصیبت پر صبر کیا کرے گا۔ شکر اور صبر دونوں ہی عبادت ہیں بلکہ عبادت کی جان ہیں پر ان دونوں عبادتوں کا اپنا اپنا وقت ہے اور اپنی اپنی جگہ۔ غلط وقت یا غلط جگہ پر تو نماز بھی قبول نہیں!!!

صاحبو! ہم سب انسان ہیں اور انسان حقیقت میں ظالم اور نادان ہے جب تک نعمت حاصل ہے یہ خوش رہتا ہے۔ اس پر اپنا حق جتاتا ہے۔ اتراتا ہے۔ اور منعم کو تو گویا بھول ہی جاتا ہے کہ اُس کا بھی کوئی حق ہے اور نعمت دے رکھنے سے اُس کا بھی کوئی مقصد ہے۔ اب بھلا ایسے ناشکرے کو خدا یاد دلانا ہو تو اسکی کیا صورت ہے؟ تاکہ یہ جو اُس کے آسمان تلے رہتا ہے اور اُس کی زمین پر اُس کے فضل کا سہارا ٹیک کر چلتا ہے اپنی اوقات یاد کرلے سمجھ جائے کہ جس چیز کے بل بوتے پر یہ ٹھاٹھ کرتا ہے وہ اِس کی اپنی نہیں پرائی ہے یہ جن نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک پر بھی اِسکا حق نہیں۔ یہی نہیں بلکہ جن ہاتھ پاؤں، جن آنکھوں، جن کانوں، جس دل اور جس دماغ کے ذریعے یہ ان نعمتوں کا حظ اٹھاتا ہے اور ہر وقت مزے کرتا ہے وہ بھی اسکے اپنے نہیں۔ یہ دیدہ دلیری محض پرائے مال پر عیاشی ہے جس کی دنیا میں کہیں گنجائش نہیں۔ ایسی سینہ زوری چل جانے کی تو صرف ایک صورت ہے کہ اصل مالک نرا مجبور اور لاچار ہو، تب آدمی زبردستی اسکی چیز دبا رکھے! پر جو زبردست اور زور آور ہو اسکے آگے دم بھلا کون مارتا ہے! اُسکی چیز تو اُسکی مرضی اور احسان مندی کے بغیر ایک لمحہ نہیں رکھی جاتی!!!

پھر یہ سارا کچھ جان کر جو کم ظرف ہر نعمت کا خود مالک بن بیٹھے، اس پر اپنا حق جتائے، اترائے اور کہے یہ 'میری' ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہاں کتنے آئے اور کتنے گئے اس زمین پر نہ تو آج تک کوئی خود رہا اور نہ ہی وہ چیز جسے وہ 'میری' کہتا ہے، ہر کوئی

مٹی کا تھا اور مٹی کی چیز بالآخر مٹی کو مل کر رہی......تو آپ ہی بتایئے ایسے ناشکرے کو موت سے پہلے خدا یاد دلانے کی کیا صورت ہے؟ یہی نا کہ جو جو کچھ یہ 'اپنا' سمجھتا ہے اور اس پر اپنی مرضی چلاتا ہے اس میں سے کوئی ایک چیز اسکی 'اپنی' نہ رہے! اس کو جو ہزار ہا نعمتیں حاصل ہیں ان میں سے کوئی ایک آدھ ذرا اس سے چھن جائے!! تب جا کر اس کا ماتھا ٹھنکے کہ اگر وہ چیز اسکی 'اپنی' تھی تو پھر اسکی مرضی کے بغیر وہ چلی کیسے گئی۔ بھئی مالک کی منشا کے بغیر چیز آخر جا کہاں سکتی ہے! پھر اگر اسکو 'مالک' اور 'مزدور' کا فرق سمجھ آجائے تو یہ سودا مہنگا نہیں! بھائیو خدا اپنی عافیت میں رکھے، سچ پوچھیں تو یہ بھی ایسے انسان پر ایک نعمت ہوئی جو اسے باقی نعمتوں کی قدر و قیمت معلوم ہو اور چھن جانے والی نعمت پر اپنا ظلم یاد آئے۔ مگر......انسان بہت ظالم اور نادان ہے۔ اپنا قصور کب مانتا ہے۔ الٹا خدا کو دوش دیتا ہے واویلا کرتا ہے اور شکووں سے خالق ہی کو بدنام کرتا ہے۔ قسمت سے خدا 'یاد' بھی آیا تو گلے کرنے اور دھائی دینے کو! اپنا ظلم نہ تب مانے جب یہ ناشکرا تھا اور نہ اب مانے جب یہ بے صبرا ہے!!

الا المصلین سوائے بندگی کرنے والوں کے جو ہر حال میں اپنی اوقات یاد رکھتے ہیں۔ اپنے خالق کا مقام جانتے ہیں۔ اسکا حق پہچانتے ہیں اور یہ حق ادا کرنے کا خیال انکو صبح شام بے چین رکھتا ہے جو سب کچھ دے کر بھی سمجھتے ہیں کہ حق ادا نہ ہوا بھائیو اس نعمت کا نام ہدایت ہے جہاں میں اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں بس یوں سمجھو ہدایت ایک سلیقہ ہے جس سے ہر نعمت کا حق ادا ہوتا ہے ہر دکھ میں سکھ کا پہلو نکل آتا ہے گویا اس نعمت کے اندر ہر نعمت ہے اور اسکے بغیر ہر راحت وبال جان عزیز و کچھ بھی مانگو تو ساتھ یہ نعمت ضرور طلب کرو یہ مانگنے سے بہت ملتی ہے اور دینے والا دینے پر آئے تو بے حساب دیتا ہے۔

اللّٰھم انی اسئلک الھدیٰ و التقیٰ و العفاف و الغنیٰ (صحیح مسلم)

☆☆☆☆☆

قارئین! آپ نے ملک میں آئے روز مہنگائی اور ٹیکسوں کا رونا بہت سنا ہوگا! یہ کوئی ایسا غلط ہے نہ اچھنبے کی بات۔ ظلم کے نظام میں آخر توقع ہو بھی کس چیز کی سکتی ہے! مگر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ کتنا کچھ آپکو بالکل مفت ملتا ہے، کیا اسکی بھی کوئی قیمت ہے؟ کوئی چیز آپکو مفت ملنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ سرے سے اسکی کوئی قیمت نہیں! بجلی اور گیس کے نرخوں میں اضافہ ہو تو آپکو بہت کھلتا ہے، مگر صبح سے شام تک آپ کتنی ہوا پھونک لیتے ہیں، کیا اسکا بھی کبھی آپ نے حساب کیا؟ اگر اس پر بھی دام اٹھیں اور ٹیکس پڑیں تو آپ کیا کریں گے؟ بجلی اور گیس کی طرح کیا ہوا کا استعمال بھی کم کر لیں گے؟

پھر اشیائے خوردونوش اور روزمرہ استعمال کی ان چیزوں کو بھی لے لیجئے جو آپ بازار سے خریدتے ہیں۔ انکے بھاؤ بڑھنے اور ان پر بھتے لگنے کی نوبت بھلا کب آتی ہے؟ تبھی نا جب یہ چیزیں انسانوں کے ہاتھ میں پہنچتی ہیں البتہ انکے پیدا کرنے والے نے تو کبھی انکے ''پیسے'' طلب نہیں کئے!!! اُسکے پاس سے تو بھائیو سب مفت آتا ہے......مفت!!!

اور یہ جو چیزوں کی 'قیمت' ہم جیب سے نکال کر دے دیتے ہیں یہ بھی بھلا کہاں سے آتی ہے؟ غالباً اِس کا جواب ہمارے پاس یہ ہوگا کہ یہ ہماری اور ہمارے باپ دادا کی خون پسینے کی کمائی ہے! جواب برا نہیں۔ اسباب کی دنیا میں جواب اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے۔ مگر یہ اس سوال کا پورا جواب نہیں۔ بھئی یہ کمائی ہوئی کیسے؟ اور یہ خون پسینہ، ساری دنیا کو ایک سا کیوں نہیں ملا؟ پھر جو بھوک سے لوگ مر جاتے ہیں انکا 'خون پسینہ' کہاں چلا جاتا ہے؟ وہ بے وقوف یہ کمائی کیوں نہیں کر لیتے!!؟ اس کا جواب ہم کیا جانیں بھئی یہ تو قسمت کے کھیل ہیں! اور 'کمائی' کے مواقع؟ یہ سب چانس پر ہے!!! ویسے کمائی کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی کے ہاتھ پیر چلتے ہوں اور دل و دماغ صحیح کام کرتے ہوں...... جی ہاں وہی چیز جسے اللہ کے رسولؐ نے دنیا جہان کی خیر و سعادت کہا ہے!!

قارئین وقاریات!

ہم میں سے بیشتر کو دنیا جہاں کی یہ خیر اور سعادت حاصل ہے یہ فراغت، یہ تن آسانی، یہ صحت، یہ جوانی، یہ خوشیوں اور امنگوں سے بھری زندگی کتنی بڑی بڑی نعمتیں ہیں! بھلا آنکھ چلی جائے تو 'نئی' کتنے میں 'لگ' جاتی ہے؟ سماعت جواب دے جائے تو 'مرمت' کتنے میں ہو جاتی ہے؟ دل کا عارضہ لگ جائے تو جان کب جا کر چھوٹتی ہے؟ اور تو اور دانتوں کی قدر بھی آدمی کو تب ہوتی ہے جب کسی ایک دانت یا داڑھ میں زور کی ٹیس اٹھے یا جب مسوڑھوں سے چیز چبانی پڑے! کسی پیاسے یا قحط سالی کے مارے سے پوچھیے گا ٹھنڈا پانی کتنی بڑی نعمت ہے! یہی پانی جسم سے کچھ دیر خارج نہ ہو تو پتہ چلے حضرت انسان کے لیے پیشاب کا آنا کتنا اشد ضروری ہے! آپکے مسام بند ہو جائیں تو انکو کھلوانے پر کیا خرچہ آتا ہے! ؟ کبھی کسی ہسپتال کے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں آکسیجن ماسک لگے مریض سے پوچھ کر دیکھیے گا ایک سانس کا کیا مول ہے!

بھائیو! گھر کی راحت اور زندگی کا سکون کتنی بڑی نعمت ہے! بچوں کی فرمائش پوری کرنا آپ کے بس میں ہو تو خوشی سے انکا چہکنا اور بے خودی میں انکا اچھلنا دل کو کتنا بھلا لگتا ہے۔ گھر کا دروازہ کھلتے ہی دہلیز میں بچے آپ سے لپٹ جاتے ہیں تو دنیا کتنی خوبصورت ہو جاتی ہے! ایک خوشیوں سے بھرے قہقہوں سے گونجتے گھر کا بولو کیا مول لگاتے ہو؟ دوستوں اور عزیزوں کے فراق میں دل کو کھینچ کیسے پڑتی ہے؟ پھر طویل جدائی پر یہ وارفتگی سے لپٹ جانا کیا ہے؟ کسی پیارے کا جنازہ اٹھاتے ہو تو گویا دل نکل جاتا ہے! یہ بیٹوں اور عزیزوں کی محبت آخر کیا چیز ہے اور کس نے یہ الفت گوشت پوست کے لوتھڑوں میں بے حساب بھر دی ہے؟ پاک ہے وہ ذات جس نے مٹی کو رشتوں کی پہچان سکھائی اور محبت کا سلیقہ بخشا!!! بھائیو پھر اس محبت پر کیا صرف مٹی کا حق ہو، اِس کے خالق کا حق مقدم نہ ہو؟؟!

بہنو! تم اپنے سہاگ کا کیا مول لگاتی ہو!؟ اپنے نونہالوں کے سر پر باپ کا سایہ سلامت رہنے کی کیا قیمت دیتی ہو؟ اوس پڑوس کے کسی گھر سے تم نے کبھی یتیم بچوں کی معصوم چیخیں اور کسی جوان بیوہ کے دل چیر دینے والے نوحے ضرور سنے ہونگے۔ آخر انکے ہاں سے کیا چلا جاتا ہے!؟ یا یوں کہو انکے ہاں کیا رہ جاتا ہے؟!! تمہارا کنبہ سلامت ہے اور تمہاری خوشیاں آباد ___ اور خدا کرے آباد رہیں ___ تو اس کو تم محض اتفاق سمجھتی ہو! اُس حکیم اور خبیر کے کام ہوں اور پھر اتفاق!...... اتنا بڑا ظلم!!! تمہارے آنگن میں کھیلنے والے یہ قہقہے اور تمہارے لعلوں کی یہ چہک کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں! دیکھو، یہ تم پر تمہارے مالک کا یہ احسان ہے جو تمہارے گھر کو تمہارے لیے خوشیوں کا گہوارا بنانے کے لیے صبح شام اپنا فضل کرتا ہے! پھر تمہیں اپنی اس چھوٹی سی دنیا کو اسکی شکر گزاری اور بندگی کا نمونہ بنادینے میں آخر کیا تامل ہے؟؟؟

بھائیو اور بہنو! اپنی عقیدت اور شکرانہ پیش کرنے کیلئے اب کس 'لمحے' کا انتظار ہے!!؟

☆☆☆☆☆

ترمذی میں ہے ابو برزہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا☆:

(اللہ کے سامنے) کسی بندے کے قدم ہلنے بھی نہ پائیں گے جب تک وہ
ان چیزوں کا جواب نہ دے لے
زندگی تھی وہ کس (مقصد) میں گزاردی؟
علم تھا تو اسکا کیا کیا؟
مال تھا تو وہ کہاں سے کمایا؟

☆ الترمذی، حدیث صحیح (صحیح وضعیف سنن الترمذی، للألبانی، رقم: ۲۴۱۷، ج ۵ ص ۴۱۷)

اور کہاں خرچ کرتا رہا؟

اور اپنے بدن کی (قوتوں اور صلاحیتوں) کا کیا مصرف کیا؟

ایک اور حدیث ☆ میں یہ سوال بھی آتا ہے۔

جوانی تھی تو اس کا کیا بنایا؟

صحیح مسلم میں ابوھریرہؓ اور عائشہؓ کی روایات جمع کرنے سے کچھ یوں مفہوم نکلتا ہے کہ:

''جس صبح کا سورج بھی آدمی کو دیکھ لینا نصیب ہو جائے اس روز آدمی پر اپنے ایک ایک جوڑ کی صحت اور سلامتی کا صدقہ دینا ضروری ہو جاتا ہے وہ اللہ کی تسبیح کرے۔تکبیر کہے۔اسکی حمد و تعریف کرے سب صدقہ ہے یہ صدقہ اللہ کی توحید کے بار بار اقرار (تہلیل) سے ادا ہوسکتا ہے امر بالمعروف یعنی نیکی کا حکم دے کر ہوسکتا ہے نہی عن المنکر یعنی برائی سے روک کر کیا جاسکتا ہے مخلوق میں عدل و انصاف کرا دینا صدقہ ہے مشکل میں کسی کے کام آنا صدقہ ہے راستے سے رکاوٹ اور تکلیف کا سبب دور کر دینا صدقہ ہے منہ سے اچھی بات کہہ دینا صدقہ ہے نماز کی طرف اٹھایا جانے والا ایک ایک قدم صدقہ ہے انسان کے کل تین سو ساٹھ جوڑ بنتے ہیں پس جو آدمی شام پڑنے تک صدقوں کی اتنی ہی تعداد پوری کر لے (اپنے ایک ایک جوڑ کی عافیت کا صدقہ نکال لے) تو وہ سمجھے بس اس نے کھینچ تان کر اپنا آپ جہنم کی آگ سے بچا ہی لیا''

دیکھا آپ نے خواتین وحضرات! صبح کا سورج چڑھتا ہے تو ساتھ کتنے پیغام لاتا ہے جس کے شام تک ہمیں جواب تیار کرنے ہوتے ہیں۔لکھنے والے تو سورج طلوع ہونے سے پہلے آموجود ہوتے ہیں سورج غروب ہونے سے پہلے وہ اپنا کام مکمل کر لیتے ہیں اور ڈیوٹیاں تک بدل کر چلے جاتے ہیں۔اپنے دن کا آغاز اور اختتام

☆ السلسلة الصحيحة للألباني، رقم: ٩٤٦، ج ٢ ص ٦٢٩)

خوشگوار بنانے کے لیے روزانہ فجر اور عصر کی نمازوں میں زندہ انداز کی شرکت بروقت اور یقینی بنالیجئے۔ آفتاب کے طلوع اور غروب سے پہلے اور شفق کی سیاہی، یہ ایسے اوقات ہیں کہ زمین پر ہونے والے سجدے اور حمد و تسبیح کے مناظر آسمانوں پر بطور خاص دیکھے جاتے ہیں۔ شکر گزاروں کی تلاش بس یہیں ہوتی ہے!!

الَّذِی یَرَاکَ حِینَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِینَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِیعُ الْعَلِیمُ (الشعراء۲۱۸۔۲۲۰)

"وہ جو تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم (اسکی بندگی کرنے کو) کھڑے ہوتے ہو۔ اور سجدے کرنے والوں میں تمہاری نقل و حرکت بھی وہ دیکھتا رہتا ہے۔ وہ تو ہے ہی سمیع اور بصیر"

بھائیو اور بہنو!

شکر گزاروں میں نام لکھوانے کی خواہش ہے تو آیئے اپنی اپنی دنیا منعم کی مرضی اور چاہت کے مطابق تبدیل کرلیں!

سب سے پہلے تو دل کی دنیا ہے۔ اپنی اس دنیا پر بادشاہت ہر آدمی خود کرتا ہے۔ اس میں کون کس حیثیت میں رہے اور کون اس سے بے دخل ٹھہرے؟ یہ طے کرنے کا اختیار آدمی کے اپنے پاس رہتا ہے۔ اور دنیاؤں کا تو اس کو اختیار ہو یا نہ، مگر یہاں ضرور اسکی اپنی چلتی ہے۔ اس لیے شکر مندی کا فیصلہ بھی بس اسی پر ہو جاتا ہے۔ ہاں تو بھائی دل کی اس دنیا میں کون بستا ہے جہاں صرف تمہاری فرمانروائی ہے؟ یہاں اُس ذات کو کیا مقام حاصل ہے جس کی رحمت سے تمہارا وجود ہے! جس سے تم نے ساری زندگی اپنی ہر چاہت ہر ارمان پورا کرایا! وہ ذات جو برسوں سے تمہیں وقت پہ کھلاتی رہی، طرح طرح کے مشروب سے تمہاری پیاس بجھاتی رہی، جس نے آج تک تمہارا تن ڈھانپا، اوروں سے تمہارا ننگ چھپایا اور اب بھی یہ اسی نے چھپا رکھا ہے! جس نے 'اوروں' میں ہمیشہ تمہاری عزت اور حیثیت کا بھرم رکھا۔ ہاں اُس ذات کا تمہارے اِس

دل میں کیا مقام ہے... اس دل میں جس کی ایک ایک دھڑکن اب بھی اُسی کے اذن اور اشارے کی محتاج ہے؟ یہاں اگر سب سے بلند حیثیت اسکو نہیں بلکہ 'اوروں' کو حاصل ہے اور تم اپنی اس قلمرو میں اپنے مالک کو دوسرے 'درجے کی شہریت' دے کر رکھنا چاہتے تو تم اُس کی بردباری اور اپنی کم ظرفی کا بس یہیں حساب کرلو! بھائی تم نے اس کو غلط جانا۔ وہ پاک ہے صرف پاک چیز قبول کرتا ہے اور پاک جگہ ہی اس کے لائق ہے! بہتر ہے اُس کے لیے اِس دل کو پاک کرلو۔ 'اوروں' کی محبت اور وارفتگی اِس سے نکال دو۔ غیروں کی خفگی کے اندیشے کھرچ دو۔ سب سے بڑھ کر یہاں ایک اُسی کی چاہت رکھو اور ایک اُسی کی نظر التفات پھر جانے کا خوف۔ کبھی دل پر بس نہ چلے تو مدد بھی بے شک اُسی سے لے لو۔ پر یہ دنیا چھوڑنے سے پہلے اُسکو ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ دل ضرور پیش کردو۔ بھئی کہیں اور اس کا نام بلند نہیں کر سکتے اِس دل میں تو کر سکتے ہو! کیا اِس میں بھی کوئی اور اس سے اونچا رہے؟؟؟ آدمی کا بس ایک دل ہی تو دیکھا جاتا ہے!!!

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ۸۷۔۸۹)

"خدایا بس اس روز کی رسوائی سے مجھے بچائیو۔ جب قبروں سے انسان برآمد کر لیے جانے ہیں جس روز مال کام آئے گا نہ لختِ جگر بچے گا ایک وہی جو اللہ کے پاس پہنچا تو قلب سلیم پاس رکھتا ہوا"

☆☆☆☆☆

(اردو استفادہ از عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین، مؤلفہ ابن القیم)

دنیا کی حقیقت

''خوب جان لو یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل ہے، اور دل لگی، اور ظاہری ٹیپ ٹاپ، اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال واولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے......''

چند الفاظ میں اللہ تعالی نے دنیا کی پوری حقیقت ہی نگاہ والوں کی نگاہ میں رکھ دی۔ یہ دنیا کیا ہے؟ کھیل۔ بس ایک دل لگی۔ قلب وذہن کیلئے تماشا اور جسم واعضاء کیلئے ایک کھیل۔ جبکہ کھیل کی کبھی کوئی حقیقت ہوتی ہے اور نہ تماشے کی۔ اس کی کچھ حقیقت ہے تو یہی کہ ذہن کو مصروف کرے، دل کو لبھائے اور وقت کو برباد کرے۔ جو اس کی حقیقت سے بے خبر رہا وہ اس تماشے میں اپنی عمر کھو بیٹھا۔ ہوش آیا تو تب نہ وقت باقی رہا اور نہ تماشا!

پھر فرمایا کہ محض 'ٹیپ ٹاپ' ہے اور بس 'زیب وآرائش'! جو دلوں کو لبھاتی ہے اور نظروں کو خیرہ کرتی ہے۔ نگاہوں سے ستائش چاہتی ہے اور دلوں سے شوق ورغبت کی طلبگار رہتی ہے۔ یہی دل اگر اس 'آرائش' کی حقیقت سے آگاہ ہوجائیں اور یہی آنکھیں اس چکا چوند سے پرے اس کی اصلیت دیکھ لیں اور اس کے انجام سے واقف ہوجائیں، تب یہ دنیا ان کے لئے بے وقعت ہوجائے اور یہ اس پر آخرت کو ترجیح دینے

لگیں۔ تب یہ ہمیشہ کے گھر پر جو خوشیوں سے ہمیشہ آباد رہے گا غموں کے ایک ایسے گھر کو کبھی ترجیح نہ دیں جو نہ معلوم کے پل کا ہے۔

مسند احمد میں روایت ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''دنیا سے میرا بھلا کیا ناطہ! میری اور دنیا کی مثال تو بس ایسی ہے جیسے کوئی مسافر کسی درخت کی چھاؤں میں گرمیوں کی کوئی دوپہر گزارنے بیٹھ جائے۔ وہ کوئی پل آرام کرے گا تو پھر اٹھ کر چل دے گا''!

ترمذی میں سہل بن عبداللہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''یہ دنیا اللہ کی نگاہ میں مچھر کے پر برابر بھی وزن رکھتی تو کافر کو اس دنیا سے وہ پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہونے دیتا''

صحیح مسلم میں مستورد بن شداد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دنیا آخرت کے مقابلے میں بس اتنی ہے جتنا کوئی شخص بھرے سمندر میں انگلی ڈال کر دیکھے کہ اس کی انگلی نے سمندر میں کیا کمی کی'' تب آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کی جانب اشارہ کیا۔

ترمذی میں ان کی ایک روایت یوں آئی ہے، کہا: میں رسول اللہ ﷺ کا ہم رکاب تھا کہ آپ نے ایک مردہ بکری کے پاس ہمیں روک لیا۔ فرمایا: ''کیا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ یہ اپنے مالکوں کی نظر میں کتنی بے کار اور بے وقعت ہوئی کہ وہ اسے یوں پھینک گئے!'' صحابہؓ نے عرض کی: اللہ کے رسولؐ یہ بے قیمت تھی تو گھر والوں نے یوں پھینک دی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر سنو دنیا اللہ کی نظر میں اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہے جتنی اس گھر والوں کیلئے یہ مردہ بکری''

ترمذی ہی میں ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث بھی آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ دنیا ملعون ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے وہ ملعون ہے سوائے اللہ کی یاد کے اور جو اس سے تعلق رکھے اور سوائے اس کے جو کچھ سیکھے یا سکھائے''

امام احمد نے عبداللہ بن دینار النہرانی کا یہ قول بیان کیا کہ عیسی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا تھا: ''میں تمہیں حق بات بتاتا ہوں۔ دیکھو دنیا کی مٹھاس آخرت کی کڑواہٹ ہے۔ اور دنیا کی کڑواہٹ آخرت کی مٹھاس ہے۔ اللہ کے سچے بندے آسائش پسند نہیں ہوتے۔ میں تمہیں حق بات بتاتا ہوں، تم میں بدترین عمل اس شخص کا ہے جو عالم ہو کر پھر دنیا سے محبت رکھے اور اس کو آخرت پر ترجیح دے''

امام احمد نے سعید بن عبدالعزیز نے مکحول سے یہ قول نقل کیا کہ عیسی علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''اے حواریو! تم میں بھلا کون ہے جو سمندر کی اٹھتی موج پر اپنا گھر تعمیر کرلے؟''

سب نے عرض کی: ''اے روح اللہ! بھلا یہ کون کرسکتا ہے!؟'' تب فرمایا:

''تو پھر اس دنیا سے خبردار رہو، اس کو جائے قرار بنانے سے بچے رہو''

امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں عیسی بن مریم علیہ السلام کا قول نقل کیا:

''میں تم سے حق بات کہتا ہوں۔ جو دائمی بہشت کا وارث بننا چاہتا ہے اس کے لیے تو یہ بھی بہت ہے کہ اسے کھانے کو روٹی مل جائے اور پینے کو میٹھا پانی اور سونے کے لیے ایسی گلیاں بھی بری نہیں جہاں بے شک کتے رات گزارتے ہوں''

مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''اللہ تعالی نے تو اس دنیا کی مثال بس ابن آدم کے کھانے کی صورت میں ہی بیان کردی خواہ وہ اس کھانے کو کتنا ہی مزیدار اور چٹ پٹا بنالے بس کھانے کی دیر ہے پھر دیکھے وہ کیا سے کیا بنتا ہے!''

پھر تیسری بات اللہ تعالی نے اس دنیا کی یہ بتائی کہ یہ 'تفاخر' اور 'تکاثر' کا سامان ہے۔ یہ ایک دوسرے کو مات کرنے کیلئے ایک ذریعہ ہے۔ دراصل ایک دوسرے پر جیت پانے کے لیے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کیلئے ہی دنیا کی دوڑ لگانی پڑتی ہے......''

حضرت علیؓ نے ایک بار قبرستان سے گزرتے ہوئے فرمایا:

”دنیا سچ والوں کیلئے سچائی ثابت کرنے کی جگہ ہے۔ جو اس کی حقیقت سمجھ گیا اس کیلئے یہ عافیت کا گھر ہے۔ جو اس سے بچ بچ کر چلنے والے ہیں ان کے لیے یہ کامیابی کا زینہ ہے۔ یہ دنیا وہ مبارک جگہ ہے جہاں انبیاء سجدے کر کر کے رخصت ہوتے رہے۔ یہاں پے درپے اللہ کی وحی اتری۔ فرشتے یہاں کی خیریت کی صبح وشام دعائیں کریں۔ اللہ کے ولیوں اور دوستوں کے لیے یہی میدان عمل ہے۔ یہیں وہ اس کی رحمت کے مستحق بن بن کر جاتے ہیں اور یہیں سے وہ اپنی عافیت کا بندوبست کرتے ہیں۔ کوئی اسے برا کیوں کہے جب اس نے اپنا آپ خود بتا دیا۔ اپنے خاتمے کی خبر یہ خود دیتی ہے۔ اپنے باشندوں کو موت اور فنا کے پیغام روز سناتی ہے۔ کچھ لوگوں کو اسے دشنام دینے کی تب سوجھی جب پشیمانی کے سوا کسی چیز کا وقت باقی نہ رہا۔ مگر خوش قسمتوں نے اسے خوب داد دی کیونکہ اس دنیا نے انہیں جب سمجھایا تو وہ سمجھ گئے۔ انہیں خبردار کیا تو وہ چوکنا ہو گئے“

”سوائے دنیا کے فریب میں پڑے رہنے والو جو آخر میں اسے دشنام دیں گے! دنیا دشنام کے لائق کب ہوئی؟ دنیا نے تم کو فریب کب دے دیا؟ کیا یہ فریب تم نے اپنے باپ دادا کی ویران قبریں دیکھ کر اس سے کھالیا؟ یا اپنی ماؤں کے بین کرنے سے تمہیں اس دنیا کے بارے میں غلط فہمی ہوئی؟ تم اپنے ان ہاتھوں سے کتنے بیماروں کا علاج کرواتے رہے؟ کتنوں کی تیمارداری کی؟ کتنوں کیلئے صحت یابی کی دعائیں کرتے رہے؟ کتنوں کی خاطر طبیب ڈھونڈے؟ مگر تمھاری کوئی تدبیر کام نہ آئی۔ تمہاری دوڑ دھوپ بے کار گئی۔ اس کا بستر مرگ تم نے دنیا کے آئینے میں دیکھ لیا کہ وہ تمہارا ابھی بستر ہے۔ اس کی لاش ہو یا تمہاری اس چارپائی کی بلا سے ایک ہے“

تب حضرت علیؓ قبروں کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا:

''اے ملک عدم کے لوگو! اے مٹی کے باسیو! تمہارے گھر تھے سو ان میں اب اور بستے ہیں۔ تمہارے مال جائیداد تھے سو اب وہ اوروں میں تقسیم ہوئے۔ تمہاری بیویاں تھیں سو اوروں سے بیاہی گئیں۔ ہمارے ہاں کی تو بس یہی خبر ہے تم سناؤ تمہارے ہاں کی کیا خبر ہے؟''

تب حضرت علیؓ ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''سنو آج اگر ان کو اجازت ملے تو تمہیں یہ ضرور بتائیں کہ یہاں سے ساتھ لے جانے کیلئے سب سے قیمتی سامان تقویٰ ہے''!!!

سو یہ دنیا درحقیقت لعنت ملامت کرنے کی چیز نہیں۔ لعنت ملامت دراصل انسان کے اس فعل کی ہو سکتی ہے جو وہ اس دنیا میں بے مقصد کرتا ہے۔ یہ دنیا تو درحقیقت ایک گزرگاہ ہے یہ ایک پل کا کام دیتی ہے جس کے اس پار جنت ہے یا جہنم۔ مگر چونکہ یہاں انسانوں کی اکثریت خواہشات وشہوات سے مغلوب ہوتی ہے۔ اللہ سے روگردانی اور آخرت سے غافل رہتی ہے، اس لیے لفظ ''دنیا'' سے مراد یہی خواہش پرستی اور شہوت پسندی لیا جانے لگا۔ یوں آخرت سے غفلت کا نام ''دنیا'' پڑ گیا۔ قرآن یا حدیث میں جہاں کہیں ''دنیا'' کی مذمت ہوئی ہے تو دراصل وہ دنیا کی اسی روش اور اسی معنی کی ہوئی ہے۔ ورنہ یہ دنیا تو ہمیشگی پانے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ یہ آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ جنت کی راہ کی ایک منزل ہے اور بہشت کیلئے زادراہ۔ پاکیزہ نفوس یہیں پر ایمان کی نعمت سے بہرور ہوتے ہیں۔ یہیں پر وہ اللہ کی ہستی کی پہچان کر کے اگلے جہاں رخصت ہوتے ہیں۔ یہیں وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور یہیں اس کا نام بلند کرتے ہیں۔ جنت کے ٹھاٹھ باٹ، وہاں کی بہتی نہریں، رواں چشمے اور سرسبز باغات یہیں کی کھیتی کے مرہون منت تو ہیں! دنیا کی قدر بھی کسی کو ایمان نصیب ہو تو معلوم ہوتی ہے!!

(اردو استفادہ از عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین، مؤلفہ ابن القیم ص ۱۴۰-۱۴۳)

(استفادہ از جامع العلوم والحِکم، مؤلفہ ابن رجب)

'پردیسی' یا پھر 'راہ گیر'!

عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال: أخذ رسول اللہ ﷺ بمنکبي فقال: کن في الدنیا کأنک غریب، أو عابر سبیل، وکان ابن عمر رضی اللہ عنھما یقول: إذا أمسیت فلا تنتظر الصباح وإذا أصحبت فلا تنتظر المساء، وخد من صحتک لمرضک ومن حیاتک لموتک (راوہ البخاری)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے کندھے سے پکڑا اور فرمایا: "دُنیا میں یوں رہو جیسے پردیسی یا بس ایک راہگیر"۔ عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے: "کوئی شام مل جائے تو صبح کا انتظار مت کرو اور صبح مل جائے تو شام کی آس مت رکھو۔ صحت میں بیماری کا بندوبست کرلو اور زندگی میں موت کا"

ترمذی نے یہی حدیث لیث سے اور انہوں نے مجاہد سے روایت کی ہے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے (وَعُدَّ نفسَکَ مِنَ اَھْلِ الْقُبُوْر) کہ "اپنے آپ کو قبرستان میں پڑا ہوا دیکھو" اور اس روایت میں عبداللہ بن عمرؓ کے الفاظ میں یہ اضافہ آتا ہے۔ (فإنک لا تدري یا عبداللہ مأ اسمک غداً) "کیونکہ تم نہیں جانتے اے عبداللہ کل تمہیں کس نام سے پکارا جائے گا۔" ابن ماجہ نے یہی روایت بیان کی ہے مگر اس میں عبداللہ بن عمرؓ کے الفاظ نقل نہیں کئے۔ امام احمد اور نسائی نے اوزاعی سے یہ

حدیث روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھے پکڑا اور فرمایا: ''اللہ کی عبادت یوں کرو گویا تم اس کو دیکھتے ہو۔ اور دُنیا میں یوں رہو گویا پردیس میں رہتے ہو یا بس گویا کہیں راہگیر ہو''۔

یہ حدیث آرزوہائے دنیا کو مختصر کر دینے کیلئے شریعت کی بنیاد ہے۔ مومن کا کیا کام کہ وہ دنیا کو اپنا وطن بنا لے اور اسی کو اپنا ٹھکانہ سمجھ لے اور پھر اس میں دل لگا کر رہنے لگے۔ وہ تو اس دُنیا میں یوں رہے گا گویا عازم سفر ہے اور کوچ کر جانے کیلئے ہر دم تیار۔ انبیاء نے اور ان کے نیک پیروکاروں نے جو وصیتیں کی ہیں ان سب کا یہی خلاصہ ہے۔

مومن آل فرعون کی یہ بات خدا نے قرآن میں ذکر فرمائی:

إنّمَا هٰذه الدُّنْيَا مَتَاعٌ وانَّ الآخِرَةَ هِيَ دَارُالقَرار   (المؤمن:۳۹)

''یہ حیات دُنیا ایک متاعِ فانی ہے (یقین مانو کہ قرار) اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے''۔

نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''میرا دُنیا سے کیا کام! میری اور دُنیا کی مثال تو بس ایسی ہے کہ جیسے کوئی سوار اپنی سواری سے اتر کر کسی پیڑ کی چھاؤں میں گھڑی دو گھڑی آرام کرے پھر اُٹھے اور چل دے''۔

مسیح علیہ السلام کی اپنے پیروکاروں کو نصیحت تھی: ''یہ عبور کرنے کی ہے۔ دل لگا لینے کی نہیں''۔ مسیح علیہ السلام ہی سے یہ قول بھی آتا ہے: ''کون ہے جو سمندر کی کسی موج پر گھر بنا لے؟ یہ دُنیا بھی ویسی ہے۔ اس کو ٹھہرنے کی جگہ کبھی مت سمجھنا''۔

ایک آدمی ابوذر رضی اللہ عنہ کے ہاں آیا اور گھر میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور حیرانی کے ساتھ ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا: آپ لوگوں کا سامان کہاں ہے؟ ابوذرؓ کہنے لگے: ہم نے دراصل ایک دوسرا گھر لے لیا ہے اور کچھ ہی دیر میں وہاں منتقل ہو رہے ہیں۔ آدمی نے پھر کہا: مگر جب تک آپ یہاں ہیں آپ کا سامان یہاں ہونا چاہیئے۔ ابوذرؓ فرمانے لگے: مالک مکان معلوم نہیں کب یہاں سے ہمیں نکال دے!

کسی نیک انسان کے ہاں کچھ لوگوں کا جانا ہوا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی کچھ نظر نہ آیا۔ صاحبِ خانہ سے کہنے لگے: لگتا ہے آپ لوگ یہاں سے منتقل ہو رہے ہیں۔ فرمایا: منتقل کہاں ہوں گا نکالا جاؤں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''دُنیا جا رہی ہے، آخرت آ رہی ہے۔ کچھ لوگوں کو دُنیا کا مال ہیں اور کچھ آخرت کا۔ دیکھو ان میں رہو جو آخرت کا مال ہیں اور ان میں مت رہنا جو اسی دنیا کا مال ہیں۔ بات یہ ہے کہ آج عمل ہی عمل ہے حساب نہیں۔ کل حساب ہی حساب ہے اور عمل کی کوئی گنجائش نہیں''۔

کسی دانا کا قول ہے:

''مجھے تو اس شخص پر تعجب ہے کہ جس سے دُنیا رخصت ہو رہی ہے اور آخرت اس کی جانب بڑھتی چلی آ رہی ہے مگر یہ ہے کہ جانے والی کی خاطر میں لگا ہے اور آنے والی سے منہ موڑ کر بیٹھا ہے''

عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے کسی خطبے میں فرمایا تھا:

''خبردار یہ دُنیا اس قابل نہیں بنائی گئی کہ تم اس میں دل لگا کر رہو۔ خدا نے لکھ دیا ہے کہ یہ فنا ہو کر رہے گی۔ اور اس میں جو بس رہے ہیں خدا نے لکھ دیا کہ وہ یہاں سے کوچ کر کے رہیں گے۔ کتنے ہی سجے سجائے گھر ہیں جو کچھ ہی دیر میں ویران ہو جانے والے ہیں۔ ان گھروں میں کتنے ہی ایسے رہنے والے ہیں جن پر دُنیا اب رشک کرتی ہے مگر عنقریب وہ ان گھروں میں نظر تک نہ آئیں گے۔ دیکھو جب تمہیں جانا ہے تو کیوں نہ اس سفر کو ایک اچھا اور خوشگوار سفر بنا لو۔ یہاں جو کچھ میسر ہے اس سفر کیلئے ساتھ اُٹھا لو۔ سواری کا بندوبست کرلو۔ زادراہ لے لو اور دیکھو اس سفر میں بہترین زادراہ تقویٰ ہے''۔

جب یہ دُنیا ایک مومن کے بس رہنے کی جگہ نہیں تو حدیث کی رو سے ایک مومن کو ان دو بہترین صورتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا چاہئے:

- یا تو وہ ایسے رہے جیسے آدمی پردیس میں رہتا ہے۔ کسی اجنبی ملک میں عزیز رشتہ داروں سے دور جہاں وہ کچھ کمانے گیا ہے اور واپسی کے دن گن رہا ہے۔
- یا پھر سرے سے ہو ہی ایک راہگیر جو کچھ دیر کیلئے بھی کسی جگہ پر مقیم نہیں ہوتا بلکہ وہ دن رات کہیں پڑاؤ کرتا ہے تو اپنے اصل وطن کو واپس جانے کیلئے۔

چنانچہ نبی ﷺ نے عبداللہ بن عمرؓ کو جو وصیت کی تو وہ یہی کہ دو حالتوں میں سے کوئی ایک حالت اختیار کرلیں: پردیسی یا پھر راہگیر۔

پہلی حالت یہ ہے کہ آدمی دنیا کو پردیس سمجھے، جہاں اس کی اقامت تو ہے مگر یہ اس کا اپنا شہر نہیں۔ اسے اس شہر کو چھوڑنا ہے۔ سو یہاں دل لگانے کا کیا فائدہ۔ اس کا دل 'پردیس' میں رہتے ہوئے بھی 'دیس' میں رہتا ہے۔ اس آدمی کی حالت یہ ہے کہ کہیں پردیس میں رکنا پڑ گیا ہے۔ سواری میں کوئی خلل آ گیا ہے جس کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ یا سامان جمع کرنے کی ضرورت ہے یا کوئی اور مہم جس کے ختم ہوتے ہی اسے وطن واپس چلے جانا ہے۔

فضیل بن عیاضؒ کہتے ہیں: ''مومن دنیا میں غمگین اور پریشان رہتا ہے۔ اس کی ساری سوچ اس بات میں ہوتی ہے کہ وہ یہاں زیادہ سے زیادہ سامان اکٹھا کرلے اور پھر لدا پھندا وطن جائے۔ جو آدمی دُنیا میں یوں رہتا ہو اس پر ایک ہی فکر سوار ہوگی اور وہ یہ کہ وہ یہاں سے ہر ایسی چیز جمع کرلے جو اس کے اپنے وطن میں بیش قیمت سمجھی جائے گی اور جس کے بل پر وہ اپنے گھر میں ٹھاٹھ کرے گا۔ اُس کو اس بات سے کیا غرض کہ وہ پردیس میں لوگوں سے چودھراہٹ پر الجھے یا اسے وہاں پر کم درجہ ملے تو وہ اسی پر پریشان ہو کر بیٹھ رہے''۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ''مومن کیلئے دُنیا پردیس ہے۔ یہاں اسے کم درجہ ملے تو اسے اس پر ہائے دہائی کی کیا ضرورت۔ یہاں بلند درجہ پانے کیلئے دُنیا والوں کے ساتھ دوڑ لگانے کی اسے کیا حاجت۔ لوگ یہاں کسی اور فکر میں رہتے ہیں اور یہ کسی اور فکر میں''۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کو اور ان کی جورو کو جنت میں بسایا۔ پھر ان دونوں کو وہاں سے اتار دیا اور وعدہ کیا کہ وہ ان کو اور ان کی نیک اولاد کو واپس یہیں لا بسائے گا۔ سو وہ جو اس بات پر ایمان رکھتے وہ سارا شوق اپنے اسی وطن کیلئے رکھتے ہیں۔ وطن سے محبت (اس معنی میں) واقعی ایمان ہے۔

عطاء السلمي دُعا کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

''خدایا دُنیا میں میری پردیس کی حالت پر رحم فرما۔ قبر میں میری تنہائی کی حالت پر ترس فرمانا۔ اور کل جب میں تیرے سامنے کھڑا ہوں گا میری اس بے مددگاری کی حالت پر مہربانی فرمانا''

حسن بصریؒ کہتے ہیں: ''مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا:

''میری مثال اور تمہاری مثال اور دُنیا کی مثال بس ایسی ہے گویا کچھ لوگ لق ودق صحرا سے گزر رہے ہوں، یہاں تک کہ ان کو یہ تک اندازہ نہیں رہتا کہ جو راستہ وہ طے کر چکے وہ زیادہ ہے یا وہ جو ابھی پڑا ہے۔ کھانے پینے کا سب سامان ختم ہو جاتا ہے اور سواری تک پاس نہیں رہتی۔ اب وہ دشت میں بے سروسامان بیٹھے ہیں اور ان کو اپنا ہلاک ہو جانا یقینی نظر آتا ہے۔ نوبت جب یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو ان کے پاس ایک آدمی آتا ہے جس کے سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے۔ یہ کہنے لگتے ہیں۔ ضرور یہ ابھی ابھی کسی ڈیرے سے آیا ہے اور یہ آیا بھی کہیں قریب سے ہے۔ آدمی جب ان کے پاس آ پہنچتا ہے تو ان سے پوچھتا

ہے: کیا ماجرا ہے؟ وہ کہتے ہیں: سب تمہارے سامنے ہے۔ تب وہ کہتا ہے: کیا خیال ہے اگر میں تم کو بہتے پانی اور سرسبز و شاداب جگہ تک لے چلوں تو تم مجھے کیا کر کے دو گے؟ وہ سب کہتے ہیں: تم جو کہو وہ کریں گے اور تمہاری ہرگز کوئی بات نہ ٹالیں گے۔ وہ کہتا ہے: میرے ساتھ پختہ عہد اور خدا کے نام کا میثاق کرو۔ وہ اس کے ساتھ اپنے عہد اور خدا کے نام کے میثاق کرتے ہیں کہ وہ اس کی کہی بات ہرگز نہ ٹالیں گے۔ تب وہ آدمی انہیں پانی اور سبزے تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ کچھ دیر تک ان کو وہاں رہنے دیتا ہے پھر انہیں کہتا ہے: اٹھو اب آگے چلنا ہے۔ وہ پوچھنے لگتے ہیں: اب کہاں چلنا ہے؟ وہ کہتا ہے: وہاں جہاں ایسے زبردست چشمے ہیں جو یہاں نہیں۔ اور جہاں ایسی سرسبزی و شادابی ہے جو یہاں کہیں نہیں۔ تب ان میں کی اکثریت بول اٹھتی ہے: ارے بھائی ہمیں تو یہی بڑی مشکل سے ملا ہے اور اس کو ہی پانے کی ہمیں تو امید نہیں تھی۔ اس سے بہتر جگہ پا کر ہم کیا کریں گے!؟ مگر ان میں سے تھوڑے لوگ کہنے لگتے ہیں! کیا تم نے اس شخص کے ساتھ پختہ عہد اور خدا کے نام کے میثاق نہیں کئے تھے کہ تم اس کی کہی بات ہرگز مت ٹالو گے۔ پھر اس نے جو پہلی بات تمہیں بتائی وہ سچ ثابت بھی ہوئی ہے۔ بخدا یہ اپنی دوسری بات میں بھی ضرور سچا ہوگا''۔ آپؐ فرماتے ہیں: ''تب وہ آدمی ان تھوڑوں کو لے کر وہاں سے چل دیتا ہے اور باقی سب وہیں پڑے رہتے ہیں، تب دشمن ان پر اچانک حملہ آور ہوتا ہے۔ کچھ پکڑے جاتے ہیں اور کچھ مارے جاتے ہیں''۔

یہ حدیث ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے۔ امام احمدؒ نے بھی اس کو مختصر الفاظ میں علی بن زید بن جدعان عن یوسف بن مھران، عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

چنانچہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی امت کی آپ ﷺ کے ساتھ جو حالت ہے اس پر غایت درجہ مطابقت رکھتی ہے۔ یعنی جب آپؐ کی بعثت ہوئی تو عرب دنیا کی

ذلیل ترین اور کمترین قوم تھے۔ دُنیا اور آخرت ہر معاملے میں دُنیا سے پیچھے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ان کو نجات کی راہ دکھائی اور لوگوں نے آپؐ کی صداقت کے دلائل اپنی آنکھوں سے دیکھے جیسا کہ حدیث میں بیان کی گئی مثال میں لوگوں نے، جبکہ انکا زادراہ اور سازوسامان ختم ہو چکا تھا، اس آدمی کی بات سچ پائی جس کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا اور جس نے ان کو پانی اور سرسبز جگہ کی نشاندہی کر کے دی تھی تب انہوں نے اس کے حلیہ اور اس کے چہرے مہرے کو دیکھ کر اس کے سچا ہونے کا اندازہ لگایا تھا۔ اس طرح عربوں نے آپؐ کی نبوت کی سچائی بھانپ کر آپؐ کی اتباع اختیار کی اور فارس اور روم کے ملک اور خزانوں کے مالک بن گئے۔ مگر آپؐ نے اس اقتدار اور ان خزانوں سے دھوکہ کھا جانے سے ان کو ممانعت فرمائی تھی اور یہ بھی نصیحت فرمائی تھی کہ وہ اس میں دل نہ لگالیں بلکہ دنیا کے اس اقتدار اور اس سب شان وشوکت کو بس ایک گزرگاہ جانیں اور اس سے جتنا ہو سکے آخرت کا سامان لیں اور اپنی تمام تر محنت اور جدوجہد کے معاملہ میں بس آخرت ہی کے طلبگار رہوں۔ سب نے آپؐ کا پہلا وعدہ سچا پایا۔ دنیا مفتوح ہوگئی اور خزانوں کی بارش ہونے لگی تو اکثر لوگ اس کو جمع کرنے کے درپے ہوئے اور اسی دُنیا کی دوڑ میں ایک دوسرے کو مات دینے کی سوچنے لگے۔ اسی میں دل لگا کر رہنے کی سوچی اور اسی کی شہوات وخواہشات میں لوٹنے لگے۔ جس اگلی منزل کی آپؐ نے ان کو نشاندہی کر کے دی تھی یعنی آخرت، اس کے لئے آستینیں چڑھا کر تیاری کرنے سے اکثر لوگ غفلت میں پڑ گئے۔ مگر کچھ لوگوں نے آپؐ کی یہ وصیت یاد رکھی کہ اس سب شان وشوکت اور دولت واقتدار کو اصل منزل کیلئے بس ایک گزرگاہ سمجھیں اور پوری محنت اور جدوجہد بس اسی آخرت کیلئے کرتے رہیں۔ سو تھوڑے لوگوں کا یہ گروہ نجات پا گیا اور دُنیا میں یوں چلا کہ آخرت میں اپنے نبی کا ساتھ پانے میں کامیاب ہوگیا۔ کیونکہ اس نے اپنے نبی کی وصیت اپنی نگاہوں سے پرے نہ ہونے دی اور آپ کی نصیحت پر حرف بحرف عمل کرتا رہا۔ رہی اکثریت تو وہ دنیا کے نشے میں محو

ہوگئی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دُنیا کو پا لینے کی فکر نے ان کو آخرت بھلا دی۔ تب موت آتی گئی اور ان میں سے ایک ایک کو اٹھاتی گئی۔ ' کچھ پکڑے گئے اور کچھ سرے سے مارے گئے''!

یحییٰ ابن معاذ رازی نے کیا ہی اچھا کہا: ''دُنیا جامِ شیطان کی مے ہے۔ جو اس کے نشے میں مخمور ہوا اس کو ہوش تبھی آیا جب وہ موت کی حوالات میں جا پہنچا اور وہاں ندامت سے اپنے جیسے اور بہت سوں کو دیکھا کہ پیچھے سب کچھ اجاڑ آئے ہیں''۔

مومن کیلئے دُنیا میں رہنے کی دوسری حالت یہ ہے کہ وہ دُنیا میں اپنے آپ کو ایک مسلسل سفر کی حالت میں سمجھے۔ وہ اپنے آپ کو پڑاؤ کرنے کی اجازت تو دے مگر اقامت کی نہیں۔ یقین رکھے کہ وہ اپنے سفر کی ایک کے بعد ایک منزل طے کئے جا رہا ہے اور موت اس سفر کی آخری منزل ہے۔ جس آدمی کا یہ حال ہوگا اس کی ساری توجہ سفر پر ہوگی۔ وہ جو اٹھائے گا سفر کیلئے اٹھائے گا۔ دنیا کا ایسا سامان جو ُساتھ اٹھانے میں' نہ آ سکے اس کی توجہ لے ہی نہ سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے بعض خاص اصحاب کو وصیت کی تھی کہ دُنیا میں ان کا سامان زیادہ سے زیادہ اتنا ہو کہ ایک ہی بار اونٹ پر لدنے میں آ جائے۔

محمد بن واسعؒ سے پوچھا گیا: کیا احوال ہیں؟ فرمایا: ''وہ آدمی کیسا ہونا چاہئے جو اپنے سفر آخرت کی روز ایک منزل طے کرتا ہے''!

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ''یوں سمجھو تم بس کچھ دنوں کا مجموعہ ہو اس میں سے جب کوئی دن چلا جاتا ہے تو تمہارے وجود کا ایک حصہ جھڑ جاتا ہے۔ ادھر دن پورے ہوئے اُدھر تم نگاہوں سے غائب، پھر نظر تک نہ آؤ گے''۔

حسن بصریؒ ہی فرماتے ہیں: ''آدم کے بچے تم دو سواریوں پر چلے جا رہے ہو۔ ایک سواری تم کو اتارتی ہے تو دوسری اُٹھا لیتی ہے۔ دن ختم ہوتا ہے کہ رات آ جاتی ہے۔ دونوں تم کو باری باری اُٹھاتے ہیں اور بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ ایک سے اترتے

ہو دوسری پہ چڑھتے ہو۔ مزے مزے کی یہ سواری جانتے ہو تم کو کہاں لے کر جائے گی؟ یہ تم کو موت کے منہ میں دے کر آئے گی۔ آدم کے بچے تم سے بڑھ کر خطرات کی جانب بھاگنے والا بھلا کون ہوسکتا ہے"؟!

حسن بصریؒ ہی یہ بھی فرماتے ہیں: "موت کا پتہ تمہارے ماتھے پہ لکھ دیا گیا ہے۔ اور یہ ڈاک، زمانے کی رفتار سے، منزل کی طرف بھاگی چلی جارہی ہے"۔

داؤد طائی کہتے ہیں: یہ رات اور دن اس سفر کی منزلیں ہیں جسے لوگ ایک ایک کر کے اور بھاگم بھاگ طے کرتے ہیں۔ کچھ پتہ نہیں کس کی کب آخری منزل آجائے۔ پس اگر تم کر سکو تو ہر مرحلے سے آگے کیلئے کچھ اُٹھا لو۔ ایسا نہ ہو کہ سرے پہنچو تو پاس کچھ بھی نہ ہو۔ معاملہ بہت جلدی کا ہے کیا معلوم کب منزل آ پہنچے۔ سفر کا سامان ہر دم پورا اور تیار رکھو۔ جتنا ہو سکے اٹھا لو اور جتنا زور لگ سکے لگا لو اور یاد رکھو منزل جب بھی آئے گی اچانک ہی آئے گی"۔

سلف میں سے کسی بزرگ نے اپنے کسی بھائی کو لکھا:

"برادر عزیز! تمہیں لگتا ہے کہ تم یہاں ٹھہرے ہوئے ہو۔ نہیں، تم تو بھاگے جا رہے ہو۔ کبھی ایک لمحہ بھی نہیں رُکے۔ تمہیں کھینچ کر لے جایا جا رہا ہے۔ موت تمہاری طرف کو بڑھ رہی ہے اور دُنیا تمہارے پیچھے سمٹ رہی ہے۔ جو گزر گئی وہ واپس آنے سے رہی اور جو آئے گی وہ ویسے ہی گزر جائے گی جیسے پہلی گزری۔ اور وہ دن آنے ہی والا ہے جب سودا ہاتھ سے جا چکا ہوگا"۔

کسی دانا کا قول ہے: "دُنیا میں ایسے شخص کی کیا خوشی جس کی زندگی میں جوں جوں دن گزرتا ہے ماہ گھٹتا ہے۔ جوں جوں ماہ گزرتا ہے سال گھٹتا ہے۔ جوں جوں سال گزرتا ہے توں توں عمر گھٹتی ہے۔ وقت بڑھنے سے رکتا ہے اور نہ عمر گھٹنے سے۔ دنیا میں ایسے آدمی کی کیا خوشی جس کی عمر اسے کھینچ کر اجل کے پاس لے جارہی ہے اور جس کی زندگی اسے موت کے منہ میں دے آنے کو بھاگ رہی ہے"۔

فضیل بن عیاض نے ایک شخص سے پوچھا: دُنیا میں تم پر کے سال گزرے؟ کہا: ساٹھ سال۔ فرمایا: اچھا تو تم ساٹھ سال سے خدا کے ہاں پہنچنے کو بھاگ رہے ہو۔ بس اب عنقریب پہنچ جاؤ گے۔ آدمی نے جواباً کہا: ''ہم ہیں ہی خدا کے اور ہمیں اسی کے پاس لوٹ رہنا ہے'' (انا للہ وانا الیہ راجعون) فرمایا: تم انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ رہے ہو جانتے ہو اس کی تفسیر کیا ہے؟ جو یہ جان گیا کہ وہ خدا کی چیز ہے اور خدا کی بندگی کرنے کو یہاں ہے اور کچھ دیر تک اس کو خدا کے پاس لوٹ رہنا ہے اسے یاد رہنا چاہئے کہ ایک لمحہ ایسا آئے گا جب وہ خدا کے پاس تنہا کھڑا ہوگا۔ جو یہ جانتا ہے کہ اسے خدا کے سامنے کھڑا ہونا ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہاں اس سے جواب پرسی ہوگی۔ جسے معلوم ہے کہ اس سے جواب پرسی ہوگی اسے جواب تیار رکھنا چاہئے۔ آدمی نے عرض کی: تو پھر کوئی چارہ ہے؟ فرمایا: بہت آسان۔ پوچھا: کیا ہے؟ فرمایا: جو رہ گئی ہے اس میں نیکی کرنے لگ جاؤ، جو گزر گئی اس کی بھی ساتھ بخشش ہو جائے گی۔ ہاں اگر تم جو رہ گئی ہے اس کو بھی برائیاں کر کے گزار دیتے ہو تو تم دونوں کا جواب دینے میں پکڑے جاؤ گے۔ جو رہ گئی پھر وہ بھی بری اور جو گزر گئی پھر وہ بھی مصیبت''۔

کسی دانا کا قول ہے: ''ماہ وسال کے سوار کو چلنے کی ضرورت نہیں اس کی سواری خود چلتی ہے اور اس کی منزل آپ سے آپ آتی ہے''۔

کسی کا یہ بھی قول ہے: ''دن رات کی مسافت عجیب مسافت ہے۔ اس کی غایت موت ہے۔ یہ ایک ایسا سفر ہے جس میں آدمی چاہے بیٹھا رہے فاصلے خود بھاگتے ہیں اور منزلیں خود ہی سر ہوتی ہیں''۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ''دن اور رات برابر بھاگ رہے ہیں۔ عمر گھٹاتے جا رہے ہیں اور اجل کو قریب لاتے جا رہے ہیں۔ تم کہاں کی امید رکھ کر بیٹھے ہو۔ اس دن رات کی دوڑ نے نوحؑ کی عمر کھائی۔ عاد اور ثمود کو قصۂ پارینہ کیا۔ اس کے بعد نہ معلوم اس نے کتنے زمانے دیکھے۔ آخر سب کے سب پروردگار کے پاس پہنچ کر رہے اور اپنے

اعمال کے حوض میں غوطہ زن ہو کر رہے۔ لوگ مر مر کر جاتے رہے۔ قومیں گزرتی رہیں پر اس 'دن رات' کا کچھ بھی نہ بگڑا۔ یہ جیسے تھے ویسے ہیں۔ یہ اب بھی ان کو نگل جانے کیلئے ویسے ہی تیار ہیں جو ابھی یہاں بیٹھے ہیں اور ان کو بھی جو ابھی یہاں آئیں گے۔ جہاں پہلے گئے وہیں یہ جائیں گے''۔

امام اوزاعیؒ نے اپنے کسی بھائی کو لکھا تھا:

''امابعد۔ ہوشیار رہو تم چاروں طرف سے گھیر لئے گئے ہو۔ نیا دن چڑھنے کے ساتھ اور ہر نئی رات پڑنے کے ساتھ تم اپنے انجام سے قریب کر دیئے جاتے ہو۔ خدا سے ڈرتے رہو، اس کے سامنے کھڑے ہونے سے خائف رہو۔ اور ہاں دُنیا سے رخصت ہوتے وقت تمہارا آخری لمحہ وہ ہونا چاہئے جو خدا کے ساتھ گزرا ہو''۔

☆☆☆☆☆

عبداللہ بن عمرؓ کی جو وصیت ہے کہ:

> ''شام پالو تو صبح کی امید نہ رکھو اور صبح پالو تو شام کی آس نہ لگاؤ، اور اپنی تن درستی سے اپنی بیماری کے لئے کچھ اٹھا لو اور زندگی سے موت کیلئے کچھ لے لو''

تو وہ اسی حدیث سے ماخوذ ہے جس کے کہ عبداللہ بن عمرؓ خود ہی راوی ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ کی یہ وصیت دنیا میں آرزو مختصر کرنے کا سبق دیتی ہے، یعنی آدمی کو شام مل جائے تو صبح کی آس پر نہ رہے اور صبح کر لے تو کسی نیکی کو شام پر نہ اٹھا رکھے۔ یہی گمان رکھے کہ اس کی اجل ممکن ہے اس سے پہلی ہی آ جائے۔ 'دنیا میں زہد اختیار کر رکھنے' کی بہت سے علماء نے یہی تفسیر کی ہے۔ امام مروزیؒ کہتے ہیں: امام احمدؒ سے پوچھا گیا یہ 'دنیا میں زہد' یا 'دنیا کو بے وقعت جاننا' کیا ہے؟ فرمایا: 'یہی کہ یہاں آرزو مختصر کر لو۔ صبح پالو تو کہو کیا پتہ شام آتی ہے یا نہیں'۔ امام مروزیؒ کہتے ہیں: سفیان ثوریؒ بھی یہی کہا کرتے تھے۔

امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا: درازیِ آرزو سے نجات پانے کیلئے کیا تدبیر ہو؟ فرمایا: ہم نہیں جانتے۔ یہ تو بس توفیق کی بات ہے۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں: تین عالم کہیں اکٹھے ہوئے۔ ان میں سے ایک سے پوچھا گیا: دنیا میں رہنے کی کتنی آس ہے؟ اس نے جواب دیا: جب نیا ماہ شروع ہوتا ہے تو مجھے لگتا ہے میری موت شاید اسی ماہ ہوگی۔ دوسروں نے کہا: یہ تو بڑی آس ہے۔ پھر دوسرے سے پوچھا گیا۔ اس نے کہا: ہر ہفتے میں سمجھتا ہوں اگلا ہفتہ میں شاید نہ دیکھ پاؤں۔ کہا گیا: یہ بھی بڑی آس ہے۔ پھر تیسرے سے پوچھا گیا تو وہ گویا ہوا: اس آدمی کی آس پوچھتے ہو جس کی جان ہی کسی اور کے ہاتھ میں ہے!؟

بکر مزنیؒ کہتے ہیں: تم میں سے کوئی جب رات کو سوئے تو اگر ہو سکے تو وصیت سرہانے رکھ چھوڑے۔ کیا معلوم رات وہ اہل دنیا میں تھا تو صبح وہ اہل آخرت کے ہاں کرے۔

اویسؒ کو جب پوچھا جاتا: حضرت کیسی گزر رہی ہے؟ تو فرماتے: کیسی گزرے گی اس آدمی کی، جسے کوئی صبح مل جائے تو شام کی آس نہ ہو اور شام پائے تو صبح کا یقین نہ ہو اور پھر آگے پہنچے تو معلوم نہیں جنت یا جہنم، کہاں بھیجا جائے۔

عون بن عبد اللہؒ فرمایا کرتے تھے: جو آدمی کل کو اپنی زندگی میں شمار کرتا ہے وہ بھلا آدمی موت سے واقف ہی نہیں۔ کتنے ہیں جو دن شروع کر لیتے ہیں مگر پورا نہیں کر پاتے۔ کتنے ہیں جو کل کی آس پر رہتے ہیں مگر ان کی کل نہیں آتی۔ اگر کہیں تم اجل کا روپ جان لو اور کہیں تم یہ دیکھ لو کہ 'اجل' آتی کس طرح ہے تو تم کو 'آس' بہت ہی بری لگنے لگے اور 'آس' کے فریب میں رہنا اس سے بھی برا۔

عون بن عبد اللہؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: مومن کے حق میں سب سے کارآمد دن وہی ہوتا ہے جسے وہ شروع کرے تو سمجھے کہ اس دن کا آخر وہ نہیں دیکھے گا۔

مکہ میں کوئی عبادت گزار عورت تھی۔ شام پڑتی تو وہ اپنے آپ سے مخاطب ہوتی: اے نفس بس یہی رات ہے اگلی کوئی رات کیا پتہ تم دیکھو نہ دیکھو۔ بس جتنی محنت ہو سکے اسی میں کر لو۔ صبح ہوتی تو پھر وہ اپنے آپ کو مخاطب کرتی: اے نفس بس یہی دن ہے جو تجھے ملا ہے اگلا کوئی دن تجھ پہ آئے یا نہ آئے۔ جو ہو سکتا ہے بس آج ہی کر لو۔

بکر مزنیؒ فرماتے تھے: اگر تم نماز سے لطف لینا چاہتے ہو تو یہ سمجھ کر نماز پڑھو کہ اس کے بعد کوئی نماز پڑھنے کو شاید ملے یا نہ ملے۔ ان کا یہ قول دراصل نبی ﷺ سے جو روایت ہوئی ہے اس سے ماخوذ ہے یعنی صل صلاۃ مودع ''اس شخص کی سی نماز پڑھو جو دنیا سے رخصت ہو رہا ہو''۔

کوئی شخص اپنے کسی عزیز سے ملنے گیا۔ دروازے پر دستک دی تو جواب ملا: صاحب گھر پر نہیں۔ پوچھا: کب واپسی ہوگی؟ یہ کوئی باندی تھی اور معرفت میں خاص مقام رکھتی تھی۔ دروازے کی اوٹ سے بولی: جس کی جان اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں کون بتائے وہ کب آتا ہے!

ابو العتاہیہ کے دو شعر ہیں:

ادھر میں عمر دراز کی آس رکھوں ادھر معلوم نہیں جس دن کی صبح ملتی ہے اس کی شام بھی ساتھ میں ملتی ہے یا نہیں۔

تم دیکھتے نہیں جب بھی سویر ہوتی ہے تو وہ تمہاری عمر کو کاٹ کر اور اس سے ایک دن گھٹا کر ہوتی ہے۔

ابو العتاہیہ کا یہ دوسرا شعر دراصل ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور حسن بصریؒ کے اس قول سے ماخوذ ہے:

ابن آدم! جب سے تم ماں کے پیٹ سے نکلے ہو تب سے تم اپنی عمر کی عمارت ایک ایک اینٹ کر کے گرا رہے ہو۔

سلف میں سے کسی کے یہ اشعار ہیں:

دن کٹ جاتا ہے اور وقت گزر جاتا ہے تو ہم کتنے خوش ہوتے ہیں حالانکہ جب کوئی دن گزرتا ہے تو وہ ہمیں اجل سے کچھ اور ہی قریب کر جاتا ہے۔

موت کے دستک دینے سے پہلے اپنی اس جان کیلئے بھی کچھ کر لو اور وہاں کیلئے کچھ مشقت یہاں کر جاؤ۔ عمل ہی گھاٹا ہے اور عمل ہی کمائی۔

پھر عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ''اپنی تندرستی سے اپنی بیماری کے لئے کچھ اٹھا لو اور زندگی میں موت کیلئے کچھ کر لو''۔

یعنی تندرستی میں نیک اعمال کو غنیمت جان لو اس سے پہلے کہ لاچار ہو جاؤ اور پھر کوئی نیکی چاہو بھی تو نہ کر سکو۔ اور یہ کہ خدا کو خوش کرنے کیلئے اس زندگی کو غنیمت جانو قبل اس کے کہ موت آئے اور تم ہزار نیکی کرنا چاہو پر وہ نہ کرنے دے۔

اسی عبداللہ بن عمرؓ والی روایت میں ایک الفاظ یہ بھی آتے ہیں:

فانک یا عبداللّٰہ لا تدری ما اسمک غداً

''وہ اس لئے اے عبداللہ کہ تم کیا جانو کل تمہارا کیا نام لیا جاتا ہے''

یعنی تم کیا جانو کل تم زندوں میں ہو گے یا مردوں میں۔

اس معنی کی متعدد باتیں احادیث میں مروی ہوئی ہیں۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کا (مول کرنے) میں اکثر لوگ گھاٹا کھا جانے والے ہیں۔ ایک تندرستی اور دوسری فراغت''۔

مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے بس غنیمت جانتے رہو۔ جوانی کو ضعیفی سے پہلے، تندرستی کو کوئی روگ لگنے سے پہلے، مالی

آسودگی کو محتاجی سے پہلے، فراغت کو عدیم الفرصت ہو جانے سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے''۔

غنیم بن قیس کہتے ہیں: ہم اسلام میں اپنے اول اول دور میں ایک دوسرے کو یہ بکثرت یاد کرایا کرتے تھے:

''ابن آدم! قبل اس کے کہ فرصت چلی جائے فراغت ہی میں کچھ کرلو۔ قبل اس کے بوڑھے ہونے لگو جوانی میں کچھ کر جاؤ۔ قبل اس کے بیمار لاچار ہو جاؤ صحت کچھ کرلو۔ قبل اس کے آخرت کو جادیکھو یہیں دنیا میں کوئی ہاتھ پیر مارلو اور قبل اس سے کہ تم کو موت آلے زندگی کچھ بنالو''۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''چھ (آفتوں) سے پہلے پہلے جتنا کچھ کر سکتے ہو کرلو:

اس سے پہلے کہ جب سورج اپنے غروب ہونے کی جگہ سے طلوع ہو پڑے۔

اس سے پہلے کہ دھواں رونما ہو جائے۔

اس سے پہلے کہ دجال نکل آئے۔

اس سے پہلے کہ دابۃ الارض کا خروج ہو۔

اس سے پہلے کہ وہ زمانہ آئے جب ہر کسی کو اپنی اپنی پڑ جائے گی۔

اس سے پہلے کہ جب عوامی (ہڑبونگ) اقتدار پائے گی'' ☆

ترمذی کی روایت میں ابو ہریرہؓ ہی سے نبی ﷺ کے یہ الفاظ آتے ہیں:

''سات (آفتوں) سے پہلے پہلے اعمال کی جلدی کرلو کیا تم اس انتظار میں ہو کہ ایسی محتاجی آئے کہ سب ہوش اڑا دے، یا ایسی مالداری میں پڑو جو آدمی کو سرکش

☆ حدیث کے لفظ ہیں: أمر العامة. جس کی یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ 'ہر ایک کو اپنی اپنی پڑ جائے گی'، اور یہ بھی کہ طاقت عوامی یا بازاری لوگوں کے ہاتھ میں آجائے گی۔

کر دے، یا کوئی ایسا روگ لگے کہ ہر چیز کا صفایا کر دے، یا ضعیفی آ لے جو جسم میں جان ہی نہ رہنے دے، یا موت آئے اور خاک میں ملا دے اور یا پھر جب دجال ہی آ جائے جو کہ آنے والے فتنوں میں سب سے بڑا روپوش فتنہ ہے۔ اور یا پھر، تم قیامت کے انتظار میں ہو اور وہ تو کیا ہی بری اور کڑی آفت ہے"۔

ان احادیث سے مراد یہ ہے کہ یہ سب کی سب چیزیں نیک اعمال میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو ذاتی طور پر نیکی کرنے سے دور رکھتی ہیں مثلاً محتاجی، حد سے بڑھی ہوئی مالداری، بیماری و لاچاری، ضعیفی اور موت۔ جبکہ ان میں بعض چیزیں ایسی مذکور ہوئی ہیں جو کہ فتنۂ عام ہوں گی مثلاً قیامت کا آنا یا دجال کا نکلنا یا دوسرے ایسے فتنے جو لوگوں کو پریشان کر کے رکھ دیں۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ان فتنوں کی بابت الفاظ آئے ہیں۔

بادروا بالأعمال فتنا كقطع الليل المظلم

"ایسے فتنے پڑنے سے پہلے پہلے نیک اعمال کی جلدی کر لو جو اندھیری رات کی طرح چڑھ آئیں گے"۔

ان میں سے بعض خوفناک باتیں تو ایسی ہیں کہ جب وہ رونما ہو جائیں تو پھر اس کے بعد نیک عمل کیا گیا کارآمد ہی نہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لاَ يَنفَعُ نَفْساً إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْراً قُلِ انتَظِرُواْ إِنَّا مُنتَظِرُون (الانعام:۱۵۸)

"جس روز تمہارے رب کی بعض مخصوص نشانیاں نمودار ہو جائیں گی پھر کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی ہو"۔

صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"قیامت نہ آئے گی جب تک سورج اپنے مغرب سے طلوع نہ ہو جائے۔

پھر جب وہ طلوع ہو جائے اور لوگ اسے دیکھ لیں تو سب ایمان لے آئیں گے۔ پس یہ وہ وقت ہوگا جو کسی نفس کو جو اس سے پہلے مومن نہیں ہوئی یا ایمان میں کوئی نیک کمائی نہ کر پائی اسکا اب ایمان لانا کوئی فائدہ نہ دے گا"۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"تین باتیں جب ہو جائیں پھر جو کوئی نفس اس سے پہلے مومن نہ تھی یا ایمان میں کوئی نیک کمائی نہ کر پائی اس میں اب ایمان کا آنا اس کو کوئی فائدہ نہ دے گا! سورج کا اپنے غروب کی جگہ سے طلوع ہو پڑنا، دجال اور دابۃ الارض"۔

اسی میں آپ ﷺ سے یہ روایت بھی آتی ہے:

"جو شخص سورج کے مغرب سے چڑھ آنے سے پہلے تائب ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع فرمالے گا"۔

ابوموسی الاشعریؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا:

"اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے کہ دن کا خطا کار توبہ کرلے۔ دن کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تا کہ رات کا خطا کار توبہ کرلے...... تا آنکہ سورج اپنے غروب کی جگہ سے طلوع ہو جائے"۔

امام احمد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ صفوان بن عسالؓ سے نبی ﷺ کی حدیث روایت کرتے ہیں:

"سورج کے غروب ہونے کی سمت اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے جس کے درمیان فاصلہ ستر سال کی مسافت ہے۔ یہ کبھی بند نہ ہوگا تا آنکہ سورج وہاں سے طلوع ہو جائے"۔

مسند میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور معاویہؓ سے روایت آتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"توبہ تب تک قبول ہوتی رہے گی جب تک سورج اپنے غروب کی جگہ

سے طلوع نہ ہو جائے۔ پھر جب سورج وہاں سے چڑھ آئے تب جس دل میں جو ہے بس اسی کے ساتھ وہ سر بمہر کر دیا جائے گا اور لوگ عمل سے مستغنی کر دیے جائیں گے"۔

عائشہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا: جب ان نشانیوں کے عمل میں آنے کی ابتدا ہو جائے گی تو (اعمال) لکھنے والے اپنے قلم چھوڑ دیں گے۔ نگران فرشتے نگرانی سے سبکدوش کر دیے جائیں۔ اور اجساد ہی اعمال کی شہادت دیں گے۔ عائشہؓ کا یہ قول ابن جریر طبری نے نقل کیا ہے۔ ایسا ہی قول کثیر بن مرہ اور یزید بن شریح و دیگر سلف سے مروی ہے کہ: جب سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا تو پھر جس دل میں جو (نیکی یا بدی) ہے بس وہ دل اسی کے ساتھ سر بمہر کر دیا جائے گا۔ نگران فرشتے اعمال پیش کر دیں گے اور فرشتوں کو کہہ دیا جائے گا کہ اب اعمال لکھنا موقوف کر دیں۔

سفیان ثوریؒ کہتے ہیں: جب سورج مغرب سے طلوع ہو جائے تو فرشتے اپنے پرچے لپیٹ لیں گے اور اپنے قلم دھر دیں گے۔

چنانچہ مومن کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ نیک اعمال کی جلدی کر لے قبل اس کے کہ وہ نیک اعمال کی قدرت سے ہی محروم کر دیا جائے اور اسکے اور نیک اعمال کے مابین رکاوٹیں اور پردے حائل ہو جائیں۔

ابو حازم کہا کرتے تھے: آخرت کی خریداری عنقریب سست پڑ جانے والی ہے۔ ہو سکتا ہے پھر وقت وہ آئے کہ اس بازار میں تھوڑا نہ بہت کچھ پایا ہی نہ جائے۔

جب انسان پر وہ وقت آتا ہے کہ انسان نیک عمل پر قدرت پانے سے ہی محروم کر دیا جائے تب صرف حسرت اور افسوس رہ جاتا ہے۔ پھر وہ کتنی آرزو کرتا ہے کہ وہ وقت دوبارہ آجائے جب وہ نیکی کرنے پر قدرت رکھتا تھا۔ مگر یہ آرزو کس کام کی۔ اللہ

تعالیٰ نے تبھی تو فرمایا ہے:

وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ أَن تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَى عَلَى مَا فَرَّطتُ فِي جَنبِ اللَّهِ وَإِن كُنتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ

(الزمر: ۵۴۔۵۸)

''اور جھک پڑو اپنے پروردگار کی طرف اور اس کے مطیع فرمان ہو جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آجائے اور پھر کہیں سے تمہیں مدد نہ مل سکے۔ اور پیروی اختیار کرلو اپنے رب کی اتاری ہوئی (کتاب) کے بہترین پہلو کی، قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آئے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی نفس کہے: ''افسوس میری اس تقصیر پر جو میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں کرتا رہا، بلکہ میں تو مذاق اڑانے والوں میں ہی رہا''۔ یا کہے: ''کاش اللہ نے مجھے ہدایت بخشی ہوتی تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا'' یا عذاب دیکھ کر کہے: ''کاش مجھے ایک موقع اور مل جائے اور میں بھی نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں''

یہ بھی ارشاد خداوندی ہے:

حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحاً فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (المؤمنون:۹۹۔۱۰۰)

''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی تو کہنا شروع کرے گا کہ ''اے میرے رب، مجھے اسی دنیا میں بھیج دیجئے جسے میں چھوڑ آیا ہوں، امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا ____ ہرگز نہیں، یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے۔ اب ان سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے

دوسری زندگی کے دن تک"۔

اور یہ بھی فرمایا:

وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ (المنافقون:۱۰-۱۱)

"کچھ خرچ کرلو (خدا کی راہ میں) اس میں سے جو ہم نے تمہیں بخش رکھا ہے قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور اس وقت وہ کہے کہ "اے میرے رب کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔ حالانکہ جب کسی کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آجاتا ہے تو اللہ اس کو کوئی مزید مہلت ہرگز نہیں دیتا"۔

ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے مرفوع آتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"جو بھی یہاں سے مر کر جاتا ہے نادم ضرور ہوتا ہے"۔ صحابہ نے عرض کی۔ ندامت کس بات کی؟ فرمایا: "اگر وہ نیک ہو تو نادم ہوتا ہے کہ کاش کچھ اور نیکی کر لیتا۔ اور اگر وہ خطا کار ہو تو ندامت اور حسرت کرتا ہے کہ کاش (دنیا میں ہی) اس کو کوئی ڈانٹ ڈپٹ کر دیتا"۔

جب ایسا ہے تو پھر مومن پر یہ جان رکھنا ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کی جتنی عمر بچ گئی ہے وہ تو بہت ہی بڑی غنیمت ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: آدمی کو ایمان میسر آجائے تو اس کی باقی ماندہ زندگی کا پھر کوئی مول نہیں۔

سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں: ہر وہ دن جو ایک مومن کو گزارنے کیلئے ملتا ہے ہر غنیمت سے بڑھ کر ہے۔

بکر مزنیؒ کہا کرتے تھے: خدا جس دن کو بھی پیدا کر کے دنیا میں بھیجتا ہے تو وہ دن کہتا ہے: اے ابن آدم مجھے غنیمت جان لے، ہوسکتا ہے میرے بعد تیرے لئے کوئی اور دن نہ بھیجا جائے۔ اور جو رات آتی ہے وہ بھی یہی کہتی ہے: ابن آدم مجھے غنیمت

جان، ہوسکتا ہے تیرے لئے میرے بعد کوئی رات نہ ہو۔

اسی معنی میں کسی نے یہ دوشعر کہے ہیں:

فراغت کو غنیمت سمجھو تو کچھ رکوع وسجود ہی کرلو، کہ آگے جا کر فضیلت اور مرتبہ پاؤ۔ کیا پتہ موت آئے تو اچانک آئے اور کسی چیز کا موقعہ ہی نہ دے۔

کتنے ہیں جو یہاں صحت منداور تندرست ہوتے ہوئے مرے اور کسی بیماری کے بغیر مرے۔ بس موت آئی اور چلتوں پھرتوں کو اٹھا لے گئی۔

محمود الوراق کے کچھ شعر ہیں:

کل کا دن گزرا اور تم پر گواہ بننے کیلئے آگے بڑھ گیا۔ تب آج کا دن آیا جو اس وقت گواہی اکٹھی کررہا ہے۔ یہ بھی اپنا کام سمیٹے گا اور پھر نہ پلٹے گا۔ کل کو ایک اور گواہ آ کھڑا ہوگا۔

دیکھو اگر کل تم سے کوئی برائی ہوئی تھی تو آج کے گواہ کے پاس اپنی نیکی اور احسان مندی کی شہادت روانہ کردو۔ اب بھی موقعہ ہے کہ نیکوکاروں میں نام لکھوالو۔

یہ دن جو گزر رہا ہے لوٹ کر نہیں آئے گا۔ البتہ اس میں جو تم بھیج رہے ہو وہ لوٹ آنے والا ہے۔ سو اگر کوئی اچھائی کرلو تو وہ کہیں جانے والی نہیں۔

کبھی کسی نیکی کو کل پر مت چھوڑو۔ تم جس کل کا انتظار کررہے ہو ممکن ہے وہ کل تو آئے مگر اس کل میں تم نہ پائے جاؤ۔

(استفادہ از: جامع العلوم والحِکَم شرح اربعین نووی،
مؤلفہ امام ابن رجب الحنبلی ص ۳۷۸-۳۸۶))

(اردو استفادہ از: 'اِحیاءعلوم الدین' مؤلفہ ابو حامد الغزالی)

معاتبۂ نفس

خوب جان لو کہ تمہارا جو سب سے بڑا دشمن ہے دراصل وہ تمہارے ہی اندر براجمان ہے۔ یہ تمہارا نفس ہے۔ اس کو پیدا ہی کچھ اس ڈھب پر کیا گیا کہ یہ أَمَّـارَةٌ بِـالسُّوْءِ ہو۔ یعنی یہ تمہیں کھینچ کھینچ کر بدی کی جانب لے کر جائے، شر کی جانب بے قابو ہو ہو کر بھاگے اور خیر سے ہر صورت کترائے۔

جبکہ تمہیں اِس کی بابت جو حکم دے رکھا گیا ہے وہ یہ کہ اس کا تزکیہ کرو۔ اِس کو قابو میں رکھو۔ اِس کو سدھاؤ اور سنوارو۔ اِس کو درست رکھنے پر خوب محنت کرو اور بجائے اِس کے کہ یہ تمہیں کھینچ کر اپنی مرضی کی کسی سمت میں لے جائے اور بربادی کے کسی گڑھے میں پھینک آئے، تم اِس کی مہار تھام کر اِس کو اُس مہربان ذات کی جانب لے کر بڑھو اور اُس کی بارگاہِ عظمت میں باریاب کراؤ جس نے اِس کو پیدا کیا ہے اور جس نے اِس کو خواہشات وشہوات کی اندھی پیروی سے منع کر رکھا ہے اور اِس پر یہ آزمائش عائد کر دی ہے کہ یہ اپنے منہ کو لگی لذتوں کو، جب وہ اُس ذاتِ کبریاء کو ناراض کر دینے والی ہوں، یوں چھوڑ دے جیسے لاڈلے بچے کے منہ کو لگا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے۔

اب اگر تم اسے اس کے اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہو تو یہ خودسر ہو رہے گا۔ یہاں تک کہ یہ تمہارے قابو کا ہی نہ رہے گا۔ پھر تم چاہو بھی تو یہ تمہارے کہنے میں نہ آئے گا۔ بلکہ الٹا یہ تمہی کو اپنی منوانے لگے گا، یہاں تک کہ تمام تر ہوش اور خرد کے مالک ہوتے ہوئے تم ہی اِس عاقبت نا اندیش کے تابع اور غلام بن رہو گے۔

البتہ اگر تم اس کو سدھانے پر خوب محنت کرلو، اس کو خوب ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہو، سرکشی پر اس کا پورا مؤاخذہ کیا کرو، اور نافرمانی وسرتابی پر اس کو سرزنش کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ برتو، تو بھلا کیا ہوگا؟ تب یہی نفس، نفسِ لوّامة بن جائے گا، جس کی برگزیدگی کے کیا کہنے، خدا خود اس کی قسم اٹھاتا ہے: وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ!

نہ صرف یہ، بلکہ اس راہ میں آگے بڑھتے بڑھتے یہ تک امید ہو چلے گی کہ یہ نفس اس سے بھی ایک درجہ بلند جا کر نفسِ مطمئنة بن جائے......اور نفسِ مطمئنہ کے تو کیا ہی کہنے، اس کو تو دعوتیں ملیں گی کہ: دنیا کا کام مشقت ختم کرکے 'آ پلٹ آ اپنے پروردگار کے پاس، تو مالک سے راضی اور مالک تجھ سے، تو اب آ شامل ہو جا میرے (پسندیدہ) بندوں میں اور پیر رکھ لے میری جنت میں'!!!

پس کوئی ایک گھڑی بھی اس بات سے غافل نہ رہو کہ تم اپنے اس نفس کو اس کی اوقات یاد دلاتے اور اس کا فرض اس کے ذہن نشین کراتے رہو۔ جب بھی یہ بندگی سے بھاگے، اس پر خوب عتاب ظاہر کرو۔ اور ہرگز کسی دوسرے کو سمجھانے میں نہ لگ جاؤ جب تک کہ اپنے اس نفس کو ہی نہ سمجھا لو۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی تھی: ''اے ابن مریم! اپنے نفس کو نصیحت کرو، اگر یہ نصیحت لے لے تو پھر لوگوں کو نصیحت کرنے لگو، ورنہ میری شرم کئے رہو''۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ''اور نصیحت کرو، بے شک نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے''۔ پس نفس کو نصیحت کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ تم اس کی جانب متوجہ ہو جاؤ۔ پھر تم اس کو باور کرادو کہ اے نفس تو نرا جاہل ہے اور حد درجہ نادان بھی۔ اور تو اور، اپنے آپ کو نادان کہا جانے پر تجھے اپنی ذہانت اور فطانت کا غرور تنگ کرنے لگتا ہے اور جہالت کا الزام سن کر تیری گردن تن جاتی ہے۔

پس لازم ہے کہ تم اپنے نفس کو یہ سنتے رہنے پر مجبور کر دو کہ:

اے نفس، تو کس قدر جاہل ہے؟! تجھے زعم ہے دانائی کا اور ذہانت اور خردمندی کا، مگر تیری کند فہمی اور کوتاہ نظری ہر ایک سے بڑھ کر ہے۔ کیا تو جانتا نہیں ہے کہ تیرے آگے، جہاں تیری یہ دنیا ختم ہوتی ہے، یا تو دائمی بہشت ہے اور یا ابدی دوزخ، دونوں میں سے کسی ایک میں تو عنقریب پہنچ کر دم لینے والا ہے۔ پھر بھی تیرے قہقہے نہیں تھمتے۔ ہنس ہنس کر برا حال ہوا جاتا ہے۔ شغل میلہ ہی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ کیسا بڑا فیصلہ ہے جو تمہارے بارے میں ہونے جا رہا ہے اور تم کس بے پروائی سے یہاں کھیل تماشے میں مگن ہو! اور وہ قیامت کا وقت چلو جتنا بھی دور ہو، تمہارا اپنا کیا پتہ پکڑنے والوں کے نرغے میں تم تو آج آجاؤ یا کل؟! تمہاری حالت کو دیکھ کر کب یہ لگتا ہے کہ موت تمہیں کہیں قریب قریب نظر بھی آتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ موت کو تمہارے بہت قریب دیکھتا ہے۔

اے نفس! کیا تو جانتا نہیں کہ ہر وہ چیز جسے آکر رہنا ہے وہ درحقیقت نزدیک ہی ہے۔ دور صرف وہ چیز ہے جسے کبھی نہیں آنا۔ کیا تجھے پتہ نہیں کہ موت جب بھی آتی ہے اچانک ہی آ پکڑتی ہے، موت نے آج تک کسی کو اپنے آنے کی خبر دینے کیلئے قاصد نہیں بھیجا۔ کسی کو ٹائم نہیں دیا اور کسی کو اپنی جگہ نہیں بتائی۔ کیا تو نے دیکھا ہے کہ موت جوانوں کو چھوڑتی ہو اور صرف بوڑھوں کو اٹھاتی ہو؟ ایک جگہ سے اس کا گزر ہوتا ہو اور دوسری جگہ وہ پیر دھرنے سے گریزاں ہو؟ موت نے کبھی گرمی کی پروا کی ہے اور نہ جاڑے کی۔ دن کا فرق کیا ہے اور نہ رات کا۔ بچپن کا اور نہ بڑھاپے کا۔ کوئی بھی سانس جو تم لیتے ہو کیا معلوم موت کی سانس ہو۔ اتنے دانا ہو تو کیوں اس موت کیلئے تیاری میں مصروف نظر نہیں آتے؟ حالانکہ تم سے قریب ترین کوئی چیز ہے تو وہ موت ہی ہے۔ پھر، کیا تو اپنے مالک کے اس فرمان پر غور نہیں کرتا:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مَّعْرِضُوْن. مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مَّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُون. لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ وَأَسَرُّوا

النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُواْ هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ . (الأنبياء: ١-٣) 'قریب آ گیا ہے انسانوں کے حساب کا وقت اور وہ پڑے ہوئے ہیں غفلت میں منہ موڑے ہوئے۔ نہیں آتی ہے ان کے پاس کوئی نصیحت ان کے رب کی طرف سے مگر وہ اسے سنتے ہیں اس طرح جیسے کھیل رہے ہوں۔ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان کے دل۔ اور چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے ہیں یہ ظالم کہ 'نہیں ہے یہ شخص مگر ایک بشر تم جیسا تو کیا تم پھنس جاؤ گے جادو میں آنکھوں دیکھتے ہوئے؟'

اگر تری یہ دیدہ دلیری جو تجھ سے خدا کی نافرمانی کراتی ہے اس وجہ سے ہے کہ تجھے لگتا ہے خدا تجھے دیکھ نہیں رہا، تو تیرا کفر کس قدر سنگین ہے!؟ اور اگر یہ سب کچھ، یہ علم رکھتے ہوئے ہوتا ہے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے، تو کیا پھر یہ تیری ڈھٹائی بلکہ بے شرمی کی انتہا نہیں؟! حیف تجھ پر اے نفس! تجھے اگر کوئی شخص جو تیرے ماتحت ہو اس حال میں دیکھنے کو ملے جو تیرے لئے باعثِ خفگی ہو، بلکہ تو تیرے برابر کا کوئی شخص تجھے ناخوش کر دینے والا کام کرے، تو کیا کبھی دیکھا ہے تمہیں کس قدر وہ شخص برا لگتا ہے اور تم اس پر کس قدر ناراض ہوتے ہو؟ تو پھر کس ہمت کے ساتھ روز تم اپنا آپ خدا کے غضب کی زد میں لاتے ہو اور کس جرأت کے ساتھ خدا کی پکڑ کا مستوجب بنتے ہو؟ یا پھر تمہیں زعم ہوا ہے کہ تمہارے اندر خدا کا عذاب سہہ لینے کی ہمت ہے؟؟؟ اف! کہاں!!! تمہاری جرأت اور بے ہودگی حد سے ہی بڑھ گئی ہے اور اس ذاتِ بے نیاز کی پکڑ اور اس کی سزا تمہیں معمولی نظر آنے لگی ہے، تو پھر کبھی تجربہ کر لو۔ چلچلاتی دھوپ میں گھنٹہ بھر کھڑے ہو کر دیکھ لو۔ آگ میں انگلی ڈال کر ذرا روک لو، تمہیں پتہ چل جائے تم میں ہمت اور طاقت کتنی ہے!

یا پھر خدا کے فضل اور کرم کی بابت تم کسی فریب میں پڑ گئے ہو اور اس بات سے دھوکہ کھا گئے ہو کہ وہ تمہاری اس عبادت و ریاضت سے بے نیاز ہے؟! بھلا یہ بتاؤ، خدا کے فضل اور کرم پر تمہارا یوں سہارا کرنا ایک آخرت کے معاملہ میں ہی کیوں ہوتا ہے؟ اپنے دنیا کے مسئلے مسائل خدا کے فضل و کرم پر کیوں نہیں چھوڑ لیتے؟ یہاں دنیا کے اندر کسی دشمن

یا کسی آفت سے اپنا تحفظ کرنے کیلئے جہان بھر کا ساز وسامان اکٹھا کرتے ہو اور اس مسئلہ کو خدا کے کرم اور رحمت پر کبھی نہیں چھوڑتے! دنیا کی کوئی ضرورت لاحق ہوتی ہے یا کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے، جسے پورا کرنے کیلئے روپیہ دھیلا پاس ہونا لازم ہو، تو اس کے حصول میں کیا کیا پاپڑ نہیں بیلتے اور اس کو پانے کیلئے کیا کیا حیلے اور اسباب اختیار نہیں کرتے؟ یہاں خدا کا مہربان ہونا اور اس کا کرم اور اس کا فضل تجھے کیوں بھول جاتا ہے؟ یہاں خدا پر بھروسہ کرنے کا کوئی ایسا مفہوم تیرے ہاں نہیں پایا جاتا کہ وہ تیری اس دنیوی ضرورت کیلئے خود ہی کہیں سے کوئی خزانہ تیرے لئے برآمد کرادے گا یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تیرے لئے یوں مسخر کردے گا کہ وہ تیری ضرورت پوری کرنے کیلئے آپ سے آپ حاضر ہو اور تجھے ہاتھ پیر مارنے اور محنت مشقت کرنے کی حاجت ہی نہ رہنے دے!!! یا پھر تمہارا خیال ہے اللہ رب العزت آخرت میں کریم ہے دنیا میں نہیں؟ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ وہی آخرت کا رب ہے اور وہی دنیا کا اور تم نے اس کا فرمان بھی سن رکھا ہے وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ''یہ کہ نہیں ہے واسطے انسان کے مگر وہی جس کی اس نے سعی کی ہو''

حیف تجھ پر اے نفس! تمہارا نفاق کس قدر عجیب ہے اور تمہارے دعوے کس قدر کھوکھلے؟ زبان سے تمہارا دعویٰ کہ تم ان باتوں پر ایمان رکھتے ہو مگر نفاق کی علامات تمہارے رویے سے عیاں ہیں۔ تو نے کبھی دیکھا کہ تو نے معاملے کو کس طرح الٹ دیا؟ کیا تیرے مالک اور تیرے پروردگار نے دنیا کے معاملے میں یہ نہیں فرما رکھا: وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا یعنی ''نہیں کوئی جاندار سطح زمین پر مگر اس کا رزق اللہ پر ہے''؟ اور آخرت کے معاملے میں اس نے کیا یہ نہیں فرما رکھا: وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ یعنی ''نہیں ہے واسطے انسان کے مگر وہی جس کی اس نے سعی کی ہو''؟ چنانچہ دنیا میں تیرے رزق کا اس نے ذمہ لے رکھا ہے۔ مگر تو نے اپنے افعال اور اپنے رویے سے اس بات کو جھٹلایا اور دنیا کو پانے کیلئے ہر ہر حد سے گزر جانا روا کرلیا۔ جبکہ تیرے آخرت کے رزق کا اس نے ہرگز کوئی ذمہ نہیں لیا بلکہ اس کو تجھی پر اور تیری ہی

کمائی پر چھوڑ دیا۔ مگر تو نے طلب آخرت سے یوں بے پروائی اور حقارت کے ساتھ منہ موڑ رکھا ہے گویا یہ تیری ضرورت ہی نہیں۔ یہ ایمان کی علامت تو نہیں! ایمان اگر زبان سے لایا جاتا تو منافقین دوزخ کے درکِ اسفل میں کیوں جا پڑتے؟

حیف تجھ پر اے نفس! گویا یوم حساب پر تیرا ایمان ہی نہیں! گویا تجھے زعم ہے کہ مر کر خدا کے ہاتھ سے نکل جاؤ گے اور یونہی چھٹکارا ہو جائے گا!! اف! کہاں!!! کیا تیرا خیال ہے کہ تجھے پیدا کیا گیا اور اتنا عرصہ تجھے پالا پوسا گیا اور تیری خدمت تواضع میں زمین آسمان کو لگا دیا گیا، اس لئے کہ آخر میں تجھے چھوڑ دیا جائے!!! کیا تو محض ایک گھٹیا بوند نہ تھی جو کہ بس ٹپکا دی گئی تھی؟ پھر اسی بوند سے پیدا کر لینے والی ذات نے تجھے لوتھڑا نہیں بنا دیا اور پھر اسی سے ایک پورا انسان برآمد نہیں کر ڈالا؟ کیا اب وہ اس بات سے بے بس ہے کہ وہ تجھے مردوں میں زندہ کھڑا کر لے؟ اگر تیرے دل کے کسی گوشے میں یہ گمان بیٹھ گیا ہے تو تیرے کفر اور تیری جہالت میں کیا شک ہے؟

پھر کیا یہ بھی کبھی غور کیا کہ تجھے اس نے پیدا کس چیز سے کیا؟ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ. ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ. ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ. ثُمَّ إِذَا شَاء أَنشَرَهُ (عبس: ١٩ - ٢٢) ایک پانی کی ٹپک سے اس نے تجھے پیدا کر لیا۔ پھر آگے کے کتنے مراحل تھے جو اس نے تیرے لئے آسان کر دیے۔ پھر اس نے تجھے موت دی اور قبر دی۔ پھر وہ جب چاہے تجھے اٹھا کر کھڑا کر لے گا۔ اب تو ہے جسے اس بات پر یقین ہے کہ اُس نے تجھے غلیظ پانی کے ایک چھینٹے سے پیدا کر ڈالا۔ تجھے یہ قبول کہ اُس نے یہ سب مراحل طے کر لینا تیرے لئے ممکن بنایا۔ تجھے یہ تسلیم کہ تجھے وہ موت دے گا اور پھر ایک قبر فراہم کرے گا۔ تو کیا تجھے اُس کی اسی بات پر یقین کرنا مشکل ہے کہ وہ جب چاہے تجھے اس قبر سے اٹھا کھڑا کر لے گا؟ اور اگر تجھے یقین ہے تو پھر اس دن کی تیاری میں مصروف کیوں نظر نہیں آتے؟ کیا تجھے اندازہ ہے قبر سے زندہ کھڑے ہو اٹھنے کا کیا مطلب ہے اور اس منظر کی تاب لے آنے کی تمہارے پاس کیا صورت ہے؟

کوئی یہودی طبیب اگر تجھے یقین دلائے کہ کوئی ایسا کھانا جو تجھے دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر مرغوب ہے کسی خاص مرض کی وجہ سے اب وہ تیرے لئے زہر قاتل ہے تو اسے چھوڑ دینے میں تو ہرگز کوئی بحث نہ کرے گا۔ اس سے پرہیز کے معاملہ میں تجھے اپنے آپ سے کتنا بھی مجاہدہ کرنا پڑے اور اپنی خواہش سے کتنی بھی جنگ کرنی پڑے، تو ضرور کرے گا۔ تو کیا پھر اے ظالم نفس! وہ باتیں جو انبیاء تجھے بتا کر گئے اور اپنی صداقت پر لاتعداد معجزات کو تیری خرد کیلئے دلیل بنا کر گئے، اور سب سے بڑھ کر اللہ کا اپنا قول جو اس نے اپنی کتابوں میں نازل کیا، کیا اس یہودی طبیب کے قول برابر بھی نہیں جو محض اپنے ظن اور تخمین سے تجھے ایک خبر دیتا ہے اور جس کے غلط ہونے کا ہزار امکان ہے اور جو کہ مطلق حقیقت کا علم پانے پر ہرگز کوئی قدرت رکھتا ہے اور نہ طاقت؟!!

عجیب تو یہ ہے کہ ایک چھوٹا بچہ بھی اگر تجھے بتائے کہ تیرے کپڑوں میں کوئی بچھو چلا جا رہا ہے، تو کبھی دیکھا ہے وہ کپڑا تو کس تیزی کے ساتھ دور پھینکتا ہے؟ کبھی اس بچے سے تو نے بچھو کے چلنے کی 'دلیل' پوچھی؟ کبھی کوئی 'تاویل' کی؟ کبھی کوئی 'خیال' ظاہر کیا؟

تو کیا پھر سب کے سب انبیاء، سب کے سب علماء، سب کے سب حکماء اور سب کے سب اولیاء کا ایک بات کہنا تیرے نزدیک اس چھوٹے بچے کی بات جتنا بھی وزن نہیں رکھتا جو خردمندوں کی صنف میں بھی مشکل سے شمار ہو؟ یا پھر خدا کی دہکائی ہوئی وہ دوزخ اپنی تمام تر ہولناکیوں، اپنی ستر ستر ہاتھ لمبی زنجیروں، سر پھوڑنے والی گرزوں، اپنے تھور، اپنی پیپ اور کچ لہو، اپنی راکھ کر دینے والی لو، اپنے ناگوں اور بچھوؤں سمیت تیری نظر میں دنیا کے اس بچھو جتنی بھی توجہ کے لائق نہیں ...... جو اگر تجھے لڑ بھی گیا تو اس کا درد تجھے دو دن محسوس ہوگا یا بڑی حد چار دن؟؟؟!!!

کیا خردمندی کی یہی باتیں ہیں؟ تجھ خردمند کی یہ حالت تو چوپایوں سے کہی جائے تو اے نفس، وہ اس پر خندہ زن ہوں!

تو پھر اے نفس! اگر تجھے یہ سب معلوم ہے اور اس پر تیرا ایمان ہے تو پھر عمل میں ٹال مٹول کرنے میں کیوں لگا ہے؟ کیا جانتا نہیں موت تیری گھات لگائے بیٹھی ہے اور کیا بعید کسی بھی وقت تو اپنے آپ کو اس کی آہنی گرفت میں دیکھے جس کے بعد تجھے مانگے بھی مہلت نہ ملے۔ اور فرض کیا تجھے سو سال کی چھوٹ مل گئی، پھر بھی کیا خیال ہے جو آدمی عین گھاٹی چڑھنے کے وقت جا کر اپنی سواری کو چارہ ڈالنے کا روادار ہو، گھاٹی پار کر سکے گا؟ اور کسی دشت میں سائے کے نیچے بیٹھ رہنے والا کیا اس کی طویل مسافت طے کر لے گا؟ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو تمہاری نادانی میں کیا شک ہے؟ کیا خیال ہے کوئی شخص کہیں دور پردیس میں تعلیم حاصل کرنے جائے اور وہاں سالوں کے سال فارغ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اِس امید میں کہ اُس کے واپس جانے کو ابھی بہت سال پڑے ہیں! اور یہ کہ وطن جانے سے پہلے آخری سال میں ہی اس کو جتنا پڑھنا ہے وہ پڑھ لے گا!!! کیا تو ایسے شخص کی عقل اور سمجھ کو استہزاء کے قابل نہ جانے گا؟

کیا تو ایسے شخص پر نہ ہنسے گا جو یہ سمجھے کہ علم و خرد میں کسی بڑے مقام کو پانا دنوں کی بات ہے یا یہ کہ ایک فقیہانہ مقام فقیہ بنے بغیر بھی پایا جا سکتا ہے یا یہ کہ کوئی رتبۂ بلند پانا کسی محنت کو لازم نہیں، اس کے لئے کسی تگ ودو کی ضرورت نہیں اور یہ کہ یہ کام ہاتھ ہلانے کا نہیں بلکہ خدا کے کرم اور فیاضی پر چھوڑ دینے کا ہے؟! اور چلو فرض کر لیا کہ آخری عمر میں جا کر کی جانے والی تیری محنت ثمر آور ہو گی اور اس سے درجاتِ بلند بھی تجھ کو مل جائیں گے، مگر یہ بھی تو پتہ نہیں کہ 'آخری عمر' تجھے ملتی بھی ہے یا نہیں۔ کیا پتہ یہ دن ہی تیرا آخری دن ہو اور وہ 'آخری عمر' جو تو نے 'نیک' ہونے کیلئے اپنے ذہن میں پس انداز کر رکھی ہے، تیری قسمت میں لکھی ہی نہ ہو۔ تو پھر ابھی کیوں نہیں اس فرض میں جت جاتے؟ اگر تم پر کوئی ایسی وحی نازل نہیں ہو چکی کہ تمہیں ایک لمبی چھوٹ ہے، تو پھر عمل کی جلدی کرنے میں کیا چیز رکاوٹ ہے؟ 'آج کل' کرتے جانے کا پھر کیا باعث ہے؟ کیا اس کے علاوہ اس کا کوئی اور سبب بھی ہے کہ اپنی خواہشات کے خلاف مزاحمت کرنا تمہارے لئے دوبھر ہے اور اپنی

شہوات کو مات دینا تمہیں ایک مشقت نظر آتی ہے؟ تو پھر کیا تمہیں اُس دن کا انتظار ہے جب خواہشوں کو مات دینا مشکل نہ رہے گا؟؟؟ ارے اے نفس! ایسا تو کوئی دن خدا نے پیدا نہیں کیا اور نہ پیدا کرنے والا ہے۔ ایسا تو کبھی ہونے والا نہیں کہ جنت، نفس پہ گراں گزرنے والے جن امور سے گھری ہوئی ہے، جنت کے ارد گرد سے وہ سب رکاوٹیں تیرے نخروں کے لحاظ میں ہٹا دی جائیں۔ اور نہ کبھی ایسا دن آنے والا ہے کہ نفس پر گراں گزرنے والی یہ چیزیں جن سے جنت گھیر دی گئی ہے، نفس پر گراں ہی نہ رہیں اور تیرا خیال کر کے ان سب چیزوں کی سرشت ہی سرے سے بدل ڈالی جائے!

کیا تو سوچتا نہیں، کتنی بار تو اپنے آپ سے وعدے کرتا ہے اور کہتا ہے 'کل کل'۔ ہاں تو یہ 'کل' آ گئی، تیری یہ 'کل' 'آج' میں بدل گئی، تو اب یہ 'آج' کیسی لگی؟ کیا تجھے معلوم ہوا کہ 'کل' جسے آنا تھا کتنی جلدی وہ 'آج' بن گئی ہے اور 'آج' بن جانے کے بعد اب یہ گزرا ہوا 'کل' بننے جا رہی ہے بلکہ تو 'پارسال' اور اس سے بھی 'پارسال' اور بلکہ تو ایک بھولی بسری کہانی جو صرف 'لکھنے والوں' کو یاد رہے گی!؟! ارے اے نفس، جس نیک کام سے تو آج عاجز ہے کل اس سے تُو کہیں بڑھ کر عاجز ہوگا!

کیونکہ خواہش ایک مضبوط درخت کی طرح ہے جس کو دل کی سرزمین سے اکھاڑ پھینکنا ہی بندے کے حق میں بندگی کا اصل امتحان ہے۔ تو اگر بندہ اس درخت کو اکھاڑنے سے آج عاجز ہے اور اپنی کسی کمزوری کے باعث اس کو موخر ہی کئے جاتا ہے تو وہ اسی شخص کی مانند ہے جو اپنے صحن میں پائے جانے والے ایک زہر بھرے درخت کو اپنے عنفوانِ شباب میں اکھاڑ پھینکنے سے عاجز ہے اور اپنی کمزوری کے باعث اس کو اور سے اور موخر کئے جاتا ہے۔ حالانکہ جانتا ہے جوں جوں وقت گزرے گا درخت اور سے اور ہی جوان اور توانا ہوگا جبکہ خود وہ شخص اور سے اور ہی ضعیف اور ناتواں ہوگا۔ پس جوانی میں آدمی سے جو کام نہ ہو سکا بڑھاپے میں جا کر وہ کیا کرے گا۔ زور کے کام کیا بڑھاپا آنے پر اٹھا رکھے جاتے ہیں!؟ ایک سرسبز ٹہنی کو جیسے مرضی موڑ لو اور جیسا مرضی رخ دے لو مگر جب وہ سوکھ کر کاٹھ بن جائے پھر اس میں یہ خوبی کہاں!!؟

ارے اے نفس، اتنی واضح باتیں بھی اگر تو سمجھنے پر تیار نہیں، اور ٹال مٹول کا سہارا لینے پر ہی مصر ہے، تو پھر تیرا دانائی کا یہ زعم کیسا؟ کسی کا نقصان تھوڑی ہے، اپنے آپ کو بربادی میں جھونکنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ شاید تو کہے 'کیا کروں خواہشوں کی لذت ہی کچھ ایسی ہے اوران کو چھوڑنے میں تکلیف اور مشقت ہی کچھ ایسی ہے کہ اسے سہنا آسان نہیں'۔ یہ بھی کیسی حماقت کی بات ہے اور کیسا بے ہودہ عذر! ارے اے نادان، تمہیں اگر پتہ ہے کہ خواہشوں کی لذت کیا چیز ہے تو پھر اُن خواہشوں کی طلب کرو جن میں لذت ہی لذت ہے اور جن میں کوئی کچرا اور گدلا پن نہیں اور جو ابد الآباد تک قائم رہیں گی۔ ارے اے جاہل، تیری یہ خواہشیں پوری کرانے کو ہی تو جنت وجود میں آئی ہے! اگر خواہشیں ہی تیری مطمع نظر ہیں تو اس کی صورت بھی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم ذرا دیران سے منہ موڑ رکھو۔ دیکھتے نہیں کتنے ہی کھانے ایسے ہوتے ہیں جن کو کھا لینے سے آدمی کو پھر کبھی کھانا نصیب نہیں ہوتا! ذرا یہ تو بتاؤ اس مریض کیلئے تمہارا کیا مشورہ ہے جسے کسی حاذق طبیب نے صرف تین دن کیلئے ٹھنڈا پانی نوش کرنے سے منع کر دیا ہوتا کہ وہ تندرست ہولے اور پھر عمر بھر مزے سے جتنا چاہے ٹھنڈا پانی پیئے، اوراس کو یہ بھی بتادیا ہو کہ اگر ان تین دنوں میں وہ ٹھنڈے پانی کے قریب گیا تو اس کو بے حد مہلک عارضہ لگ جائے گا اوراس کے باعث پوری عمر وہ ایک ٹھنڈا پانی تو کیا اپنی ہزاروں خواہشیں پوری کرنے سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ کیا فرماتی ہے تیری عقل اور دانائی بیچ اس مسئلے کے؟ کیا وہ تین دن صبر اور برداشت سے کام لے لے تا کہ پھر ساری عمر موج کرے یا پھر وہ اپنی خواہش فی الفور پوری کر گزرے کیونکہ تین دن صبر کرنا بہت مشکل ہے، اور پھر اسکے نتیجے میں وہ تین دن نہیں تین سو دن نہیں تین ہزار دن نہیں کبھی بھی اپنے اس پسندیدہ مشروب کی شکل نہ دیکھ پائے!!؟

اور یہ تو تجھے معلوم ہے کہ دنیا کی یہ تیری ساری کی ساری عمر ملا کر بھی، اُس ابد الآباد مدت کے مقابلے میں کہ جب اہل جنت جنت میں موج کریں گے اور کرتے ہی

رہیں گے اور اہل دوزخ دوزخ میں عذاب سہیں گے اور سہتے ہی رہیں گے...... تیری یہ ساری عمر خواہ وہ کتنی ہی دراز ہو جائے اُس ابدالآباد مدت کے مقابلے میں تین دن سے بھی کم ہے۔ صد افسوس تیری عقل اور بینائی پر! خواہشوں کے فراق کا درد تجھے زیادہ المناک اور زیادہ طویل دِکھتا ہے نہ کہ جہنم کے گڑھوں میں آگ پر پکنا اور لذتوں بھری بہشت سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم ہو رہنا!!!! ایسی نازک طبیعت پائی ہے کہ خواہشوں کے خلاف مزاحمت کر لینا تجھے ناقابل برداشت تکلیف نظر آتی ہے اور ایک نہایت ناگوار اور پر مشقت کام، تو پھر تیری اس نازک طبیعت پر خدا کا عذاب سہنا ہی کیا آسان ہو گا؟؟؟

میں دیکھتا ہوں تو اپنا ہی بھلا کرنے سے جو یوں کتراتا ہے اور ہر حال میں راہِ فرار اختیار کر جانے پر ہی مصر ہے تو یا تو کوئی چھپا ہوا کفر تیرے اندر کہیں سما گیا ہے یا پھر کھلی ہوئی حماقت۔ چھپا ہوا کفر یہ کہ یوم حساب کی بابت تجھے یقین کا عارضہ ہے اور تجھے وثوق نہیں کہ نہ تو خدا کے ثواب کی کوئی حد ہے اور نہ خدا کے عذاب کی۔ کھلی ہوئی حماقت یہ کہ خدا کے عفو و مغفرت پر سہارا کرتے ہو اور اس کی چال سے بے خبر اور اس کی پکڑ سے بے خوف۔ جبکہ خود دیکھتے ہو یہاں دنیا میں روٹی کے ایک لقمے یا مال کے ایک ذرے کے معاملہ میں بھی تم خدا کے کرم پر معاملے کو چھوڑ دینے پر تیار نہیں ہوتے۔ خدا کے کرم پر سہارا کرتے ہوئے یہاں تم کسی سے کوئی ایک بات سننے کے روادار نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنے مقصد کو پانے کیلئے یہاں ہر ممکن حیلہ اختیار ہوتے ہو اور اپنے ہدف تک پہنچنے کیلئے ہر تدبیر اور ہر ممکن چارہ کرتیہو۔ اس نادانی پر حماقت کا یہ لقب تو تجھے رسولؐ کی ہی زبان سے ملتا ہے، فرمایا:

الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت. والأحمق من أتبع نفسه هواها وتمنىٰ على الله الأماني.

''دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کر لے اور ما بعد الموت کیلئے عمل کرنے میں لگا ہو۔ احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہش کے زیر کر دے اور اللہ پر آرزوئیں باندھنے لگے''

حیف تجھ پر اے نفس! اس دنیا کی زندگانی سے فریب مت کھائیو۔ اور اُس بڑے فریب کار کے دام میں آنے سے تو حد درجہ بچ کر رہیو۔ اپنا خیال خود نہ کرو گے تو اور کسی کو تمہاری کیا پڑی؟ وقت برباد مت کئے جاؤ۔ تمہارے پاس گنے چنے ہی تو کچھ سانس ہیں۔ ایک سانس چلا جاتا ہے تو سمجھو تمہارا کچھ حصہ تم سے جھڑ گیا۔ اس سے پہلے کہ تمہیں کوئی روگ لگ جائے اس تن درستی کو غنیمت جانو۔ قبل اس سے کہ تمہیں کوئی بپتا پڑ جائے یہ فراغت جو تجھے بے حد وحساب حاصل ہے اس کو غنیمت جان لو۔ قبل اس سے کہ غربت اور فاقہ دیکھنا پڑے اس آسودہ حالی سے فائدہ اٹھا لو۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور موت سے پہلے زندگی کی اس بے مثال نعمت کو بڑی کام کی چیز جانو اور اس میں جو ہو سکتا ہے کر لو۔ آخرت کیلئے اسی حساب سے تیاری کر لو جس قدر طویل زندگی تمہیں وہاں بسنا ہے۔

اے نفس! جاڑے کا موسم تجھے جب قریب نظر آتا ہے تو اس کیلئے تو کس طرح تیار ہوتا ہے؟ جتنا طویل جاڑا ہو کیا اسی حساب سے تو اس کیلئے اپنا بندوبست نہیں کرتا؟ اسی حساب سے گرم کپڑے، کھانے پینے کا سامان اور ایندھن کا انتظام کیا تیرے ہاں نہیں ہوتا؟ کبھی ایسا ہوا ہے کہ جاڑا آیا ہو اور تو نے گرم کپڑوں اور ایندھن وغیرہ کا بندوبست کرنے کی بجائے معاملہ خدا کے فضل وکرم پر چھوڑ دیا ہو کہ وہ خود ہی اپنی مہربانی سے سردی کو تجھ سے دور کر دے گا اور تجھے گرمائش پہنچاتا رہے گا؟! حالانکہ وہ تو بلاشبہہ اس پر قادر ہے! تو پھر کیا اے نفس! تیرا خیال ہے کہ جہنم کی زمہریر (کپکپی طاری کر دینے والی سردی) تیری دنیا کی اِس سردی سے شدت میں کم ہے یا مدت میں؟ یا پھر تجھے خیال ہوا ہے کہ اور پھنسیں تو پھنسیں مگر تو تو بغیر کوئی بھی سعی کئے جہنم سے نجات پا جائے گا؟ اف! کہاں! دنیا کی یہ سردی گرم کپڑے حاصل کئے بغیر اور آگ تاپائے بغیر دور ہونے کی نہیں، اور تو خوب جانتا ہے دنیا کی یہ گرمی اور سردی تجھے بھی اتنی ہی لگتی ہے جتنی کہ اوروں کو...... جب ایسا ہے تو پھر جان لو، آخرت کی گرمی سے تحفظ بھی توحید کے قلعہ میں پناہ لئے بغیر اور فرماں برداری کی فصیل اٹھائے بغیر ممکن نہیں۔

ارے نادان! خدا کا فضل اور کرم یہی تو ہے کہ اُس نے تجھے وہ طریقہ بتا دیا جس سے کام لے کر تو آخرت کے ان خطروں کے مد مقابل قلعہ بند ہو سکے۔ اُس کی مہربانی یہی تو ہے کہ آخرت کی خواری سے بچاؤ کے اسباب اُس نے تیرے لئے میسر کر دیے۔ پر تو نے سمجھا کہ اُس کا مہربان ہونا یہ ہے کہ تو اُس کے بتائے ہوئے طریقے پر قلعہ بند بھی نہ ہو اور اُس کے ہدایت کردہ اسباب بھی اختیار نہ کرے، پھر بھی آخرت کی وہ سب کی سب سختی اور عذاب آپ سے آپ ہی تیرے راستے سے ہٹ جائے!

تجھ سے دنیا کی یہ سردی ہٹا دینے کے معاملہ میں خدا کا فضل اور کرم یہی تو تھا کہ اُس نے آگ پیدا کر دی اور تجھے وہ سب طریقے سجھا دیے اور وہ سب اسباب تیرے لئے میسر کر دیے جن سے کام لے کر تو اپنے گھر میں آگ روشن کر لینے کے قابل ہو اور یوں سردی سے تو اپنا تحفظ کر لے۔ یہ ایندھن، یہ گرم کپڑے، یہ سردی سے تحفظ کا سب سامان خدا کی اپنی ضرورت تھوڑی ہے! جب تو ان چیزوں کو حاصل کرنے کیلئے دوڑ دوپ کرتا ہے تو یہ تیری اپنی ہی ضرورت کیلئے تو ہوتا ہے۔ جب ایسا ہے تو آخرت کا بندوبست کرنے کیلئے تیری نیکی وفرماں برداری اور نفس کے خلاف تیرا مجاہدہ، یہ بھی خدا کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی تو تیری ہی ضرورت ہے اور تیری ہی جان بخشی کا سامان! یہاں بھی جو بھلا کرے گا وہ اپنی ہی جان کا بھلا کرے گا اور جو برا کرے گا وہ اپنی جان پر بنائے گا......رہی خدا کی ذات تو وہ تو جہانوں سے بے نیاز ہے!!!

افسوس اے نفس تجھ پر! اپنی اس نادانی سے نکل آ۔ آخرت کی وسعت کے ساتھ اپنی اس محدود دنیا کی ذرا پیمائش تو کر۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةً ”نہیں ہے پیدا کرنا تم سب کا (اے انسانو) اور نہ دوبارہ اٹھانا تم سب کا مگر ایسا ہی جیسے ایک شخص کا“ كَمَا بَدَأَكُم تَعُودُونَ ”جس طرح پیدا کیا اُس نے تم کو (اب)-(اسی طرح) تم پھر پیدا کئے جاؤ گے“ خدا کی سنت اور اُس کا کہا کبھی بدلتا تھوڑی ہے۔ پر کیسا تو نے اس دنیا کے ساتھ دل لگایا ہے اور کیونکر تو بس اسی کے ساتھ مانوس ہے!؟ یہ دل جب

اسی دنیا میں ہوگا اور دل میں یہی دنیا، تو اس کو چھوڑنے کا لمحہ تیرے لئے کس قدر جان لیوا ہوگا!؟ تیرا سب کچھ اسی دنیا میں ہے اور یہ دنیا ہے کہ تیزی سے جارہی ہے! جب یہ دنیا ہی تیرے لئے سب کچھ ہے تو وہ 'بڑے پیمانے' جو جہانِ آخر میں پائے جانے والے ہیں تجھے کب سمجھ آئیں گے؟! تب خدا کے عذاب کی تیرے ہاں کیا وقعت اور خدا کی دین اور بخشش کی تیرے ہاں کیا اہمیت اور قیامت کی ہوش بھلا دینے والی ہولناک ساعتوں کی تیری نظر میں کیا حیثیت؟! یہ چھوٹی حقیر سی دنیا جو تیرے دل میں بیٹھی ہے تجھے معلوم ہی تو ہے عنقریب تجھ سے چھوٹ جانے والی ہے جبکہ آخرت میں دل لگانے یا وہاں گھر بنانے کا تجھے کبھی خیال تک نہیں آیا۔ تیری ساری خواہشیں اسی دنیا کی تو پھر اس دنیا کا جانا تو ہر چیز کا چلا جانا ہے۔ ہائے رے نفس تیری موت بھی کیسا بڑا سانحہ ہوگا!!!

یہاں جن کے ساتھ تیرا دل لگا ہے یہ تو سب سمٹتے سائے ہیں اور تو جو ایک طویل سفر پر ہے، اور تیرے آگے دشت ہی دشت ہیں، تو نادان اِنہی روپوش ہوتے سایوں پہ ریجھ بیٹھا! جن سے تیری سب دل لگی ہے، اوران کے سوا تو نے کوئی محبت پالی ہی نہیں، ان سے تیرا بچھڑنا پل دو پل کی ہی تو بات ہے! ارے اے نفس کوئی ایسا ساتھ بھی تو ہو جو آگے کی ہولناک گھڑیوں میں تیرے لئے باعث اُنس ہو!

کوئی شخص بادشاہ کے ایک ایسے محل سے گزرتا ہے جس میں آدمی ایک طرف سے داخل ہوتو دوسری طرف جا نکلے۔ یہ شخص محل کی راہداریوں ہی میں پائی جانے والی صورتوں اور مورتوں کو دل دے بیٹھے جہاں رکنا اس کے بس میں نہ ہو اور اس کے آگے ایک لق ودق صحرا ہو اور ایک طویل خوفناک جنگل، جس سے گزرنا اس کیلئے ناگزیر ہو اور اس کے پار اس کا مستقر......
تو ایسے شخص کو عقلمند کیونکر کہیں جو محل کی انہی راہداریوں میں دل کھو بیٹھے؟! ارے نادان! ساتھ تو وہ جو دشت اور بیابان میں کام دے اور دائمی مستقر میں ہی جس کی صحبت میسر آسکے!

کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ دنیا کائنات کے بادشاہ نے تیرے لئے محض ایک گزرگاہ بنائی ہے اور تیرا گھر کہیں اور ہے جو کئی ایک بیابانوں سے گزر کر آنے والا ہے؟!

ارے نادان! یہاں کی راہداریوں میں کھو جانا عقلمندی نہیں۔ یہاں سے تو وہی ساتھ پکڑ جو تیری راہ کا ساتھی بن سکے اور جو آگے تک تیرا ساتھ نباہ سکے!

دنیا کی یہی حقیقت بتانے کیلئے تو سید البشرؐ نے یہ خبر دی ہے:

ان روح القدس نفث في روعي: أحبب من أحببت فإنک مفارقه، واعمل ما شئت فإنک مجزي به، وعش ما شئت فإنک میت.

"روح القدس نے میرے قلب پر یہ بات القاء کی: چاہ لو جس کو بھی چاہنا ہے، تمہیں اس کو چھوڑ کر مگر جانا ہے۔ عمل کرلو جیسا مرضی چاہو بدلہ اس کا تمہیں مگر ملنا ہے۔ یہاں رہ لو جتنا رہنا چاہو، مرنا تمہیں مگر ہے"۔

وائے رے نفس! کیا تو جانتا ہے جتنا کوئی شخص دنیا کے ان میلوں ٹھیلوں میں دل لگاتا ہے اور جتنا کوئی یہاں کی پرچھائیوں کو دل میں بٹھاتا ہے، جبکہ یہاں وہ خود بھاگا جارہا ہے اور موت اس کے پیچھے پیچھے ہے...... جب وہ موت کے ہاتھ آتا ہے، تو جتنا کوئی اس دنیا کو دل دے بیٹھا تھا اتنا ہی اِس سے بچھڑتے وقت وہ یہاں سے حسرتیں ساتھ لے جاتا ہے!؟ جتنا کوئی اس فانی دنیا کے ساتھ اُنس بڑھاتا ہے اتنا ہی وہ اپنے لئے زہر اکٹھا کرتا ہے اور اتنا ہی، دمِ فراق، وہ اپنی ان فانی محبتوں کے لگائے بچھو کے کھاتا ہے، بے شک آج وہ یہ جانتا نہیں!؟

ارے نادان! کیا تو نے یہاں سے جانے والوں کو دیکھا نہیں، کیسے کیسے اُنھوں نے گھر بنائے اور کیا کیا اونچے محل سجائے؟ پھر وہ چپ چاپ ان سجے سجائے محلات کو اوروں کے بسنے کیلئے چھوڑ گئے۔ آخر وہ ان میں بسے کیوں نہ؟؟؟ تو نے دیکھا کیسے خدا نے ان سے یہ گھر لے کر اوروں کو دے دیے اور بسا اوقات تو ان کا بنایا ان کے دشمنوں کے کام آیا! کیا تو اِن کو دیکھتا نہیں، یہ یہاں وہ کچھ اکٹھا کرنے میں لگے ہیں جو یہ کھائیں گے نہیں! وہ کچھ بنا رہے ہیں جن میں یہ بسیں گے نہیں! وہ آرزوئیں پال رہے ہیں جن کو یہ پہنچیں گے نہیں!

یہاں ہر آدمی ایسا محل بنانے میں لگا ہے جس کا رخ آسمان کی جانب ہو حالانکہ اس کا اپنا ٹھکانہ زمین کے خاصا نیچے ہے اور تو نے دیکھا قبر گہری ہی کھودی جاتی ہے! ارے اے نفس کیا اِس دنیا کی کم عقلی پر تجھے اس سے بھی بڑھ کر کوئی دلیل چاہیے!؟ یہاں ہر آدمی اپنی یہی دنیا آباد کرنے میں لگا ہے حالانکہ یقینی طور پر وہ یہاں سے کوچ کر جانے والا ہے۔ یہاں ہر آدمی اپنی آخرت اجاڑنے میں لگا ہے حالانکہ یقینی طور پر وہ وہاں پہنچ رہنے والا ہے۔ اے نفس کیا تجھے شرم نہ آئے گی جوان احمقوں کا ساتھ دینے چل پڑو گے؟ فرض کرلیا تیری یہ بات سچ ہو کہ تو اتنی گہری عقل کا مالک نہیں کہ یہ تیرے کسی باقاعدہ فیصلہ کا نتیجہ ہو بلکہ یہ سب جو تو کرتا ہے بس یونہی دنیا کی دیکھا دیکھی ہے۔ ارے اے نادان! کسی کی دیکھا دیکھی ہی کرنی ہے تو انبیاء کو کیوں نہ دیکھو؟ علماء کو کیوں نہ دیکھو؟ حکماء کی کیوں نہ نقل کرو؟ ذرا موازنہ تو کرو کہاں انبیاء کی عقل اور علماء کی خرد اور حکماء کی سمجھ اور کہاں ان نادانوں کی عقل جو دنیا کے سمٹتے سایوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ تیرے سامنے یہ دو ہی تو فریق ہیں۔ ان میں سے کس کی عقل تیرے نزدیک قابل اعتبار ہے اور کس کا اختیار کردہ راستہ تیرے نزدیک قابلِ بھروسہ اور لائقِ تقلید؟ تجھے عقل کا اگر کوئی زعم ہے اور سمجھ کا ذرہ بھر کوئی دعویٰ ہے تو ذرا یہی دیکھ لے کہ ان دو فریقوں میں سے عقل مند کون ہے؟ کون ان میں سے اس لائق ہے کہ تو اس کی نقل کرے اور اسی کا چلا ہوا راستہ اختیار کرے؟

اے نفس! تیرا معاملہ کس قدر عجیب ہے اور تیری سرکشی کس قدر بڑھی ہے۔ اتنی واضح باتیں ہیں جو تیری عقل سے اوجھل رہ جاتی ہیں!

شاید، اے نفس، شہرت کی طلب اور مقبول ہوجانے کی چاہت نے تیری آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ معاشرے کے اندر ایک بڑا 'اسٹیٹس' پانے کی آرزو نے ایسی واضح حقیقتوں کو دیکھنے سے تجھ کو عاجز کر رکھا ہے۔ تیری یہ جاہ پرستی اور دنیا میں بڑائی پانے کی طلب کیا معنیٰ رکھتی ہے؟ یہی نا کہ لوگوں کے دلوں کا میلان تیری

جانب ہو جائے اور تو ان کی نگاہوں کا مرکز بنا رہے؟! تو چلو پھر لمحہ بھر فرض کرلو کہ زمین پہ پایا جانے والا ہر ذی نفس تجھ کو سجدہ کرنے لگا ہے اور تیری ہی عظمت کا دم بھرنے لگا ہے اور تیرا ہی غلام فرماں بردار ہو چکا ہے۔ اس سے بڑھ کر تو کوئی درجہ نہیں؟! پھر بھی کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ پچاس سال گزرنے نہ پائیں گے کہ نہ تو یہاں رہے گا اور نہ وہ خلقت جو آج تجھے سجدے کرتی ہے اور تیری عظمت کو سلام کرنے میں لگی ہے؟! اور پھر ایک وقت آئے گا جب یہاں نہ تیرا نام رہے گا اور نہ تیرا نام لینے والوں کا نام!!! نہ تیرا ذکر ہوگا اور نہ تیرا ذکر کرنے والوں کا کوئی ذکر!!! کیا تجھ سے پہلے گزرنے والے بادشاہوں اور شہنشاہوں پر یہ وقت نہیں آیا؟ اُن میں سے کس کا طنطنہ آج تجھے سنتا ہے اور کس کو فرشی سلام ہوتے تجھے نظر آتے ہیں؟ کیا سب مٹی نہیں ہو گئے؟ کونسی دیمک تھی جوان کو چاٹ گئی!!؟ جسد خاکی بھی ڈھونڈو تو کیا کہیں ملتا ہے؟ تو پھر اے جاہل نفس! کیوں اُس ٹھاٹھ کو جو ابد الآباد تک باقی رہے گا اس چیز کے عوض ہی بیچ ڈالنے پر مصر ہے جو پچاس سال سے زیادہ کی نہیں، وہ بھی اگر رہے تو، اور وہ بھی یہ فرض کرتے ہوئے کہ تجھے تمام دنیا کی ریاست اور سیادت مل چکی ہے اور مشرق تا مغرب گردنیں تیرے آگے جھک چکی ہیں اور فوجیں تجھ کو سلام کرنے لگی ہیں اور یہ انتظام ہو چکا ہے کہ پوری دنیا میں بس اک تیرا ہی طوطی بولنے لگے، کجا یہ کہ ایک محلے کی سیادت تجھ کو مل جانے کا واقعہ بھی ابھی اِس دنیا میں رونما نہ ہوا ہو، بلکہ کیا بعید اپنے گھر میں ہی تیری نہ چلتی ہو!

اے نفس! اگر تو آخرت کی رغبت میں اس دنیا کی طلب سے دستبردار نہیں ہوتا، کیونکہ تجھے وہ دانائی حاصل نہیں اور وہ بصیرت تیرے پاس نہیں جو دنیا پر آخرت کی فضیلت تیرے ذہن نشین کرائے...... تو بھی اے نفس! وہ جن کے ساتھ تیری یہ دنیا کی دوڑ لگتی ہے ان کی خست اور گھٹیا پن کو دیکھ کر ہی تجھے اس سے کراہت کیوں نہیں ہو جاتی؟ اس کی طلب میں جتنی خواری اٹھانا پڑتی ہے اسی کو دیکھ کر تجھے اس سے نفرت کیوں نہیں ہو جاتی؟ لاکھ جتن کر لینے کے بعد یہ دنیا ابھی آتی نہیں کہ چلی جاتی ہے،

ایسی بے ہودہ چیز کیلئے ذلت اٹھاتے چلے جانے سے تیری طبیعت کیوں نہیں اکتاتی؟ دنیا کو تیری طلب نہیں پر تیرا دنیا کی چھوٹی چھوٹی چیز پر دل نکل نکل جانا کیا تجھے معیوب نظر نہیں آتا؟! فرض کر لے یہ دنیا کچھ اگر تیرے ہاتھ آ بھی گئی، اور تو اسی پر پھولنے لگا، تو اے نفس کیا تجھے معلوم نہیں تو اس بات پر جامے سے باہر ہونے لگا ہے جس میں کتنے ہی یہودی پھر بھی تجھ سے آگے ہیں اور کتنے ہی مجوسی اس میں تجھے آخری درجے کی مات دے چکے اور کتنے ہی کافر اِس آن بان میں، جس پر تو ناز کرتا ہے، پھر بھی تجھ سے بہت اوپر ہیں! تف ہے اس دنیا پر جس میں ایسے ایسے گھٹیا اور کمتر لوگ تجھ پر کمال کی سبقت رکھیں اور تو اس میں اپنے آپ کو ان سے کہیں پیچھے اور کمتر پائے اور جس میں تجھے اپنا آپ انکے مقابلے میں ناچیز جاننا پڑے!!! یہ تیری کیسی جہالت ہے! کیسی کمتری ہے! یہ کیسی کمینگی کی دوڑ ہے جس میں تجھے اپنے سے بڑھ کر نظر آنے والے، انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین نہیں، دنیا کے گھٹیا ترین لوگ ہوں!!! وہ خدا کی نگاہ میں سب سے ہیچ لوگ ہوں جو تجھے اپنے سے بہت اوپر نظر آئیں جبکہ خدا کی قربت پانے والے تیری نظر سے اوجھل ہو جائیں اور نیکوکار تیرے کسی شمار میں آنے سے ہی رہ جائیں!!! جس زمرے میں شمار ہونے کیلئے تجھے بے تاب دیکھا جاتا ہو وہ خدا کے مقرب لوگ نہ ہوں جو کہ اس کی مجاورت میں ابدالآباد تک بسیں گے! تمہیں بے تابی ہو تو اس بات کی کہ کسی صورت دنیا کے جاہلوں اور احمقوں میں، چاہے پچھلی ہی صف میں ہو، اور تھوڑے ہی دنوں کیلئے سہی، تمہارا شمار ضرور ہونے لگے! حسرت ہے تجھ پر حسرت اے نفس! دنیا کا گھاٹا اور پھر آخرت کا اجاڑ!!!!

اے نفس! خدا کی طرف چل پڑ اور سنبھل جانے کی جلدی کر۔ ورنہ تو ہلاک ہوا کہ ہوا۔ موت کی دستک سن جو آس پاس مسلسل ہو رہی ہے۔ یہاں روز ہی تو بلاوے آتے ہیں، کیا پتہ تیرا نام کس دن نکل آئے! اے نفس وقت سنبھال لے۔ آج عمل تیرے پیش نظر نہیں تو پھر اے بیچارے نفس! مرنے کے بعد کون تیری جگہ نماز پڑھے گا؟!

موت آ گئی تو کون تیرے حصے کے روزے رکھے گا؟! تو خود آج خدا سے اپنی بخشش کا سوالی نہیں تیرے مر جانے کے بعد کون تیرے لئے خدا کو راضی کرائے گا؟!

اے نفس! تیرے پاس کچھ ہی تو دن باقی ہیں۔ تیری ساری پونجی جو تیرے پاس بچی ہے بس وہ یہی ہے، اگر تو اب بھی اِس کو کاروبار میں لگا لے۔ اس کا بڑا حصہ تو تو ضائع کر ہی چکا۔ جو وقت تو ضائع کر بیٹھا باقی زندگی پوری تو اسی پر روتا رہے تو بھی حق ادا نہ ہو۔ پھر اس بارے میں کیا خیال ہے کہ جو باقی بچا اِس کو بھی تو ضائع کر لے! اے نفس کیا تجھے معلوم نہیں موت تیری میعاد ہے۔ قبر تیرا ٹھکانہ ہے۔ مٹی تیرا بچھونا ہے۔ حشرات الارض تیرے پڑوسی ہیں۔ اور پھر یہاں سے اٹھے گا تو آگے روزِ محشر ہے۔ کیا تجھے خبر ہے موت کے فرشتوں کا پورا ایک لشکر تیرا منتظر ہے؟!

اے نفس! کیا تو جانتا ہے کہ یہ جو مردے قبروں میں پڑے ہیں، وہ یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش انہیں یہاں دنیا میں لوٹ آنے کیلئے بس ایک دن دے دیا جائے تا کہ وہ اپنے قصوروں کی تلافی کر لیں اور جو بھاری نقصان وہ اپنے حق میں کر چکے اس کا ازالہ کر جائیں؟ اے نفس جس چیز کی وہ تمنا کرتے ہیں پر کبھی وہ انہیں ملنے والی نہیں تیرے پاس وہ آج وافر ہے۔ جانتا ہے تیری زندگی کا ایک دن اگر ان مردوں کو بیچا جائے تو پوری دنیا دے کر وہ اس ایک دن کو تجھ سے خرید لیں، بشرطیکہ وہ اس کی قدرت پائیں؟ اور تو ایسی دولت کو کس لاپروائی سے ضائع کرتا جا رہا ہے۔ یہ دن اور راتیں کس غفلت اور بے کاری میں گزرتے ہیں؟! وائے اے نفس! تو سنبھل کیوں نہیں جاتا؟

اپنے ظاہر کو، جسے تو نے مخلوق کے سامنے لے جانا ہوتا ہے، دیکھ تو کس قدر سنوارتا نکھارتا ہے۔ خدا کو دکھانے کیلئے تیرے پاس البتہ گناہ ہیں اور برے سے برے کرتوت۔ کیا سب شرم تو نے مخلوق کیلئے ہی بچا رکھی ہے، خالق کے سامنے شرمسار ہونے کا تجھے خیال تک نہیں؟ کیا تجھے دیکھنے والوں میں تیرے نزدیک سب سے کم وقعت وہی ذات ہے جس نے تجھے پیدا کیا اور جس کے قبضے میں تیری جان ہے؟؟؟

تو اوروں کو نیکی کی بات بتانے چل پڑتا ہے اور خود برائیوں میں دھنسا پڑی ہے؟! اوروں کو خدا کی طرف بلا رہا ہے اور خود خدا سے بھاگا ہوا ہے؟! دوسروں کو خدا کی یاد دلاتا ہے اور خود خدا کو بھولا ہوا ہے؟! تو خوب جانتا ہے طہارت کیلئے تو پاک کرنے والا پانی ہی درکار ہوتا ہے۔ تو اوروں کو پاک کرنا چاہتا ہے اس حال میں کہ تو خود پاک نہیں ہے!؟

ارے اے نفس! تو جو دوسروں کو دعوت دیتا پھرتا ہے، اگر تجھے خود اپنی حالت کی خبر ہو جائے تو تو کہے کہ پوری دنیا کے مصائب تیری ہی نحوست کے باعث ہیں۔ افسوس تجھ پر کہ تو نے ابلیس کیلئے اپنے آپ کو نہایت آرام دہ سواری بنا رکھا ہے اور وہ تیری پیٹھ پہ سوار تجھے جدھر کو چاہتا ہے ہانک لے جاتا ہے۔ وہ تجھ پہ بیٹھا تجھ پہ ہنستا ہے مگر تجھے رونا نہیں آتا۔

پھر، تجھے اپنے عمل پہ زعم ہونے لگتا ہے اور گناہوں کے ڈھیر تجھے نظر نہیں آتے۔ جانتا ہے اس ابلیس نے دو ہزار سال تک خدا کی عبادت کی پھر جب اس نے خم ٹھونک کر خدا کی معصیت کی تو اس کو راندۂ درگاہ کر دیا گیا؟ آدمؑ خدا کے نبی اور ولی ہوتے ہوئے خدا کی معصیت کرتے ہیں تو انہیں جنت سے نکال دیا جاتا ہے۔ اے نفس تو نے کونسی نیکی کر لی جو تجھے اتنا مان ہے؟ خدا کی معصیت کرتے وقت کیا کبھی تو نے اپنی جرأت دیکھی؟

اے نفس! یا تو تو نے یہاں دنیا بسائی ہے یا گناہ اکٹھے کئے ہیں۔ یہ تو تیری پونجی ہے! کسی بھی وقت جہاں سے تجھے کوچ کر جانا ہے اس جگہ کو سجانے سنوارنے سے تجھے فرصت ہی نہیں! ان قبروں میں پڑے ہوؤں کو بھی کبھی دیکھ لے، دنیا بسانے میں انہوں نے کوئی کمی تو نہ چھوڑی تھی! کیا کچھ انہوں نے جمع نہیں کیا؟ کیا کیا کچھ انہوں نے نہیں بنایا؟ کیسی کیسی آرزوئیں ہیں جو انہوں نے نہیں پالی تھیں؟ وہ سب جو انہوں نے جمع کیا تھا آخر اُن کے کام تو نہ آیا! اُن کی بلند و بالا عمارتیں اُن کیلئے حسرت ہی بنیں،

قبریں تو اُن کی پھر بھی چٹیل ویرانوں ہی میں بنیں! ان کی سب آرزوئیں فریب ثابت ہوئیں اور آخر وہ ایک اٹل حقیقت کا سامنا کرنے کیلئے چپ چاپ چل دیے۔ وائے اے نفس! اتنی دنیا مری پر تجھے عبرت نہیں! اُن کے بارے میں کبھی غور تو کر۔ تیرا کیا اندازہ ہے اُن کو تو بلاوا آ گیا اور تجھے ہمیشہ رہنے کیلئے یہاں چھوڑ دیا جائے گا؟ اف! کہاں! تجھے اگر یہ زعم ہے تو کتنا برا زعم ہے۔ تو جب سے اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آیا ہے تب سے تو اپنی عمر ایک ایک اینٹ کر کے گرا ہی تو رہا ہے۔ زمین کے اوپر محل بنا لے، دفن تجھے زمین کے نیچے ہی ہونا ہے۔ آخر تو ڈرتا کیوں نہیں اُس وقت سے جب روح تیری ہنسلی میں آ پھنسے گی اور تیرے رب کے بھیجے ہوئے خوفناک فرشتے تیری جان نکالنے کا کام شروع کر دیں گے کیا تب پچھتاوا تجھے کچھ فائدہ دے گا؟ تیرے رونے دیکھ کر کیا وہ تجھے چھوڑ دیں گے؟ تیرا افسوس کرنا اور تیرا ہائے دہائی کرنا کیا اُس دن قبول ہو جائے گا؟ عجیب تو یہ ہے کہ ان سب باتوں کے باوجود تجھے خردمندی کا دعویٰ ہے! تو اس کو ذہانت سمجھتا ہے کہ روز تیرا مال بڑھے تو اس پر تو خوب خوش ہو۔ مگر روز تیری عمر گھٹتی ہے اس پر تجھے کبھی افسوس نہیں ہوا! کیا یہی دانش ہے؟ مال بڑھتا جائے عمر گھٹتی جائے، حسرت یہی تو ہے کہ ایک دن یہ دونوں باتیں اپنی انتہا کو پہنچ جائیں!!!

ظالم نفس! آخرت سے منہ موڑتا ہے حالانکہ وہ آ رہی ہے۔ دنیا کو اپنا رخ دیے بیٹھا ہے حالانکہ دنیا جا رہی ہے۔ کتنے ہی ایسے ہیں جو دن شروع کر لیتے ہیں مگر دن پورا نہیں کر پاتے۔ کتنے ہی ایسے ہیں جو تجھ سے کہیں بڑھ کر آرزوئیں اور ارادے رکھتے ہیں مگر وہ انکو پہنچ نہیں پاتے، اس سے پہلے ہی لے جانے والے انکو حساب کی جگہ لے جاتے ہیں۔ تو روز یہ دیکھتا تو ہے۔ تیرے اپنے ہی بھائی، تیرے اپنے ہی عزیز، تیرے ہی آس پاس کے لوگ موت کے وقت حسرت کی تصویر بنے یہاں سے جائے جا رہے ہیں۔ مگر تو پھر بھی 'انجان' بنا رہنا چاہتا ہے! اے ناتواں نفس! وقت سنبھال لے اور اُس دن کا خیال کر لے جسکی بابت رب العالمین نے قسمیں اٹھا رکھی ہیں کہ کوئی ایک بھی نفس

جسے اُس نے دنیا میں اپنے امر ونہی کا پابند کر رکھا تھا، اُسکے سامنے کھڑا پیر تک نہ ہلا پائے گا جب تک وہ اس سے اس کے عملوں کا حساب نہ لے لے۔ پس اے نفس ابھی سوچ لے کن پیروں پہ تو اُس دن اپنے مالک کے سامنے حساب دینے کیلئے کھڑا ہوگا؟ کس زبان سے تو اُس دن اپنے مالک کے سوالوں کا جواب دے گا؟ سوال کیلئے ابھی سے جواب تیار کر لے اور جواب کے صحیح ہونے کی تسلی کر جا۔ جو زندگی ابھی باقی ہے اس کو بہت بڑی غنیمت جان۔ یہاں کے مختصر دنوں میں وہاں کے طویل دنوں کا سامان کر لے۔ زوال کی اِن گھڑیوں میں اُن لازوال ساعتوں کیلئے کچھ کر جا۔ دکھوں کے اِس گھر میں اور محنت مشقت کے اِس جہان میں نعیم اور خلود کی ضمانت پا جا۔ عمل کر لے قبل اس کے کہ تجھے عمل کرنے نہ ملیں۔ اِس دنیا سے باعزت نکلنے کا سامان کر لے قبل اس کے کہ تجھے یہاں سے رسوا ہو کر نکلنا پڑے۔ دنیا کے ٹھاٹھ پر ہرگز مت اِترا۔ کتنے ہی ایسے ہیں جو یہاں بڑے خوش تھے آگے جا کر بہت روئے۔ یہاں کتنے ہی ایسے ہیں جو بڑے بڑے گھاٹے کھانے میں مصروف ہیں اور ان کو اِس کی ذرہ بھر خبر نہیں۔ برا ہو اس شخص کا جس کی بربادی طے ہے اور وہ ہنسی میں مگن ہے! جس کی بابت طے ہے کہ یہ شخص جہنم کا ایندھن ہے اور وہ ہنس ہنس کر بے حال، خوب کھانے پینے اور شغل تماشے میں مصروف ہے!

پس اے نفس! دنیا کی جانب تو جب بھی دیکھے تو وہ عبرت کا دیکھنا ہو۔ دنیا کیلئے تیرا سعی کرنا ضرورت کیلئے ہو۔ دنیا کو تیرا مسترد کر دینا تیرے اختیار سے ہو نہ کہ مجبوری سے۔ تیرا آخرت کی طلب کرنا تیرے دل کی چاہت سے ہو اور آگے بڑھ کر ہو۔ ایسا کم عقل مت ہو کہ جو تجھے مل چکا اس کے معاملہ میں تو تُو شکر گزار ہونے سے عاجز رہے البتہ جو ملنے سے رہ گیا اس کو آگے بڑھ بڑھ کر مانگے، دوسروں کو ایک بات سے روکے اور خود نہ رکے۔

خوب جان لے دین کا کوئی مول نہیں۔ ایمان کا کوئی نعم البدل نہیں۔ یہ جسم جو تجھے مل چکا دنیا میں بس یہی ہے، اس کے بعد صرف فنا ہے۔ تیری یہ فنا مسلسل جاری ہے

اگر تجھے کچھ ہوش آ جائے۔ ہر نیا دن چڑھنے کے ساتھ تیرا ایک حصہ فنا ہو جاتا ہے۔ جس شخص کو رات اور دن کی یہ تیز رفتار سواری اٹھائے جا رہی ہو وہ تو نہ بھی چلے تو چلتا ہے۔

اے نفس اسی نصیحت کو کافی جان۔ کیا تو جانتا نہیں، جو شخص نصیحت کا اثر لینے پر تیار نہ ہو وہ اپنے رویے سے یہی تو کہتا ہے کہ وہ دوزخ جانے کو تیار ہے؟ اے نفس، تو ہے جو دوزخ جانے پر تیار نہیں، مگر نصیحت سننے پر بھی آمادہ نہیں! دیکھ اگر نصیحت سننا مشکل ہے تو تہجد اور قیام اللیل سے مدد لے لے۔ پھر بھی دل ساتھ نہ دے تو روزوں کا معمول بڑھا لے۔ پھر بھی افاقہ نہیں ہوتا تو لوگوں کے ساتھ ہر وقت گھلے ملے رہنا کم کر لے۔ پھر بھی دل نرم نہ تو کہیں یتیموں کو ڈھونڈ اور ان پر شفقت کر۔ صلہ رحمی سے مدد لے۔ کسی بھی نیک عمل سے فرق نہ پڑے اور دل کی سختی ہر صورت ہی باقی رہے تو سمجھ لے کہ گناہوں کی کوئی بہت ہی موٹی تہہ چڑھ چکی ہے اور خدا نے اس کے باعث دل پہ قفل چڑھا دیے ہیں۔ پس اگر نصیحت کا کوئی اثر تجھ پر ہوتا ہی نہیں تو اے نفس اپنے آپ کو دوزخ کیلئے تیار کر لے اور سمجھ لے کہ سیاہ بختی کی ایک علامت تجھے یہیں اِسی دنیا میں دِکھا دی گئی، تا کہ اگلے جہان میں تجھ کو اپنے انجام پر تعجب نہ ہو۔ خدا نے جنت اگلے جہان میں پیدا کی ہے پر جنت جانے والی شکلیں یہاں پیدا کر رکھی ہیں۔ دوزخ اگلے جہان میں بنائی پر دوزخ کی اہل صورتیں یہاں پیدا کر رکھی ہیں۔ ہر کوئی جس چیز کیلئے پیدا کیا گیا اسی کیلئے سہولت پاتا ہے۔

اور اگر کسی صورت نصیحت کو تیرے اندر اترنے کا راستہ ملتا ہی نہیں تو پھر اپنے آپ سے مایوس ہو جا اور سمجھ لے دروازے بند ہیں۔ مایوسی البتہ کفر ہے اور کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ۔ ایسی بدبختی سے خدا کی پناہ۔ مومن کا شیوہ بجا طور پر یہی ہے کہ وہ رجاء اور امید سے کسی وقت دستکش نہ ہو۔ پر یہ جان لے کہ خدا سے رجاء اور امید ہونا اسی وقت معتبر ہے جب تو اپنے دل پر سب کے سب خیر کے دروازے بند نہ پائے۔ ہاں جب خیر کو کوئی راستہ تیرے دل میں اترنے کیلئے نہ ملتا ہو اور تو پھر بھی سمجھے کہ تو رجاء اور

امید کی نعمت سے مالا مال ہے تو یہ رجاء نہیں بلکہ علمائے قلوب کے ہاں یہ 'اغترار' یا 'غرور' کہلاتا ہے۔ اس کو 'فریب پسندی' کہا جاتا ہے۔ پس تو اپنا جائزہ لے لے کیا اس مصیبت پر جس میں تو مبتلا ہے تیرا دل دُکھتا ہے؟ کیا تیرے اپنے اوپر ترس کھا کر تیری آنکھ کوئی آنسو لے آنے کی روادار ہوتی ہے؟ اگر یہ نظر آئے کہ تیری آنکھ اپنی اس حالت پہ آنسو لے آنے سے ابھی عاجز نہیں ہوئی تو خوش ہو جا اور سمجھ لے یہ ایک قطرہ جو تیری آنکھ کو نصیب ہوا اِس کے پیچھے خدا کی رحمت کا ایک بحر ہے۔ تب سمجھ لے کہ امید اور رجاء کی بڑی گنجائش ہے۔ تب تو، رونا اور اپنی حالت پہ آنسو بہانا اپنا معمول بنا لے۔ اُس ذات سے اور بھی مدد مانگ جو ارحم الراحمین ہے۔ اپنی عاجزی اور بے بسی کا شکوہ اس ذات کے پاس اور بھی کر، جو کہ اکرم الاکرمین ہے۔ اُس سے فریاد کرنے میں ہرگز کوئی کمی مت کر اور اس سے یہ خیر مانگنا اپنا معمول بنا لے۔ اپنا حال اس سے خوب کھل کر کہہ۔ اُس کے آگے اپنی حالت کے رونے رونے سے ہرگز عاجز نہ ہو۔ اور تیری مناجات اس کے حضور طویل ہو جائے تو اس کو گراں مت جان۔ کیا بعید وہ تیری رونی صورت پہ ترس کر لے اور تیری فریاد رسی کا فیصلہ فرما لے۔ آخر تیری یہ مصیبت کوئی چھوٹی مصیبت تھوڑی ہے۔ تیری آزمائش ایک بڑی آزمائش ہے۔ یہاں تیرے انجام کا سوال درپیش ہے۔ تجھے کسی اور کی نہیں اپنی ہی زیادتی کا سامنا ہے اور تو نے اپنے ہی اوپر ظلم کمایا ہے۔ یہاں تیری مدد اُس ذات کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ تیرے سب حیلے جواب دے چکے۔ سب اسباب ساتھ چھوڑ چکے۔ تیرے پاس کوئی چارہ نہیں رہ گیا، تیرا کوئی فریاد رس اور کوئی جائے پناہ باقی نہیں، سوائے تیرے مالک کے۔ اُس کی امان میں چلا جا اور اُس کی پناہ میں آ جا۔ اُس کے آگے گریہ کر، وہی تیری حالت پہ رحم کر سکتا ہے۔ اپنے اس گریہ اور بے بسی کے اظہار میں اتنا ہی خشوع اختیار کر جتنی بڑی تجھ سے نادانی ہوئی ہے اور جتنے تجھ سے گناہ ہوئے ہیں۔ اُس کے پاس جو ذلت اختیار کر کے آئے اور اُس کے حضور جو اپنی بے بسی بتائے، ممکن نہیں وہ اس پر رحم نہ کرے۔ بے یار و مددگار کی فریاد رسی کرنا اُس کی

دائمی شان ہے اور مضطر کی دعا قبول فرمانا اس کی ہمیشگی صفت۔ تیرے سب اسباب جواب دے گئے ہیں اور تو اپنے ہی اوپر حد سے بڑھ کر بے رحم ہو چکا ہے اور تیرا دل خیر کا اثر لینے کے معاملے میں تیرا ساتھ چھوڑ چکا ہے اور سب نصیحتیں تجھ پر بے کار چلی گئی ہیں تو وہ ذات جس سے تو اس خیر کا سوال کر سکتا ہے یہ سب خیر اور یہ سب نعمتیں اپنے پاس رکھتی ہے اور دینے میں حد سے بڑھ کر کریم ہے۔ تو جس ذات سے فریاد کرنے جا رہا ہے، احسان اس کی صفت ہے اور مانگنے والے کو خالی لوٹانا اس کی شان کے منافی۔ اُس سے مانگ کر تو کبھی گھاٹے میں نہ رہے گا۔ کیا تو سوچ سکتا ہے کہ جو چیز بھی تیرے تصور میں آئے اُس ذات کی رحمت اس پر وسیع ہے۔ پھر تیرے گناہ کیا ہیں جو وہ معاف نہ کرے اور تجھے بخش کر اپنے ہاں پزیرائی نہ دے؟! سمندر کی موجیں کیا ہیں اس کے کرم کی ٹھاٹھوں کے آگے؟! اُس کی بخشش کی کوئی حد نہیں۔ اُسے پکار۔ کہہ: اے وہ ذات جس سے بڑھ کر کوئی مہربان نہیں! اے رحمٰن! اے رحیم! اے وہ ذات جس کی صفت درگزر کر دینا ہے! عظمت کے مالک! اے کریم ہستی! مجھ سے قصور ہوئے ہیں۔ گناہوں پہ گناہ ہوئے ہیں۔ تیرے سامنے جرأت ہوئی ہے۔ بدی کا رَسیا ہو گیا ہوں اور اس سے ٹلتا نہیں۔ تیری نافرمانی میں بڑھتا جاتا ہوں اور تیری شرم کرنے سے عاری ہو گیا ہوں۔ اے مہربانوں سے بڑھ کر مہربان! خیر سے تہی دست ہوں، تجھ سے بھیک مانگتا ہوں۔ مجھ پر فضل کر دے۔ بے چارہ ہوں۔ بے حیلہ اور ناچیز ہوں۔ غرق ہونے کو ہوں۔ تو نے نہ تھاما تو برباد ہی برباد ہوں۔ خدایا! مجھے سہارا دے اور میری اس حالت سے مجھے چھٹکارا دلا۔ مجھے اپنی رحمت کے آثار دیکھنے کو اور اپنے کرم کے ثمر چکھنے کو نصیب کر۔ اے بخشش کرنے والی ذات، تیرے عفو کا سوالی ہوں، وہ عفو جسے تو نے اپنے گناہگار بندوں کیلئے ہی رکھا ہے۔ تیری مغفرت و بخشش کیلئے تیرے آگے ہاتھ پھیلاتا ہوں، وہ بخشش جس کو لٹانا تجھے عزیز ہے اور میری یہ ضرورت۔

(استفادہ از: احیاء علوم الدین مؤلفہ امام غزالی، فصل توبیخ النفس و معاتبتھا ص: ۴۱۷-۴۲۲)

خوفاً وطمعاً

بخدا یہ باتیں خدا کی کتاب میں اور اُس کے رسولؐ کی زبان پر نہ آئی ہوتیں تو ڈرنے کی بات نہ تھی، بلکہ تو ہم یقین ہی نہ کرتے۔ مگر اللہ اور اُس کے رسولؐ سے بڑھ کر سچا کون ہے؟!

ذرا تصور کرو اگر تم توبہ کے بغیر مر جاتے ہو اور 'وہاں' پہنچ جاتے ہو جس سے صبح شام خدا کی پناہ مانگنا خدا کو جاننے والوں کا معمول ہے.. خدا کا عذاب سہنا کس کے بس کی بات ہے؟

> "اس کو وہ گھونٹ گھونٹ پیئے گا مگر گلے سے نہیں اتار سکے گا۔ ہر طرف سے اسے موت آرہی ہوگی مگر وہ مرنے میں نہیں آئے گا۔ ابھی سخت عذاب پیچھے پڑا ہے"

(ابراہیم:۱۷)

> "جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں۔ گھسیٹے جا رہے ہوں گے، کھولتے ہوئے پانی میں، پھر آگ میں دہکائے جائیں گے"

(مؤمن: ۷۱-۷۲)

> "جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹائے پلٹائے جائیں گے، کہتے جا رہے ہوں گے 'اے کاش ہم نے اللہ کی بات مانی ہوتی، ہم نے رسول کی بات مانی ہوتی'"!

(الاحزاب:٦٦)

”کھانا نصیب نہ ہوگا بجز خاردار جھاڑ کے، جو نہ فربہی لائے اور نہ بھوک میں کام دے“

(الغاشیہ:٦-٧)

”وہ (پیاس سے) فریاد کریں گے تو ان کی فریادرسی ایک ایسے پانی سے ہوگی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہو، مونہوں کو بھون ڈالے گا۔ کیا ہی برا پانی ہوگا۔ کیا ہی بری جگہ ہے وہ ٹھہرنے کی!“

(الکہف:٢٩)

”پینے کے لئے کھولتا ہوا پانی ملے گا جو ان کی انتڑیاں کاٹتا جائے گا“

(محمد:١٥)

”ان کے لئے اوپر سے آگ کے سائبان، نیچے سے آگ کے محیط شعلے، یہ ہے وہ عذاب جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، تو اے میرے بندو مجھ سے ڈر جاؤ“

(الزمر:١٦)

”اور اس دن تم مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہیں، ان کے کرتے گندھک کے، اور ان کے مونہوں کو آگ لپٹ رہی ہے“

(ابراہیم:٤٩-٥٠)

”جنہوں نے مان کر نہیں دیا اُن کیلئے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے (اور) اُن کے سروں پر کھولتا ہوا پانی چھوڑا جائے گا۔ اس سے ان کے پیٹ میں اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی۔ اور اُن (کو مارنے ٹھوکنے) کیلئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔ جب وہ گھٹن سے بھاگ کر سے دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اُسی میں لوٹا دیئے جائیں گے کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو“

(الحج:١٩-٢٠)

''بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا، عنقریب ہم ان کو ایک آگ میں ڈالیں گے۔ جونہی ان کی کھالیں پک جائیں ہم ان پر نئی کھالیں چڑھا دیں گے، تاکہ وہ عذاب چکھتے ہی رہیں''

(النساء:٥٦)

''اور وہ اس میں چیختے جا رہے ہوں گے: اے ہمارے پروردگار، ہمیں نکال لے، اب ہم اچھے عمل کریں گے، برخلاف ان عملوں کے جو ہم کرتے رہے تھے۔ (جواب آئے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی زندگی نہ دے دی تھی کہ جس نے سمجھنا ہوتا وہ سمجھ جاتا، اور (سمجھانے کو) تمہارے پاس ایک ڈرانے والا بھی تو آیا تھا۔ تو اب چکھو، ایسے ظالموں کا (یہاں) کوئی مددگار نہیں''

(فاطر ٣٧)

''کہیں گے: اے ہمارے پرودگار، ہم پر ہماری کمبختی پڑ گئی اور ہم بھٹکے ہوؤں میں سے ہو گئے۔ اے ہمارے پروردگار بس (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال لے اگر ہم پھر ایسا کریں تو ہم پورے قصوروار ہیں۔ اللہ کہے گا: اِسی (جہنم) میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو''

(المؤمنون ١٠٦-١٠٨)

''وہ (دوزخ کے داروغے کو) پکاریں گے: اے مالک تیرا پروردگا ہمیں موت ہی دے دے۔ وہ کہے گا: تم ہمیشہ اِسی حال میں رہو گے''

(الزخرف ٧٧-٧٨)

''اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا اس پر سے گزر نہ ہو۔ یہ تمہارے رب پر لازم ہے اور پوری ہو کر رہنے والی ہے۔ پھر ہم ان لوگوں کو بحفاظت پار

لگا دیں گے جو (یہاں اپنے پرودگار) سے ڈر ڈر کر رہتے تھے، اور ظالموں کو اسی میں چھوڑ دیں گے، گھٹنوں کے بل گرے ہوئے''

(مریم:۷۱-۷۲)

''جب وہ دن آئے گا، کوئی شخص خدا کی اجازت کے بغیر بات بھی نہ کر سکے گا۔ تب کوئی ان میں سے بد بخت نکلے گا تو کوئی خوش بخت۔ سو جو بد بخت نکلیں گے وہ دوزخ میں ہوں گے، اس میں ان کا کام چلاّ نا اور دھاڑنا ہوگا۔ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے کہ جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں اسی میں رہیں گے، سوائے جو خدا ہی کو منظور ہو۔ بے شک تیرا رب جو چاہے کر دیتا ہے۔

اور جو خوش بخت نکلیں گے، وہ جنت میں ہوں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے کہ جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں اسی میں رہیں گے، سوائے جو خدا ہی کو منظور ہو۔ یہ ہوگی خدا کی دین جس کو کوئی انقطاع نہیں''

(ہود:۱۰۵-۱۰۸)

بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اور ہم نے ایسے ہی شخص کیلئے جو قیامت کو جھوٹ سمجھے ایک دہکتی آگ تیار کی ہے۔ جب وہ اِن کو دور ہی سے دیکھ لے گی تو یہ اُس کا غیظ اور اُس کی چنگھاڑ سنیں گے۔ اور پھر جب وہ مشکیں باندھ کر اس میں تنگ جگہ کے اندر ڈال دیے جائیں گے تو وہاں وہ موت موت پکاریں گے۔ آج ایک موت کو نہ پکارو بہت سی موتوں کو پکارو!

پوچھو، یہ (انجام) بہتر ہے یا جنتِ خلد جس کا کہ خدا سے ڈر جانے والوں کے ساتھ وعدہ ہو چکا ہے؟ وہی ان کا صلہ بنے گی اور وہی ان کا رہنے کا ٹھکانہ! وہاں ان کے لئے وہ سب میسر ہوگا جس کی بس وہ چاہت

کرلیں، اور وہ جاودانی پا کر رہیں گے۔ یہ ایک وعدہ رہا، جو تیرے رب پہ لازم ہے اور قابلِ درخواست ہے'' !!!

(الفرقان:۱۱-۱۶)

☆☆☆☆☆

''جو متقی ہیں وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ داخل ہو جاؤ ان میں سلامتی کے ساتھ، بے خوف۔ ان کے دلوں میں جو کوئی کدورت ہوگی ہم نے وہ سب صاف کر دی ہوگی۔ بھائی بن رہیں گے۔ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے۔ نہ ان کو وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ان کو کبھی وہاں سے نکلنا ہوگا۔

خبر کر دو میرے بندوں کو: میں بڑا ہی بخشنے والا ہوں، ہر دم مہربان۔ اور یہ کہ میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے''

(الحجر:۴۵-۵۰)

''میرے بندو! آج تمہیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمناک ہوگے۔ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لے آئے تھے اور فرماں برداری اختیار کر گئے تھے۔

داخل ہو جاؤ بہشت میں تم بھی اور تمہاری ازواج بھی، خوش بخوش !!!

سونے کے طشت اور پیالے ہوں گے جن سے ان کی تواضع ہو رہی ہوگی، اس (بہشت) میں وہ کچھ ہے جو نفس خواہش کریں اور جو آنکھوں کو سرور دے۔ اب تم یہاں ہمیشہ رہو گے!

یہ ہے وہ جنت جس کے تم مالک کر دیے گئے ہو، تمہارے اعمال کے صلے میں! تمہارے لئے یہاں میوے ہی میوے ہیں، جنہیں تم کھاتے رہو گے!!

(الزخرف:۶۸-۷۳)

''بشارت دے دو ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل صالح کرنے لگے، کہ ان کیلئے باغات ہیں، جن کے نیچے ندیاں بہتی ہیں۔ جب بھی اس میں کا کوئی

میوہ ان کے تناول کیلئے پیش کیا جائے گا، وہ کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی کھانے کو ملا تھا، جبکہ (ہر بار ہی) ان کی خدمت میں ملتی جلتی چیزیں لائی گئی ہوں گی! وہاں ان کے لئے پاکیزہ ازواج ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ قیام کریں گے!"

(البقرۃ:۲۵)

"(ادھر دوزخیوں کا یہ حال ہوگا تو ادھر) خدا سے ڈر کر رہنے والے امن کی جگہ پر ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں۔ باریک دبیز ریشم پہنے ہوئے آمنے سامنے نشست سرا ہوں گے۔(ہاں) بالکل ایسا ہی ہوگا۔ اور گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں کو ہم ان کی شرکتِ حیات میں دے دیں گے۔ بے خوف وخطر، وہاں وہ ہر ہر قسم کے میوے فرمائش کریں گے۔ وہاں ان کو موت نہ چکھنا ہوگی سوائے وہ ایک موت جو وہ پہلے مر چکے۔ اور جبکہ اللہ نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا ہوگا۔ ہوگا یہ تیرے رب کے فضل سے۔ یہی عظیم کامیابی ہے!

(الدخان:۵۱-۵۷)

'سابقین (کا تو کیا ہی کہنا) وہ تو ہیں سابقین! وہ ہیں قرب والے! وہ نعمت کے بہشتوں میں ہوں گے۔ وہ بہت تو اگلوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے۔ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے (یا لعل و یاقوت سے جڑے ہوئے) تختوں پر آمنے سامنے تکیہ لگائے ہوں گے۔ لافانی خدمت گار لڑکے ان کے آس پاس پھریں گے، آبخورے لئے ہوئے، اور آفتابے، اور ایسے جام جو بہتی شراب سے بھرے گئے ہوں گے۔ جس سے نہ ان کو دردِ سر ہو اور نہ عقل کا فتور لاحق ہو۔ اور میوے جن سے وہ چن چن کر اٹھائیں گے۔ اور پرندوں کا گوشت، جس نوع کی وہ اشتہا کرلیں گے۔ اور گوری گوری ٹیاریں۔ (ایسی نازک اندام) جیسے (حفاظت سے) تہ کئے ہوئے (آبدار) موتی۔ یہ

ہوگا صلہ ان کے اعمال کا۔ وہاں نہ وہ بک بک سنیں گے اور نہ گناہ کی بات۔ (ہر جانب سے) سلام ہی سلام کہے جا رہے ہوں گے!!!

''اور داہنے ہاتھ والے تو (سبحان اللہ) داہنے ہاتھ والے ہیں! یہ اس جگہ ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہیں۔ تہ بہ تہ کیلے۔ لمبے لمبے سائے۔ پانی کے جھرنے۔ اور میوے کہ بکثرت! جو نہ ختم ہوں اور نہ ان کے کھانے سے کوئی روک ٹوک۔ اور اونچے اونچے فرش لگے ہوں گے۔ ہم نے وہاں شاہکار حوریں پیدا کر رکھی ہیں۔ ہم نے ان کو ایسا بنایا جو رہیں ہی کنواریاں۔ محبوبائیں۔ ہم عمر۔ یہ سب داہنے ہاتھ والوں کیلئے! (یہ) بہت سے اگلوں میں سے ہیں اور بہت سے پچھلوں میں سے''

(الواقعہ:۱۰-۴۰)

''نیکوکار بڑی ہی آسائش میں ہوں گے۔ تختوں پہ براجمان، مصروفِ نظارہ ہوں گے۔ آسائش کی تازگی ان کے چہروں سے نظر آئے گی۔ پینے کیلئے اُن کو شرابِ خالص پیش کی جائے گی، سربمہر، جس کی مہر مشک کی ہوگی۔ یہ ہے وہ چیز کہ جان لڑانے والوں کو چاہیے اس کیلئے جان لڑا دیں...... اس میں مشروبِ تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ وہ ایک چشمہ ہے جس سے (اللہ کے) مقرب (جی بھر کر) پئیں گے!''

(المطففین:۲۲-۲۸)

روایت ابوسعید خدریؓ سے، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

اللہ بہشت میں رہنے والوں سے اللہ ہم کلام ہوگا: اے بہشت والو! وہ جواب دیں گے: لبیک اے خدایا، تجھے سننا ہماری سعادت! سب خیر تیرے ہی ہاتھوں میں ہے! تب وہ فرمائے گا: کیا تم راضی ہوئے؟ جنتی بولیں گے: پروردگارا! کیا ہم راضی نہ ہوں گے تو نے ہمیں وہ کچھ دیا جو اپنی مخلوق میں سے کسی

کو نہ دیا! تب وہ فرمائے گا: کیا تمہیں اس سے بھی بڑھ کر ایک چیز عطا نہ کروں؟ جنتی عرض کریں گے: اس سے بڑھ کر چیز کونسی؟ وہ فرمائے گا: تم سے میرا خوش رہنا اب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہوا، اب تا ابد میں تم سے ناخوش نہ ہوں گا!!!!!‘‘

(متفق علیہ)

جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، کہا:

ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ آپؐ نے چاند کی طرف دیکھا، جو کہ ماہِ تمام تھا۔ تب آپؐ نے فرمایا: یقیناً تم اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے، ویسے ہی جیسے تم اس چودھویں کے چاند کو دیکھ رہے ہو، اُس کے دیدار میں ہرگز کوئی مشقت نہ پاؤ گے‘‘

(متفق علیہ)

صہیبؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو چکیں گے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: کیا کچھ مزید چاہتے ہو کہ میں تمہیں عطا کروں؟ جنتی عرض کریں گے: کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیے؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں نہیں پہنچا دیا اور کیا تو ہمیں دوزخ سے نہیں بچا لایا؟ تب پروردگار عالم حجاب ہٹا دے گا!!!!!! تب یہ عالم ہوگا کہ کوئی چیز جو ان کو مل چکی ان کو خدا کا دیدار کرنے سے زیادہ محبوب نہ رہے گی!!!!!!‘‘

(صحیح مسلم)

انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جنت میں ایک بازار ہے، جہاں سب جنتی جمعہ کے جمعہ آیا کریں گے۔ وہاں یوں ہوگا کہ بادِ شمال کا جھونکا آئے گا اور اور ان کے چہروں اور ان کی پوشاک پر (جنت کی گرد) ڈال جائے گا، جس سے ان کا حسن اور جمال اور بھی

بڑھ جائے۔تب وہ گھر والوں کے پاس لوٹیں گے، جبکہ حسن اور جمال میں اور بھی بڑھے ہوئے ہوں گے تو ان کے اہل خانہ ان سے کہیں گے: بھئی واللہ! آپ تو پہلے سے کہیں زیادہ خوبرو ہو گئے! وہ کہیں گے: بھئی واللہ! تم بھی تو ہمارے بعد کہیں زیادہ حسین ہو چکے ہو!''

(صحیح مسلم)

☆☆☆☆☆

روایت ابو ہریرہؓ سے، کہا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

''جب اللہ بندوں کے مابین فیصلے کر ڈالے گا، اور ارادہ فرمائے گا کہ دوزخیوں میں سے اپنی رحمت کے ساتھ جسے نکالنا چاہے نکال لے، تو فرشتوں کو حکم فرمائے گا کہ وہ لا الہ الا اللہ کہنے والوں میں سے ہر شخص کو جہنم سے نکال لیں جس پر اللہ رحم فرمانا چاہتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا تھا۔تب فرشتے ان کو سجدوں کے نشانات سے پہچانیں گے۔آگ نے ابن آدم کا کچھ نہ چھوڑا ہوگا سوائے سجدے کے نشان کے۔اللہ نے آگ پر حرام کر کھا ہے کہ وہ سجدے کے نشان کی جگہ کو کھا جائے۔تو پھر وہ دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ جبکہ حال یہ ہوگا کہ وہ جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے۔تب ان پر آبِ حیات انڈیلا جائے گا، جس سے وہ یوں اُگ آئیں گے جیسے سیلاب کی رو سے ایک دانہ اگ کھڑا ہوتا ہے۔پھر جب اللہ بندوں کے مابین فیصلے سرے لگا چکا ہوگا، جبکہ ایک آدمی ابھی جہنم رخ منہ کئے پڑا ہوگا، اور یہ جنت میں داخل ہونے والا آخری جنتی ہوگا۔تب وہ عرض کرے گا: اے میرے رب میرا یہ چہرہ آگ سے دوسری جانب پھیر دے اس کی ہوا مجھے جھلسا چکی، اس کی آنچ مجھے جلا چکی۔تب وہ جب تک اللہ کو منظور ہوگا اللہ کو پکارتا رہے گا۔تب اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: کیا بعید کہ میں یہ کر دوں تو پھر تو مجھ سے اور بھی کچھ سوال کر دے۔وہ عرض کرے

گا: مالک تجھ سے اور کچھ نہ مانگوں گا۔ وہ پروردگار کے آگے بڑے بڑے عہد اور اقرار کرے گا۔ تب اللہ اس کا چہرہ آگ سے دوسری جانب پھیر دے گا۔ اب جب وہ اپنا رخ جنت کی طرف کر لے گا اور جنت اس کو سامنے نظر آنے لگے گی، تو جتنی دیر خدا کو منظور ہوگا چپ سادھ رکھے گا، پھر عرض کرے گا: پروردگار مجھے جنت کے دروازے سے ذارا پاس کر دے! اللہ فرمائے گا: تو نے مجھ سے اتنے سارے عہد اور اقرار نہیں کئے تھے کہ تو اپنی اُس درخواست کے پورا ہو جانے کے سوا مجھ سے کچھ اور سوال نہ کرے گا! کم بخت ابن آدم! کس قدر تو زبان سے پھر جانے والا ہے! وہ کہے گا: میرے پروردگار! یوں وہ اللہ کو پکارتا ہی رہے گا، یہاں تک کہ اللہ فرمائے گا: کیا بعید کہ میں اگر تیرا یہ سوال پورا کر دوں تو تو مجھ سے اس کے علاوہ کچھ سوال کرنے لگے! وہ کہے گا: نہیں، تیری عزت کی قسم! تب وہ اللہ کو اپنے عہد اور اقرار کر کے دے گا۔ تب اللہ اسے جنت کے دروازے کے کچھ پاس کر دے گا۔ اب جب وہ جنت کے دروازے پاس کھڑا ہوگا تو جنت اس کو نظر آنے لگے گی یوں کہ اس کا تو کوئی حدوحساب ہی نہیں! وہ اس میں پائی جانے والی خیر اور سرور کو دیکھے گا۔ تب جتنی دیر خدا کو منظور ہوگا وہ چپ سادھ رکھے گا، پھر کہے گا: اے میرے پروردگار مجھے جنت میں ہی داخل کر دے! اللہ فرمائے گا: تو نے اتنے اتنے عہد اور اقرار نہیں کر رکھے کہ تو مجھ سے اور کچھ نہ مانگے گا؟ کم بخت ابن آدم! تو کس قدر اپنی بات سے پھر جانے والا ہے! وہ عرض کرے گا: اے میرے پرودگار! میں تیری مخلوق میں سب سے بد بخت نہیں رہنا چاہتا!!!!! تب وہ اللہ سے درخواست کرتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ اس کی حالت سے ہنسے گا۔ جب اللہ ہنس دے گا تو فرمائے گا: جا جنت میں چلا جا!

پھر جب وہ جنت میں داخل ہوگا تو اللہ اس سے فرمائے گا: بولو کیا کچھ چاہتے ہو؟ تب وہ اللہ سے مانگتا جائے گا اور اپنی خواہشات بتاتا چلا جائے گا، یہاں تک

کہ پھر اللہ اُسے یاد کروانے لگے گا 'وہ چیز بھی، وہ چیز بھی'! یہاں تک کہ وہ جب اپنی سب آرزوئیں بتا چکے گا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ سب تیرا ہوا اور اس جتنا ہی اور بھی!

ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث روایت کی تو ابو سعید خدریؓ (انہیں یاد دلانے کیلئے) کہا: ''ابو ہریرہ! جتنا اس نے مانگا اس کے ساتھ دس گنا اور بھی''۔ ابو ہریرہؓ نے جواب دیا: ''مجھے تو 'اتنا ہی ساتھ اور' کا لفظ یاد ہے''۔ ابو سعید خدریؓ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو بات یاد کی وہ یہ کہ (اللہ اس سے کہے گا): ''جا یہ تیرا ہوا اور اس کے ساتھ دس گنا اور بھی!''

ابو ہریرہؓ نے کہا: اور یہ جنت میں داخل ہونے والا آخری آدمی ہوگا!

(صحیح مسلم)

روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

''آخری آدمی جو جنت میں داخل ہوگا.. چلتے ہوئے بار بار اوندھے منہ گرتا ہوگا، اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد آگ کی لپٹ سے جھلستا ہوگا۔ یہاں تک کہ جب وہ آگ کی زد سے نکل جائے گا، تو اس کی جانب مڑ کر دیکھتے ہوئے بولے گا: برکت اس ذات کی جس نے مجھے تجھ سے نجات دلائی۔ خدا نے مجھ پر وہ فضل کر دیا جو نہ کبھی پہلے کسی پر کیا ہوگا اور نہ بعد میں! یہاں تک کہ اب اس کو ایک سرسبز درخت نظر آئے گا! کہنے لگے گا: میرے مالک، مجھے اس درخت کے قریب کر دے تاکہ میں اس کے سائے میں آرام کرلوں اور اس کے پانی سے اپنی پیاس بجھالوں! اللہ اس سے کہے گا: آدم کے بچے! اگر میں تیری یہ درخواست پوری کر دوں تو کیا بعید تو مجھ سے کچھ اور مانگنے لگے! کہے گا: نہیں اے پروردگار! وہ خدا سے وعدے کرے گا کہ اُس سے اس کے علاوہ کچھ نہ مانگے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جبکہ رب تعالیٰ اس کو عذر دیتا ہوگا کہ

جانتا ہے اس کو اس پر ضبط ہی نہیں! تب اللہ اسے اس درخت کے قریب کردے گا۔ جس سے وہ سایہ پائے گا اور پانی لے کر پئے گا۔ تب اسے ایک اور درخت نظر آنے لگے گا جو اس سے زیادہ عمدہ ہے۔ تب وہ کہنے لگے گا: پرودگا یہ والا درخت! اجازت ہو تو وہاں سے پانی پیوں اور وہاں سے سایہ پاؤں، اس کے بعد اور کچھ نہ مانگوں گا! اللہ فرمائے گا: آدم کے بچے! تونے مجھ سے وعدہ نہ کیا تھا کہ تو کچھ اور نہ مانگے گا۔ میں تجھے اگر اس سے بھی قریب کردوں تو کیا بعید تو مجھ سے کچھ اور مانگنے لگے! وہ خدا سے وعدے کرے گا کہ اُس سے اس کے علاوہ کچھ نہ مانگے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس کو عذر دیتا ہوگا کہ جانتا ہے اس کو اس پر ضبط ہی نہیں! تب اللہ اسے اس درخت کے قریب کردیتا ہے۔ جس سے وہ سایہ پاتا ہے اور پانی لے کر پیتا ہے۔ تب اسے جنت کے دروازے کے پاس ایک درخت نظر آنے لگتا ہے جو کہ ان پہلے دونوں درختوں سے بھی کہیں بڑھ کر عمدہ ہے۔ تب وہ کہنے لگے گا: پرودگار! مجھے اس درخت کے قریب کردے کہ وہاں سے پانی پیوں اور وہاں سے سایہ پاؤں، اس کے بعد اور ہرگز نہ مانگوں گا! اللہ فرمائے گا: آدم کے بچے! کیا تونے مجھ سے وعدہ نہ کیا تھا کہ تو کچھ اور نہ مانگے گا؟ کہے گا: کیوں نہیں اے خدایا! بس یہ ایک بار! پھر تجھ سے کچھ نہ مانگوں گا! اللہ فرمائے گا: میں تجھے اگر اس سے بھی قریب کردوں تو کیا بعید تو مجھ سے کچھ اور مانگنے لگے! وہ خدا سے وعدے کرے گا کہ اُس سے اس کے علاوہ کچھ نہ مانگے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس کو عذر دیتا ہوگا کہ جانتا ہے اس کو اس پر ضبط ہی نہیں! تب اللہ اسے اس درخت کے قریب کردے گا۔ جہاں سے وہ اہل جنت کی آوازیں سنے گا۔ تب وہ کہے گا: خدایا مجھے جنت کے اندر چلا جانے دے! اللہ فرمائے گا: آدم کے بچے! تو مانگنے سے نہیں رکے گا! کیا تو خوش ہے کہ میں تجھے دنیا اور اسی جتنی اور دے دوں؟ وہ کہے گا: مالکا! کیا تو مجھ سے مذاق کررہا ہے، تو

تو رب العالمین ہے؟ وہ فرمائے گا: میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا، میں تو جو چاہوں اُس پر قدرت رکھتا ہوں''

(مسند احمد، صحیحہ الالبانی والارنؤوط)

مسلم کی ایک حدیث میں یہ لفظ بھی آتے ہیں:

''اس سے کہا جائے گا: جا جنت میں چلا جا۔ وہ کہے گا: اے پروردگار! کیسے؟ سب لوگ اپنی اپنی جگہ لے کر بیٹھے ہیں اور اپنی اپنی عطا لئے بیٹھے ہیں۔ تب اسے کہا جائے گا: کیا تو خوش ہے کہ دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کی بادشاہی کے برابر تجھے مل جائے؟ وہ کہے گا: بڑا خوش ہوں، پروردگار! پروردگار فرمائے گا: یہ تیرا ہوا، اتنا ہی اور، اتنا ہی اور، اتنا ہی اور، اتنا ہی اور۔ اب پانچویں بات پر وہ کہے گا: خدایا میں خوش ہی خوش ہوں!!! پروردگار فرمائے گا: یہ تیرا ہوا، اس کے ساتھ اس کا دس گنا اور، اور تجھے یہ بھی عطا کیا جاتا ہے: کہ جو تیری نفس خواہش کرلے اور جس سے تیری آنکھ لطف پائے وہ تجھے ملے''

(صحیح مسلم: اس بات کا بیان کہ جنتیوں میں جو سب سے کم ہوگا اس کی منزلت کیا ہوگی)

رغائب

''میرے بندے،
میرے بارے میں پوچھیں......!!!''

''ابن آدم! جب تک کہ تو مجھ کو پکارنے والا رہے اور مجھ سے امید وابستہ رکھے، میں تجھے معاف کرتا ہی رہوں گا، چاہے تجھ سے جو بھی ہوتا رہا ہو، اور (تجھے بخشتے ہوئے) پروا تک نہ کروں گا.. ابن آدم! تیری خطائیں اگر کبھی آسمان کی بلندیوں کو بھی پہنچ جائیں، پھر تو مجھ سے معافی مانگ لے تو میں تجھے معاف کردوں اور پروا تک نہ کروں۔ ابن آدم! اگر تو زمین برابر خطائیں لے کر بھی میرے پاس آئے اور مجھ سے ملے اس حالت میں کہ تو نے میرے ساتھ کچھ شرک نہ کیا ہو، تو میں اتنی ہی مغفرت کے ساتھ تیرا سامنا کروں''

(ترمذی، مسند احمد، صححہ الالبانی)

''اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں پوچھیں، تو میں بہت ہی قریب ہوتا ہوں؛ میں جواب دیتا ہوں پکارنے والے کی پکار کا، جب بھی وہ مجھے پکارے!!! تو چاہیے کہ وہ میری پکار سنیں اور مجھ پر ایمان رکھیں؛ تا کہ راہِ راست پائیں''

(البقرۃ:۱۸۶)

''ایک بندہ گناہ کر بیٹھا۔ کہنے لگا: 'پروردگارا! میں نے گناہ کرلیا ہے، تو مجھے معاف کردے'۔ اس کا پروردگار بولا: ''تو کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جو گناہ پر معافی دے اور چاہے تو پکڑ لے؟ میں نے اپنے بندے کو معاف کیا''۔ پھر جتنی دیر خدا کو منظور ہو، ایسے ہی رہتا ہے۔ پھر وہ دوبارہ گناہ کر بیٹھتا ہے، تو پھر کہنے لگتا ہے: 'مالکا! پھر گناہ کر بیٹھا ہوں، مالکا! معاف کردے'۔ مالک نے فرمایا: ''تو کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہ پر معافی دے یا پکڑ لے؟ میں نے اپنے بندے کو معاف کیا''۔ پھر جتنی دیر خدا کو منظور ہو، ایسے ہی رہتا ہے۔ وہ پھر گناہ کر بیٹھتا ہے، تو پھر کہنے لگتا ہے: مالکا! پھر گناہ کر بیٹھا ہوں، معافی دے دے'! مالک نے فرمایا: ''تو کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ پر معاف کرے یا پکڑ لے؟ میں نے اپنے بندے کو معاف کیا۔ تو پھر جتنی دیر وہ چاہے (ایسا) کرتا رہے''!!!!!

(صحیح بخاری)

''اور تمہارے رب نے تو کہہ دیا ہے: مجھے پکارو، میں تمہاری سنوں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبدیت سے سرکشی کریں وہ ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے''

(المؤمن:٦٠)

''کیا برکت والا ہے اللہ، سارے جہاں کا آقا......

''پکارا کرو اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے، بے شک وہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا......

''اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد پیدا نہ کرو، اور پکارا کرو اُسے ڈر سے اور لالچ سے، اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہی رہتی ہے''۔

(الأعراف:٥٤-٥٦)

'سید الاستغفار یہ ہے کہ تم کہو:

الٰہا! تو ہی میرا پروردگار! نہیں کوئی پوجا کے لائق، سوائے تو! تو میرا خالق! میں تیرا بندہ! جہاں تک میرا بس چلے، میں تیرے عہد اور تیرے وعدے کا پابند رہوں! اپنے کرتوتوں کے شر سے تیری پناہ چاہوں! اقرار کرتا ہوں کہ تیری مجھ پر نعمتیں ہی نعمتیں ہیں! اقرار کرتا ہوں کہ میرے دامن میں خطائیں ہی خطائیں ہیں! الٰہا! مجھے بخش دے، جانتا ہوں تیرے سوا کوئی بخشتا ہی نہیں''

جو شخص سویر وقت یہ کلمات کہے، دل کے پورے یقین کے ساتھ، وہ اگر شام آنے سے پہلے فوت ہو جائے؛ تو وہ جنتی ہے۔ جو شخص شام وقت یہ کلمات کہے، دل کے پورے یقین کے ساتھ، اگر صبح چڑھنے سے پہلے فوت ہو جائے؛ تو وہ جنتی ہے'

(صحیح بخاری)

''خدا نے مخلوق بنانے سے پہلے ایک دستاویز لکھی ''**بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی**'' اور وہ دستاویز اس کے پاس عرش پر رکھی ہے''

(صحیح بخاری)

''خدا نے جب تخلیق کا کام کر لیا، تو اپنے یہاں دستاویز لکھی، اور وہ اُس کے پاس عرش کے اوپر رکھی ہے: ''**بے شک میری رحمت میرے غضب پر بھاری ہے**''

(متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ کے یہاں قیدی لائے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں قیدیوں میں سے ایک عورت کچھ ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔ جب اس کو ایک بچہ مل جاتا ہے تو اسے اپنے پیٹ کے ساتھ لگا لیتی ہے اور دودھ پلانے لگتی ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مخاطب کیا: کیا خیال کرتے ہو یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دینے والی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں، اللہ کی قسم، جب تک کہ یہ اسے آگ میں نہ پھینکنے پر قدرت پاتی

ہو (ایسا کبھی نہ کرے)۔فرمایا: تو اللہ یقیناً اس اپنے عباد پر اس سے زیادہ ترس کرنے والا ہے جتنی کہ یہ عورت اپنے بچے پر"۔

(متفق علیہ، بروایت عمر بن الخطابؓ)

"اللہ (قیامت کے روز) مومن کو اپنے قریب کرے گا۔اس پر اپنا پردہ ڈال کر اس کو چھپا لے گا، اور پھر پوچھے گا: کیا فلاں گناہ مانتے ہو؟ کیا فلاں گناہ مانتے ہو؟ وہ کہے گا: ہاں میرے پروردگار۔ یہاں تک کہ جب وہ اس سے اسکے گناہوں کا اقرار کرا لے گا اور وہ اپنے دل میں سمجھ بیٹھا ہوگا کہ وہ تو مارا ہی گیا، اللہ فرمائے گا: "میں نے ان گناہوں پر دنیا میں تیرا پردہ رکھا، آج میں تجھے یہ گناہ معاف کرتا ہوں"۔تب اسے اس کی نیکیوں کی دستاویز تھما دی جائے گی۔ رہا کافر اور منافق، تو گواہ بولیں گے 'یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھوٹ بولا' خبردار، ظالموں پر اللہ کی لعنت"

(متفق علیہ، یہ لفظ بخاری کے ہیں)

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم گناہ کرنے والے نہ ہو تو اللہ تمہیں یہاں سے لے جائے اور (تمہاری جگہ) ایسے لوگ لے آئے جو گناہ کریں اور پھر اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اللہ (اس پر) انہیں معاف فرمایا کرے"

(صحیح مسلم)

روایت ابورزینؓ سے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: "ہمارا پروردگار اپنے بندوں کے حالتِ مایوسی کو پہنچ جانے سے ہنستا ہے جبکہ عنقریب ان کی حالت بہتر ہو جانے والی ہو"! میں نے عرض کی: 'کیا پروردگار عز و جل ہنستا بھی ہے'؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: "ہاں"۔تو میں نے کہا: "ہم ایسے رب کے ہاں تو خیر سے خالی نہ رہیں گے جو ہنستا ہے"!!!

(ابن ماجہ، مسند احمد۔البانی نے اسے حسن کہا ہے: سلسلہ صحیحہ حدیث نمبر ۲۸۱۰)

(استفادہ از کتاب الفوائد مؤلفہ ابن القیمؒ)

یَا اَیُّهَا الْاِنسَانُ
مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ☆

ملائکہ کا خیال تھا ہمارا پروردگار جو بھی تخلیق کرنے جارہا ہے، ہم سے بہتر آخر کیا چیز تخلیق کرے گا! مگر کیا دیکھتے ہیں، پروردگار آدم کو پیدا کر لیتا ہے تو احکامات جاری ہوتے ہیں: فرشتے اس کو سجدہ کریں! جی ہاں، سجدہ!!! اب فرشتوں نے جانا کہ یہ 'علم' اور 'معرفت' ہے جس کے دم سے خاک میں یہ جوہر آچکا ہے کہ ایک ایک فرشتہ اس کے آگے سجدۂ تعظیمی بجالائے گا!

پھر جب آدم گناہ کر بیٹھا تو فرشتوں کو شاید ایک بار پھر لگا کہ خاک کے پتلے کی یہ فضیلت جو 'علم' نے اس کو بے تحاشا دلوا رکھی تھی اب ہمیشہ کیلئے جاتی رہی! مگر فرشتوں نے 'توبہ' کے کرشمے تو ابھی دیکھے ہی نہ تھے جو مٹی کی اس مخلوق کو ربِ کریم کی جانب سے بخش دیے گئے! 'توبہ' عبودیت کی وہ خاص صورت ٹھہری جو آدم کے وجود میں کمال حسن کے ساتھ اپنا اظہار کر رہی تھی اور خدا کی رضا و خوشنودی کو آدم کے حق میں بدرجۂ اتم بحال کرا لائی تھی! تب فرشتوں نے جانا کہ کیچڑ سے بنی اس مخلوق کے ساتھ خدا کا کوئی خاص ہی معاملہ ہے!

☆ (الانفطار:٦) ''اے انسان! آخر کس چیز نے تجھے فریب میں ڈال دیا تیرے پروردگار کی بابت، جو کرم کا مالک ہے؟!''

ذرا غور کرو، انسان زمین پر ابھی اترا نہیں کہ اس کی تعیناتی یہاں پہلے ہو جاتی ہے! فرمایا: إِنِّيْ جَاعِلٌ فِيْ الأَرْضِ خَلِيْفَةً ☆ . بلکہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی تعیناتی ہو جاتی ہے۔ اِس کیلئے منصب پہلے پیدا کیا جاتا ہے اور یہ اس کے بعد!

خدا نے آدم کو 'علم' کی دولت سے سرفراز کیا تو مخلوقات اس کے رُوبرو لائی گئیں۔ تب خدا نے 'وَنَحْنُ' ☆ کے دعویدار بھی 'أَنْبِئُوْنِيْ' ☆ کی پیشی پر حاضر کر لئے۔ 'وَعَلَّمَ' ☆ کی شہادت البتہ ان سے روپوش رکھی اور عین وقت پر ہی بھری کچہری میں سامنے آنے دی۔ تب 'دعووں' کے سر نیچے ہو گئے اور 'اعترافِ حق' سامنے آ گیا! آخر 'مرتبہ وفضیلت' کا فیصلہ صادر ہوا اور فرشتوں کی دنیا میں 'اسجدوا' ☆ کی منادی کرائی گئی۔ 'ونحن' ☆ کہہ بیٹھنے والوں نے 'لاعلم لنا' ☆ کے ظرف میں 'اعتذار' کے پانی سے وضو کیا اور 'رضا وتسلیم' کی صورت پاکیزگی پائی۔ مگر ابلیس کہ ذات کا خبیث تھا، الگ تھلگ رہا۔ اس کو 'اعتذار' کی پاکیزگی کہاں نصیب ہوتی کہ 'اعتراض' کی نجاست اٹھائے پھرتا تھا؟! یہ نجاستِ عین تھی جو کسی دھونے سے نہیں جاتی!

اب جب نظامِ ہستی میں کمالِ آدم کی یہ حیثیت طے کرا دی گئی، تو ضروری تھا کہ 'اسجدوا' ☆ کے چہرے پر عجز وانکساری کا ایک تمغہ بھی سجا دیا جائے۔ اب آدم

☆ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِيْ الأَرْضِ خَلِيْفَةً "بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں"

☆ وَنَحْنُ "اور ہم" (مراد ہے فرشتوں کا آدم کی تخلیق کے وقت 'اپنی' اس تسبیح وتقدیس کا ذکر کرنا جو وہ خدا کی تعظیم میں صبح شام کرتے ہیں)

☆ أَنْبِئُوْنِيْ "مجھے بتاؤ تو" (مراد ہے فرشتوں کا امتحان کرنے کیلئے خدا کا ان کو یہ کہنا کہ مجھے ان چیزوں کے نام تو بتاؤ)

☆ وَعَلَّمَ "اور اُس نے سکھا دیا" (مراد ہے اُس نے آدم کو ان ناموں کا علم دے دیا)

☆ اسجدوا "سجدہ کرو" (مراد ہے خدا کا فرشتوں کو حکم دینا کہ 'سجدہ کرو آدم کو')

☆ لاعلم لنا "نہیں ہمیں کوئی علم" (مراد ہے فرشتوں کا یہ کہنا: 'نہیں ہمیں کوئی علم مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا')

سے گناہ سرزد ہوتا ہے تاکہ 'توبہ' کے نتیجے میں اس کی جبین پر عبودیت کی ذلت ایک تا ابد نشان کی طرح بیٹھ جائے!

آدم! تیرا کھایا ہوا وہ لقمہ تجھے اگر یونہی معاف کر دیا جاتا تو تیرے حاسد کہتے: ایک حرص کی ماری ہوئی مخلوق جس کو ایک پیڑ پہ پھل دیکھ کر یارائے ضبط نہ رہا، کیونکر سب پر فضیلت پا گئی! تجھے جنت میں ہی چھوڑ دیا گیا ہوتا تو بلندیوں کے مسافر کیونکر اپنا آپ بتاتے اور عظیم نفوس کے مالک کیونکر جانے جاتے؟! 'کیا کوئی ہے جو مانگے اور میں اس کو دوں' کی منادیِ نیم شب اِس تسلسل کے ساتھ پھر کیونکر ہوتی؟! 'روزے دار کے منہ کی بو' عرش والے کے ہاں اپنی قدر کیونکر پاتی؟!

آدم! جنت میں تیرا ہنسنا تیرا مسئلہ تھا یہاں تیرا توبہ کے آنسو رونا اب ہمارا مسئلہ! اس شخص کو کیا پروا جو میرے جلال کے آگے مات کھا جائے اور پھر میرا فضل اس کی سب تلافی کر دے! میری بخشی ہوئی خلعت فاخرہ، انکساری کے بدن پر ہی سجنے کیلئے تو ہے! کوئی مجھے ڈھونڈے تو ان دلوں کے آس پاس جو میری خاطر ٹوٹے ہوں!

وہ ایک لقمہ جو کسی وقت کھا لیا گیا تھا، برابر اپنا اثر کرتا رہا یہاں تک کہ اِس کی اولاد میں بیماری کا اثر صاف دیکھا جانے لگا۔ تب اُس لطیف اور خبیر نے اطبائے وجود کو اپنے یہاں سے وہ تریاق دے کر بھیجا جس پر فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ☆ کی دائمی مہر تھی! ان طبیبوں نے اِن کو نہایت خوب 'پرہیز' بتائے۔ قوت کی بحالی کیلئے 'احکامات' کے کامیاب ترین اکسیر پلائے۔ 'توبہ وانابت' کے عمل سے اِن کے ہاں جمع شدہ سب فاسد مادوں سے ان کو پاکیزگی دلائی۔ تب ہر سمت تندرستی کا دور دورہ ہوا!

☆ ''نہ وہ بھٹکے گا اور نہ وہ تباہی میں پڑے گا'' (اشارہ ہے سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۳ کے ان الفاظ کی طرف: فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ''تو پھر جب آئے گی تمہارے پاس میری جانب سے ایک ہدایت، تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو بھٹکے گا اور نہ تباہی میں پڑے گا'')

ارے اے نادان جس نے شفایاب ہونے کے یہ سب مواقع کھو ڈالے، جس نے انبیاء کے بتائے ہوئے کسی پرہیز کو مان کر دیا اور نہ نفس میں بیٹھے غلیظ مادوں سے پاک ہونے کی 'تکلیف' گوارا کی.. خاطر جمع رکھ، تباہی آیا ہی چاہتی ہے! یہ مرض جس کو تو یوں پوس پوس کر رکھتا رہا اِس کے ہاتھوں تو سو بار مرے گا مگر تجھے موت نہ آئے گی اس حال میں کہ موت پانا تیری سب سے بڑی خواہش ہوگی! کیا ہی بہتر تھا تو خدا کے فرستادہ ان طبیبوں سے علاج کرا لیتا اور یہ ہلکی سی تکلیف جو تجھ پر گراں گزرتی ہے برداشت کر لیتا! تب ہزار ہا نفیس لذتوں اور خواہشوں سے ہمیشہ ہمیشہ لطف اندوز ہوتا رہتا! کون تجھے وہاں منع کرنے آتا؟! مگر جس گھٹیا خواہش کے بخار میں تو اس وقت مبتلا ہے اس نے سب سے بڑھ کر تیری بصیرت کو ہی متاثر کر رکھا ہے، جس کے باعث تجھے 'عقلمندی' اب یہ نظر آتی ہے کہ خدائے کائنات کے ایک نہایت عظیم وعدے کو 'نقد' کے شوق میں تو چند ٹکوں کے عوض بیچ ڈالے! وائے عاقبت نا اندیشی! ایک ساعت صبر نہ کر سکا اور ابد کی ذلت اور عذاب سہنے پر کس شدت کے ساتھ تیار ہے!

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ نفیس کو خسیس کے بدلے بیچ رہا ہے اور عظیم چیز دے کر ایک حقیر چیز خرید رہا ہے، اور اس پر مارے خوشی کے بے قابو ہوا جاتا ہے، تو جان لو احمق یہی ہے!

☆☆☆☆☆

''ابن آدم! اگر تو زمین برابر خطائیں لے کر بھی میرے پاس آئے اور مجھ سے ملے اس حالت میں کہ تو نے میرے ساتھ کچھ شرک نہ کیا ہو، تو میں اتنی ہی مغفرت کے ساتھ تیرا سامنا کروں''

چونکہ 'حقیقتِ عبدیت' آدمؑ کے ہاں برقرار تھی، لہٰذا گناہ اس کیلئے باعثِ قدح نہ ہوا۔ مالک نے جب یہ دیکھا کہ گناہ سرزد ہوتے وقت اُس کے بندے کا مقصد اُس کی مخالفت کرنا نہ تھا، اور نہ اِس کو مالک کی حکمت اور دانش پر، کہ کیوں اُس نے وہ حکم دیا تھا،

کچھ اعتراض تھا، لہٰذا اُس نے اِس گناہگار کو اب یہ علم عطا کر دیا کہ کس طرح یہ مالک کے سامنے اپنا عذر رکھے اور آئندہ بھی قصور ہو جائے تو کس طرح مالک کو منا لیا کرے! اس سے بڑھ کر بھی صاحبو کوئی ہنر چاہیے؟!!!!

فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ !!!☆

زمین پر تو اِس مخلوق کو ویسے ہی آنا تھا کہ اِس کی تعیناتی تخلیق سے بھی پہلے اسی زمین پر ہو چکی تھی، مگر توبہ سے ڈھل جانے کے بعد یہ مخلوق اپنے مالک کی نظر میں پھر سے بھلی ہو گئی تھی!!!

پس گناہ اس کیلئے وہ نقصان دہ نہیں، جو حالتِ عبدیت میں بھول چوک سے اور شیطان کے بہکاوے سے اور نفس کے بے قابو ہو جانے سے کسی وقت سرزد ہو جائے اور پھر یہ اس پر تائب ہو کر مالک کی جانب پلٹ آئے، اور اپنے اس قصور پر مالک کے سامنے اور بھی ذلت محسوس کرے۔ گناہ جو اس کو مروائے گا، وہی ہے جس کے کرنے والے کے ہاں حالتِ بندگی ہی نہ پائی گئی ہو۔ مالک کا مقام ہی جس کے ہاں متعین نہ ہوا ہو۔ مالک کے سامنے اپنی حیثیت ہی نہ جانی گئی ہو۔ جواب دہی کی فکر ہی نہ پائی گئی ہو۔ اور ندامت کا خیال بھی اس کو اوپرا لگتا ہو!

ابن آدم کے اجزائے ترکیبی میں 'گناہوں کا سرزد ہو جانا' شامل نہ ہوتا، تو فرشتوں سے سجدے کروانے والی اس مخلوق کا نخرہ ساتویں آسمان سے باتیں کرتا! خاک کی اس مخلوق کو خاک پر رکھنے کیلئے ضروری تھا کہ اس سے گناہ ہو جایا کریں اور پھر یہ خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کرے۔ بخشش کی التجائیں کرتے ہوئے سجدوں میں پڑا یہ اِسی مٹی پہ ماتھا رگڑے اور ہو سکے تو اسی کو آنسوؤں سے تر کرے!

☆ البقرۃ: ۳۷ "تب آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات کا القا پایا، تب پروردگار نے اس کی جانب رجوع فرمایا۔ بے شک وہ تو ہے ہی تواب اور رحیم"!

پس 'گناہ کر بیٹھنا' اگر اِس کی ترکیب میں نہ ہوتا تو 'توبہ کی ذلت' جو مالک کی نگاہ میں اس کا نہایت قیمتی زیور ہے، اس کے ماتھے پر نہ سجتا! اس کو وہ انکساری نصیب نہ ہوتی جو مالک کے آگے اس کی کمر دہری کروا دیتی ہے!

صاحبو! خدا کے آگے ذلت ایسی عزت کہیں نہیں پائی جاسکتی! خدا کے آگے عاجزی ایسی سربلندی کہیں ممکن نہیں! جو اِس نفس کو آرام دینا چاہے، اُسے چاہیے اِسے خدا کی خاطر تھکائے! جو اِسے خوشیوں سے لاد دینا چاہے، اُسے چاہیے اِسے خدا کی خاطر غم اور پریشانیاں اٹھوائے! اسے سیر کرنے کی بہترین صورت یہی ہے کہ کوئی آج اسے خدا کی خاطر بھوکا رکھے! اس کو بےخوف رکھنے کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ آج وہ اِسے خوب ڈرا کر رکھے۔ خلد میں اِس کے اُنس پانے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ آج اِس کا کہیں دل نہ لگے، سوائے اپنے خالق اور اپنے فاطر ہی کے ساتھ! اِس کے زندگی پانے کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ آج یہ موت کی تلاش میں پھرے!

مَوتُ النفوسِ حیاتُها ...... من شاءَ أنْ یحیا، یموت!☆

(استفادہ از کتاب الفوائد مؤلفہ ابن القیمؒ، ص۶۴-۶۷)

☆ نفوس کا موت طلب کرنا دراصل ان کا زندگی پانا ہے۔ جو چاہے کہ زندگی کا لطف پائے اسے چاہیے وہ مرنا قبول کرے!

(اردو استفادہ از: مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين مؤلفہ ابن القیمؒ)

رجاء

ایاك نعبد و ایاك نستعین کی منازل میں سے ایک منزل 'رجاء' ہے۔ فرمایا:

أُولَـئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ (الاسراء:۵۷)

''یہ جن کو پکارتے ہیں، وہ (پوجی جانے والی ہستیاں) تو خود تلاش کرتی ہیں اپنے رب تک رسائی کا ذریعہ، کہ کون ان میں سے اُس کا مقرب ہوتا ہے، اور امیدوار رہتی ہیں اُس کی رحمت کی، اور ڈرتی ہیں اس کے عذاب سے''

سو اُس تک 'رسائی کا ذریعہ' ہوا: اُس کا قرب پانے کی سعی کرنا عبدیت میں قدم رکھ کر اور اُس کی طلب اور چاہت کو بڑھا کر۔

پس اسی ایک آیت میں بندگی کے تین مقامات اکٹھے مذکور ہوگئے: چاہت، خوف اور امید۔ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ یعنی ان کا خدا کو پانے اور اس تک رسائی کا ذریعہ (وسیلہ) تلاش کرنے کیلئے کوشاں ہونا اور اُس کے ہاں ایک دوسرے سے بڑھ کر مقرب ہونے کی سعی کرنا، 'چاہت' ہوئی۔ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ، 'امید' ہوئی۔ اور وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ، 'خوف'۔

اور مقام پر فرمایا:

مَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآت (العنکبوت:۵)

''کوئی اللہ سے ملاقات کا امیدوار ہے تو اللہ کی مقرر کی ہوئی وہ گھڑی ضرور آ جانے والی ہے''

اور فرمایا:

فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدا (الکہف:۱۱۰)

''پس جو تو ہے اپنے رب سے ملاقات کا امیدوار، اسے چاہیے عمل کرے خوب، اور ہرگز شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو بھی''

اور فرمایا:

أُوْلَـئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّهِ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (البقرۃ:۲۱۸)

''وہی ہیں جو اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو سکتے ہیں، اور اللہ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا''

صحیح مسلم میں جابرؓ سے روایت ہے، کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کے وفات پا جانے سے تین روز قبل فرماتے ہوئے سنا:

''تم میں سے ہرگز کسی کو موت نہ آئے سوائے اس حالت میں کہ وہ اپنے پروردگار کے ساتھ بہترین گمان رکھتا ہو''

صحیح حدیث میں آتا ہے:

''خداتعالیٰ فرماتا ہے: ''میں اپنے بندے کے اس گمان پر پورا اترتا ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھے ہوئے ہوتا ہے، پس اس کو چاہئے میری بابت جیسا گمان رکھنا چاہے رکھ لے''

☆☆☆☆☆

'رجاء' وہ خوبصورت نغمہ ہے جو قلوب کو محبت کی کٹھن وادیوں میں منزلِ مراد کی جانب گامزن کرتا ہے اور جو راہِ وفا میں عزیمتوں کے قافلے رواں دواں رکھتا ہے۔ خدا کی جانب بڑھنے والے راستوں کی رونق اسی 'رجاء' کے دم سے بحال رہتی ہے۔ خدا کو پانا جن دلوں کا مقصود ہوتا ہے، دشوار گزار راہوں کے اندر بھی ان دلوں کی راحت اور ان کا لطف اسی 'رجاء' کی بدولت قائم رہتا ہے۔

'رجاء' کی تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ: یہ اُس مسرت کا نام ہے جو بندے کے دل پر پروردگار کی سخاوت کو نگاہ میں لانے سے وارد ہوتی ہے اور اس راحت کا عنوان ہے جو مالک کے کرم اور فضل کا تصور کرنے سے دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔

'رجاء' کی یہ تعریف بھی کی گئی ہے کہ: یہ بندے کے ہاں اس بات کے وثوق اور اعتماد کا پایا جانا ہے کہ اس کا مالک بے حد سخی ہے اور پذیرائی بخشنے میں اس کے تصور سے بڑھ کر۔

'رجاء' اور 'آرزو' میں بھلا کیا فرق ہے؟

'آرزو' وہ چیز ہے جو کاہلی کا نتیجہ ہو اور جو آدمی کو محنت اور تگ ودو کی راہ پر ڈال دینے کی صلاحیت سے عاری ہو۔ جبکہ 'رجاء' وہ چیز ہے جو بیٹھے کو کھڑا کر دے، جو آدمی کو جان لڑا دینے پر آمادہ کر دے اور توکل کی حقیقت سے آشنا کرائے۔

'آرزو' کی مثال یوں سمجھو جیسے کوئی آدمی تمنا کرے کہ اس کی کوئی زمین ہو جس میں بس وہ بیج ڈال دے اور پھر اس میں فصل ہی فصل ہو جائے! جبکہ 'رجاء' کی مثال یوں ہے کہ کوئی آدمی اپنی زمین میں ہل چلائے، بڑی محنت سے کیاریاں بنائے، صحیح وقت پر بیج ڈالے ...... اور امید رکھے کہ اس کو نہایت خوب فصل حاصل ہوگی ......!

چنانچہ اہل معرفت کا اس پر اتفاق ہے کہ 'رجاء' جس چیز کا نام ہے اس کا اعتبار تب ہوتا ہے جب اس کے ساتھ عمل پایا گیا ہو۔

شاہ کرمانیؒ کا قول ہے: 'رجاءؑ کا اعتبار کیا جانا اس علامت سے مشروط ہے کہ آدمی کے اندر فرماں برداری پائی جائے۔

رجاء یعنی امید، تین صورتوں میں پائی جاتی ہے؛ پہلی دو صورتیں قابل ستائش ہیں اور تیسری صورت مذموم، بلکہ رجاء کی اس تیسری صورت کا نام ہی درحقیقت 'رجاء' نہیں بلکہ 'غرور' یا 'اغترار' یعنی فریب خوردگی ہے:

- رجاء کی پہلی صورت ہے ایک ایسے آدمی کا، جو خدا کا کہا مانتا ہے اور ایک بصیرت کے ساتھ اس کی فرماں برداری میں لگا ہے، اس امید سے مالا مال ہونا کہ مالک ضرور اس کو پزیرائی بخشے گا اور اِس پر اس کو نوازنے میں ہرگز کوئی کمی نہ چھوڑے گا۔ یہ عبادت کی جان ہے۔

- رجاء کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی جو کوئی گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھا ہو، مگر پھر ان سے تائب ہو گیا ہو، اس امید سے سرشار ہو کہ خدا اس کو ضرور معاف کرنے والا ہے اور اپنی مغفرت، احسان، حلم و درگزر، اور اپنے جود وسخا کے ساتھ ضرور اس کو باریابی بخشنے والا ہے۔

- تیسری صورت جو کہ مذموم ہے اور جو کہ درحقیقت 'رجاء' کہلانے کے ہی لائق نہیں، یہ ہے کہ ایک آدمی گناہوں پہ گناہ کئے جاتا ہے، توبہ کی طرف مائل تک نہیں مگر امید کرتا ہے کہ عمل کئے بغیر ہی خدا کی رحمت مل جانے والی ہے۔ اس چیز کو علمائے قلوب کی اصطلاح میں 'غرور' بھی کہا جاتا ہے، 'آرزو' بھی اور 'امیدِ کاذب' بھی۔

سالک کو خدا کے ساتھ معاملہ کرنے کی بابت نظر کی دو جہتیں سامنے رکھنا ہوتی ہیں:

- پہلی جہت یہ کہ اس کی نظر اپنے عیوب پر ٹک جائے اور اپنے عمل کی خرابیوں کو وہ ہر دم نظر میں رکھے۔ اس سے اس کے سامنے خدا کی جانب بڑھنے کیلئے 'خوف' اور

'خشیت' کا دروازہ کھلے گا۔ خوف کے اس دروازے سے گزر کر ہی وہ اپنے پروردگار کے فضل کی وسعت اور اس کے کرم اور بخشش کی لامحدودیت سے صحیح معنیٰ میں آشنا ہوگا۔

- نظر کی دوسری جہت یہ کہ آدمی کی نظر مالک کے کرم کی وسعت پر ٹک جائے اور اس کے دینے کے پیمانوں پر ہی اس کی نظر لگ جائے۔ یہاں سے اس کیلئے 'رجاء' کا دروازہ کھلتا ہے۔

ابو علی روذباریؒ کہتے ہیں: خوف اور رجاء کا معاملہ عین ویسا ہی ہے جیسا پرندے کے دو پروں کا۔ دونوں سیدھ میں ہوں تو پرندہ صحیح اڑان بھرتا ہے، اعتماد سے پرواز کرتا ہے اور لمحوں میں کہیں سے کہیں جا پہنچتا ہے۔ البتہ پروں میں تناسب نہ رہے تو پرواز میں نقص واقع ہوتا ہے اور خلل حد سے بڑھ جائے تو پرواز دشوار تر ہو جاتی ہے۔ البتہ جب دونوں پر ہی چلے جائیں پھر تو پرندے کی موت بھی قریب قریب یقینی ہے۔

علماء میں اس بابت اختلاف ہوا ہے کہ اوپر 'رجاء' کی جو دو قابل ستائش صورتیں مذکور ہوئیں ان میں سے رجاء کی کونسی صورت کامل تر ہے، آیا نیکی کرنے والے کا اپنے نیک عمل کے ثواب کی بابت امیدوار ہونا یا ایک گناہگار تائب کا اپنے رب سے مغفرت اور بخشش پانے کی بابت امیدوار ہونا؟

ایک گروہ نے اول الذکر کو برتر جانا ہے اور ایک گروہ نے ثانی الذکر کو۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ایک گناہگار کا تائب ہونا اور اس پر اپنی مغفرت کی بابت پروردگار کی رحمت کی آس رکھنا اس حال میں ہوتا ہے کہ اس کا اپنا کوئی کارنامہ اس کی نظر میں ہوتا ہی نہیں اور خدا کے سامنے ذلت اور بے چارگی کا احساس رکھنے میں بھی کہیں وہ بڑھ کر ہوتا ہے اور یوں اس کی ساری نظر ہوتی ہی مالک کی رحمت اور فضل پر ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں یحییٰ بن معاذؒ کا قول ہے: گناہوں کی معافی طلب کرنے کے معاملہ میں مجھ پر جو 'رجاء' طاری ہوتی ہے وہ اس 'رجاء' سے بڑھ کر ہے جو اعمال کی

قبولیت کے معاملہ میں مجھ پر وارد ہوتی ہے کیونکہ اعمال میں جو اخلاص درکار ہوتا ہے اس کی بابت آدمی کیا کہہ سکتا ہے جبکہ میں جانتا ہوں کہ بوقتِ عمل اخلاص بہم پہنچانے میں میں کتنا ناقص ہوں، جبکہ گناہوں کی بخشش مانگتے وقت میری نظر صرف اور صرف مالک کے عفو و درگزر پر ہوتی ہے، بھلا جب اس سے بخشش مانگی جائے تو وہ کیوں نہ بخشے گا، اس سے بڑھ کر تو کوئی سخی نہیں!

یحییٰ بن معاذؒ ہی کا یہ بھی قول ہے: الٰہی! تیرے عطیات مجھ پر بے شمار ہیں مگر سب سے زیادہ مٹھاس مجھے تیری جس دین میں ملتی ہے وہ ہے میرا تجھ سے امید رکھنا۔ سب سے میٹھے بول جو کبھی میری زبان پر آتے ہیں وہ ہیں جب میں تیری ثنا کرتا ہوں۔ میری سب سے لذیذ ساعت کوئی ہوگی تو وہ گھڑی جب میں تجھ سے ملاقات کروں گا۔

امام ہرویؒ کہتے ہیں کہ رجاء، ارادت کی منازل میں سب سے کمتر درجہ ہے۔ مگر امام ہرویؒ کی یہ بات درست نہیں۔ حق یہ ہے کہ رجاء، عبادت اور ارادت کی سب سے برگزیدہ صورتوں میں سے ایک صورت اور بندگی کے نہایت اعلیٰ مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ 'رجاء' اور 'محبت' پر ہی آدمی کے خدا کی جانب بڑھتے چلے جانے کا اصل انحصار ہے۔ اہل رجاء کی مدح و ستائش خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا. "بے شک تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے رسول اللہ ﷺ (کی شخصیت) میں، اس شخص کیلئے جو رجاء رکھتا ہے اللہ کی اور یوم آخرت کی اور ذکر کرتا ہے بکثرت اللہ کا"۔

حدیث قدسی میں آتا ہے:

"ابن آدم! جب تک کہ تو مجھ کو پکارنے والا رہے اور مجھ سے امید وابستہ رکھے، میں تجھے معاف کرتا ہی رہوں گا، چاہے تجھ سے جو بھی ہوتا رہا ہو، اور (تجھے بخشتے ہوئے) پرواتک نہ کروں گا"

اور پھر وہ آیت جو ہم نے ابتداء میں ذکر کی ...... اس میں اللہ اپنے ان خاص عبادت گزاروں کا حال بیان کرتا ہے جن کو مشرکین نے تقربِ خداوندی کا ذریعہ بنا رکھا تھا، اللہ اپنے ان خاص عبادت گزاروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ تو وہ ہستیاں تھیں جن کی سب امید ایک اُسی سے وابستہ تھی اور جن کو خوف صرف اسی کا تھا۔ چنانچہ فرمایا: یہ تو وہ ہستیاں ہیں جو مالک تک رسائی کا ذریعہ پانے کی طلبگار رہتی تھیں کہ کون اس کا سب سے بڑھ کر تقرب پاتا ہے، ان کو اسی کی رحمت کی آس ہوتی تھی اور اسی کے عذاب کا خوف۔

چنانچہ یہ ایمان کی بہترین حالت کا ہی ایک ذکر ہے۔

امام ہرویؒ نے گو اتنا ہی کہا ہے کہ یہ منازلِ بندگی میں سب سے کمتر مقام ہے، جو کہ، ہم بیان کر چکے، کہ درست فہم نہیں۔ مگر صوفیاء کا ایک گروہ اسی سمت میں آگے بڑھتے ہوئے یہ مذہب اختیار کرتا ہے کہ 'رجاء' درحقیقت کامل اخلاص کے منافی ہے! انکے نزدیک 'رجاء' ایک حرص رکھنے کا نام ہے اور خدا سے ایک 'تقاضا'! انکے نزدیک کامل اخلاص یہ ہے کہ انسان کے نفس کا کوئی حظ باقی ہی نہ رہے اور یہ کہ خدا سے اپنی بندگی کے عوض آدمی کچھ بھی نہ چاہے، وہ خود ہی جو دے سو دے۔ تجرد اور بے لوثی اور نفس کے حظ سے دستبرداری انکے نزدیک یہی ہے۔ خدا کے آگے کوئی بھی 'تقاضا' رکھنا انکے خیال میں 'رضا' سے تجاوز کر جانا ہے۔ انکا کہنا ہے کہ نفس کا حظ ہونا تو بعد کی بات ہے اس نفس ہی کو ختم کر دینا اصل بندگی اور اخلاص ہے۔ پس 'نفس کے حظ' سے دستبرداری بھی انکے نزدیک وہ اصل پہنچا ہوا مقام نہیں۔ اصل مقام انکے ہاں یہ ہے کہ اس 'نفس' ہی سے آدمی دستبردار ہو جائے اور خدا کے حق میں اس کو کالعدم کر لے۔ اس چیز کو یہ لوگ 'فنا' کا نام بھی دیتے ہیں۔

انکا کہنا ہے خدا کا اپنا ارادہ اور مشیئت ہے، اب جو شخص اپنا ارادہ اور طلب اور اپنی امیدیں اور رجائیں خدا کے سامنے لا کر رکھ دیتا ہے تو نہ صرف یہ کہ یہ کمالِ اخلاص کے منافی ہے بلکہ خدا کی پسند کے آگے اپنی پسند لے کر آنا انکے ہاں رعونت بھی شمار ہوتی ہے!

ان کا یہ مذہب اور ان کے یہ اقوال نقل کرنے کے بعد امام ابن القیمؒ لکھتے ہیں:

انسان تعجب کرے تو ان کے ان باطل اقوال پر۔ایک آدمی جو اپنے مالک کے احسان کی آس رکھے، اس کے فضل کی طلب اور اس کے التفات کی امید کرے اور اس سے اس کی رحمت اور بخشش کا سوالی ہو، یہ ان لوگوں کے نزدیک 'رعونت' ہوئی اور اُس سے امیدیں درخواستیں نہ کرنا 'بندگی'! حالانکہ 'رعونت' اگر ہے تو وہ یہ کہ آدمی اپنے مالک کے احسان کی آس نہ رکھے، اس کے فضل کی طلب اور اس کے التفات کی امید نہ کرے اور اس کی رحمت اور بخشش کا سوال تک زبان پر نہ لائے......

پھر فرماتے ہیں: بوالعجبی ہے تو وہ اِن کا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ اپنے نفوس سے دستبردار ہو چکے ہیں۔حالانکہ سب سے بڑھ کر اپنے نفس کو پوجنے والے کوئی ہیں تو وہ یہی لوگ ہیں۔خدا کی عظمت کے آگے اپنے نفس کو کالعدم کرنے والا اور خدا کی منشا و تقاضے کے آگے اپنے نفس کے حظ اور اپنے نفس کے تقاضے سے دستبردار ہونے والا شخص کوئی ہو سکتا ہے تو وہی جو خدا اور رسولؐ کے قول پر سر تسلیم خم کرے۔جو اپنے نفس کو خدا کے دین کی اقامت کی راہ میں قربان کر دے اور خدا کی شریعت کے نفاذ کی آواز اٹھاتے ہوئے خدا کے باغیوں، نافرمانوں اور سرکشوں کے بالمقابل کھڑا ہو۔جو خدا کے دشمنوں اور باغیوں کیلئے تکلیف کا باعث ہو جبکہ وہ اس کی حق گوئی اور اس کی باطل بیزاری کے باعث اس کی جان کے دشمن ہو جائیں، پھر بھی ان کے خلاف برسر جہاد ہونے سے اِس کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت باز نہ رکھ پائے۔جو ڈنکے کی چوٹ پر حق بیان کرے اور ایسا کرتے ہوئے اس کو خوف ہو تو صرف رب العالمین کا اور رجا اور آس ہو تو صرف مالک الملک کی۔جس کے لئے اہل باطل سے اپنے لئے تعریفیں کرانا بے وقعت ہو جائے۔لوگوں پر اِس کی پیری کی دھاک بیٹھے اور اہل ظلم و جبر تک عقیدت سے سلام اور دست بوسی کو آیا کریں اور حضرت کی بہت ساری 'ضروریات' بھی پوری کر جایا کریں، اِس کی

نگاہ میں بے قیمت ہوجائے۔ یہ اُن کو خیر اور نصیحت کی بات برسرِعام بھی بتائے اور پوشیدہ بھی۔ نہ اِس کو کوئی خاص حلیہ اختیار کرنے کی حاجت ہو اور نہ خاص وضع قطع اپنا رکھنے کی اور نہ کسی پروٹوکول کی۔ اِس کی سب خواہشیں، سب امیدیں اور سب آرزوئیں وابستہ ہوں تو الحی القیوم سے۔ اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد میں ایک ساعت گزارنا اور ایمان کی سرحدوں پہ پہرہ دینے میں ایک رات کا رباط کرنا اِس کو 'فنا' کی مشقوں اور 'مشاہدوں' اور 'حال' طاری کرنے کی ریاضتوں سے کہیں عزیز تر ہو۔

یہ 'حال' اور یہ 'فنا' اور یہ 'مشاہدات'، جنہیں یہ اخلاص اور تجرد کا نام دیتے ہیں، اپنی حقیقت میں یہی سب سے بڑھ کر 'نفس' کی تسکین ہیں۔ 'نفس کا حظ' سب سے زیادہ یہی تو ہے، گو آدمی یہ سمجھ رہا ہو کہ وہ اپنے نفس ہی سے دستبردار ہو چکا ہے تو پھر اب نفس کا حظ بھی باقی نہیں رہا! حالانکہ یہ حال اختیار کرکے وہ جس چیز سے دستبردار ہوا ہوتا ہے وہ ہے خدا کی شرعی منشا، یعنی خدا کا اِس سے اپنا وہ تقاضا جسے خدا نے اِس کیلئے مشروع ٹھہرایا ہے۔ خدا کو جو پسند ہے، یعنی اپنی وحی اور شریعت کی راہ سے خدا اِس سے جس چیز کا تقاضا کرتا ہے اور جس کو پورا کرنا ہی دراصل عبدیت ہے، یہ وہ کرنے پر تیار نہیں۔ پس یہ 'نفس' سے دستبرداری کہاں، یہ تو خدا کی منشا اور مراد سے دستبرداری ہے!!! ایسا شخص خدا کی عبدیت سے نکل کر اپنے نفس کے حظ اور تقاضے کے عین نیچے جا کھڑا ہوتا ہے اور سمجھتا ہے یہ اخلاص اور فنا کی منزلیں طے کرنا ہے! یہ اگر کبھی اپنے نفس کو ٹٹولے تو یہ بات اس کے اندر بالکل عیاں پائے گا۔

جس نفس کو شیطان نے اس نوبت کو پہنچا دیا ہو وہ تو بہت ضرورت مند ہے کہ وہ خدا سے اپنے لئے عافیت کا سوال کرے......!

سب فلسفے چھوڑ، تم ذرا بس یہ موازنہ کرلو کہ انبیاء اور رُسل اور صدیقین کس روش پر رہے اور کس انداز میں وہ اپنے رب سے رجائیں اور التجائیں اور دعائیں کیا کرتے تھے اور دوسری طرف ان مغالطوں میں پڑے ہوئے لوگوں کی کیا روش ہے؟ یہ

موازنہ کر لینے کے بعد خود ہی تم پر کھل جائے گا کہ دونوں راستوں کے مابین کیسا زمین آسمان کا فرق ہے۔

کہاں 'رضا'، اور 'فنا'، اور 'تجرد' کے نام پر ان کا یہ طرزِ استغناء اور کہاں نبی ﷺ کا سجدے میں پڑے دعائیں اور التجائیں کرنا: اللهم انی أعوذ برضاک من سخطک، وبمعافاتک من عقوبتک، وبک منک، لا أحصی ثناء علیک، أنت کما أثنیت علی نفسک ۔ "خدایا! میں پناہ میں آتا ہوں تیری رضا کی، تیری ناراضی سے (بھاگ کر)۔ میں پناہ میں آتا ہوں تیرے معاف فرما دینے کی، تیری عقوبت سے (بھاگ کر)۔ خدایا میں تجھ ہی سے تیری ہی پناہ میں آتا ہوں۔ خدایا! میں اس سے عاجز ہوں کہ تیری ثنا کا احاطہ کر پاؤں۔ خدایا جیسی تعریف تو اپنی ذات کی خود کر دے، تیری ویسی ثنا"......!!!

اور نبی ﷺ کا اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو یہ تلقین کرنا: اے عباسؓ، اے رسول اللہؐ کے چچا! خدا سے عافیت کا سوال کرو۔

اور نبی ﷺ کا صدیقِ اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو، ابوبکرؓ کی درخواست پر، یہ دعا سکھانا جو وہ اپنی نماز میں خدا سے کیا کریں: اللهم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا أنت فاغفر لی مغفرة من عندک وارحمنی انک أنت الغفور الرحیم. "الہا! میں نے ظلم کیا اپنی جان پر، بڑا ہی ظلم، اور کوئی نہیں جو بخش دے گناہوں کو مگر تو ہی۔ پس بخش دے مجھے، بخشش خاص اپنی جناب سے، اور ترس کر مجھ پر۔ مجھے شک نہیں کہ تو ہی ہے بخشنے والا اور تو ہی ہے ترس کرنے والا"۔

اور نبی ﷺ کا صدیقۂ کبریٰ عائشہ رضی اللہ عنہا کو، عائشہؓ کی درخواست پر کہ وہ اگر لیلۃ القدر کو پالیں تو اپنے مالک سے کیونکر دعا گو ہوں، یہ کلمات سکھانا: اللهم انک عفو، تحب العفو، فاعف عنی. "الہا! مجھے شک نہیں تو معاف کرنے والا ہے، معاف کرنا تجھے پسند ہے، تو پھر الٰہی مجھ (اپنی بندی) کو معاف کر دے"۔

اور نبی ﷺ کا بکثرت یہ دعا کرنا، بلکہ اس دعا کو کبھی نہ چھوڑنا اور کوئی بھی اور دعا کرنے کے بعد آخر یہ دعا ضرور کرنا: **ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار**. "اے ہمارے پروردگار! دے ہمیں جو خوب ہے دنیا میں، اور دے ہمیں جو خوب ہے آخرت میں، اور بچا ہمیں آگ کے عذاب سے"۔

اور خدا کا اپنے خاص الخاص بندوں کی تعریف میں، جنہیں وہ اولوا الالباب کہتا ہے، ان کی صبح شام التجاؤں کا ذکر کرنا کہ وہ انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا رکھے۔ **ربنا ما خلقت هذا باطلا، فقنا عذاب النار** . "اے ہمارے رب تو نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا، پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا رکھ"

اور نبی ﷺ کا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمانا: "تو اگر اللہ سے یہ سوال کرتی کہ وہ تجھے آگ کے عذاب سے پناہ دے دے تو یہ تیرے لئے بہتر ہوتا"۔

اور نبی ﷺ کا اس بات کو اپنا معمول بنا رکھنا کہ وہ آگ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے خدا کی پناہ مانگتے رہیں۔ بلکہ مسلمانوں کو آپ کا یہ حکم دے رکھنا کہ وہ اپنے تشہد میں پناہ مانگا کریں عذابِ قبر سے، اور عذابِ دوزخ سے، اور زندگی کے فتنے سے اور مرتے دم کے فتنے سے، اور مسیح دجال کے فتنے سے۔ یہاں تک کہ بعض اہل علم کا قول ہے کہ یہ دعا کرنا نماز میں واجب ہے، اور اس کے بغیر نماز ہی صحیح نہیں۔

غرض رجاء اور خوف کے بیچ رہتے ہوئے، جو کہ بندگی کا اصل جوہر ہے، خدا سے التجائیں کرنا اور دنیا و آخرت کی خیر اور عافیت مانگنا، دین میں اس قدر واضح ہے اور نبی ﷺ کے معمولات سے اس قدر عیاں کہ یہ قیدِ بیان میں آنے کا نہیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک بیمار کے ہاں تیمارداری کیلئے تشریف لے گئے تو اس کو چوزے کی طرح (سوکھا سمٹا ہوا) پایا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: تم کیا دعا کیا کرتے تھے؟ اس شخص نے جواب دیا: میں کہا کرتا تھا: خدایا تو مجھے آخرت میں جو بھی عذاب دینے والا ہے یہیں دنیا میں دے لے۔ تب رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: سبحان اللہ! تو اس بات کی طاقت نہیں رکھتا۔ (اللہ کے بندے) تو نے خدا سے عفو اور عافیت کا سوال کرلیا ہوتا!

مسند میں حدیث آتی ہے: ''خدا سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی جس کا مانگا جانا خدا کو عفو اور عافیت کے سوال سے بڑھ کر عزیز ہو''۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ میں سے ایک (اعرابی) شخص سے پوچھا: جب تم نماز پڑھتے ہو تو (اس میں) کیا کہتے ہو؟ اس نے جواب دیا: میں بس اللہ سے جنت مانگتا ہوں اور آگ سے اُس کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ وہ لمبے لمبے بول (اذکارِ نماز) مجھے نہ تو آپؐ کی طرح آتے ہیں اور نہ معاذؓ کی طرح۔ تب آپؐ نے فرمایا: ہمارے 'لمبے لمبے بول' بھی بس اسی بات کے گرد ہیں!

صوفیاء کا یہ قول بھی درست نہیں کہ: 'رجاء' شریعت میں ان لوگوں کی رعایت کیلئے آئی ہے جنہیں 'خوف' کی حرارت کم کرنے کی ضرورت لاحق رہتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا: رجاء، بندگی کا نہایت اعلیٰ مقام ہے۔ خدا سے آس لگانا، اُس کی طمع کرنا، اُس سے بار بار مانگنا اور سب کچھ مانگنا اور اُس کی دین پر آدمی کی نظر ٹک جانا ...... یہ عبدیت کا نہایت بلند مرتبہ ہے۔ یہ کسی 'تدبیر' کے طور پر شریعت میں مشروع نہیں ٹھہرائی گئی بلکہ یہ آپ اپنی ذات میں شریعت کے اندر مطلوب ہے۔

اب ہم نہایت اختصار سے رجاء سے متعلق کچھ فوائد بیان کریں گے:

- 'رجاء' انسان کی عبدیت کا اظہار ہے۔ یہ خدا کے آگے انسان کے فاقے کا بیان ہے۔ 'رجاء' انسان کی حاجتمندی کا ایک خاموش پیرایہ ہے۔ 'رجاء' خدا کے التفات، خدا کے احسان، خدا کے بے پایاں فضل وکرم اور جود وسخا کیلئے انسان کے چاؤ کی ایک بے ساختہ زبان ہے۔ 'رجاء' اس بات کا اظہار ہے کہ بندہ مالک کی عنایت کے بغیر ایک لحظہ بھی رہنے کا روادار نہیں۔

- پھر رُجاءٗ بندے سے خدا کا اپنا تقاضا ہے۔ سب سے پہلے، اور سب سے اہم، خدا کو ہی یہ پسند ہے کہ اُس کے بندے اُس سے اپنی سب امیدیں رکھیں۔ اُس سے خیر پانے کی خوب آس رکھیں۔ اُس کے فضل کا اُس سے سوال کریں۔ کیونکہ وہ بادشاہِ حق ہے۔ سخاوت اُس کی شان ہے۔ سوال کرنے والے کو دینے میں کوئی اُس سے بڑھ کر نہیں۔ نوازش میں کوئی اُس جیسا نہیں۔ اُس کی شانِ سخاوت کو یہ پسند ہے کہ سب امیدیں اُس کی عنایت سے وابستہ رہیں۔ وہ تو اتنا سخی ہے کہ جو اُس سے نہ مانگے وہ اُس سے ناراض ہو جاتا ہے!!! حدیث میں آتا ہے: **من لم یسأل اللہ یغضب علیہ** ''جو اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ کا اس پر غصہ ہوتا ہے''!!!

اگر اُس سے 'مانگنے' کا یہ معاملہ ہے کہ جو اُس سے نہ مانگے اس پر اُس کا غصہ ہوتا ہے..... تو پھر یہ تو واضح ہے کہ 'مانگنے' کے پیچھے دراصل ایک 'آس' ہوتی ہے۔ 'ہاتھ پھیلانے' کے پیچھے ایک 'امید' اور 'رجاءٗ' ہی کارفرما ہوتی ہے۔ خیر پڑنے کی 'آس' نہ ہو تو 'سوال' کیسا؟!!!
پس یہ بات تو بالاولیٰ واضح ہوئی کہ جس کی اللہ سے امید اور رجاء نہیں اللہ کا اس پر غصہ ہو۔

- عرب راتوں کے وقت اونٹوں پر سفر کرتے تو کسی خوش الحان شخص کو خاص ایسے سروں میں نغمہ چھیڑ دینے پر مامور کرتے جن کی تاثیر سے اونٹ نہایت تیز چلتے اور پورے قافلے کا سفر بھی نہایت خوب گزرتا۔ اس کو عرب 'حُـــدی' کہتے ہیں۔ 'رجاءٗ' قلوب کیلئے دراصل وہ نغمہ اور وہ 'حدی' ہے جو خدا کی جانب زیادہ سے زیادہ اور تیز سے تیز چلنے میں ان کی مددگار ہوتی ہے۔ 'امیدوں' کی منزل نہ ہو تو اس دشت کو پار کرنے کا حوصلہ کون کرے!!!؟ 'خوف' اکیلا وہ محرک نہیں جو اس سفر کو خوش گوار بنائے اور اس برگزیدہ قافلے کی رونق بحال رکھے۔ اس صحرا کو پار کر جانے کیلئے قلوب کو جس تحریک کی ضرورت ہے درحقیقت وہ خدا کی چاہت اور محبت سے وجود میں آتی ہے اور پھر اس راہ میں اِس کو تیز سے تیز تر بگھانے کیلئے جو نغمے چھیڑ دیے جانا ضروری ہیں وہ ہیں اِس کی امیدیں جو اِس کو منزل کی جانب کشاں کشاں لئے جاتی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ خوف کا

کوڑا بھی ساتھ ساتھ استعمال کرنا ہوتا ہے، کہ اس سفر میں منزل کی کشش وخوبصورتی کے باوجود ایسی ایسی مشکل چڑھائیاں ہیں اور دائیں بائیں ایسے ایسے 'لہلہاتے' سراب ہیں کہ سفر جاری رکھنے کے معاملہ میں ہمتوں کا جواب دینا ہر وقت ممکن نظر آتا ہے!

- 'رجاء' وہ چیز ہے جو آدمی کو 'محبت' کی دہلیز سے اٹھنے ہی نہیں دیتی!!! جیسے جیسے 'رجاء' میں انسان کے ہاں ترقی اور افزودگی ہوتی ہے، جیسے جیسے مالک کا التفات پانے کی امید بڑھتی ہے اور اُس کے ہاں باریاب ہونے کی آس لگتی ہے، جیسے جیسے 'خیر' پر اس کی نظر ٹکتی ہے ویسے ویسے وہ اُس کی دہلیز پر اور جمتا ہے یہاں تک کہ پھر وہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ جوں جوں معبود کی خوشی اور نوازش قریب نظر آتی ہے توں توں انسان معبود پر فریفتہ ہوتا ہے۔ اس کی رغبت بڑھتی ہے اور معبود کیلئے اس کی قدر دانی اور شکرمندی میں اضافہ ہوتا ہے۔ 'رجاء' کی بدولت اس کو اپنا انعام قریب دکھائی دیتا ہے تو وہ مالک سے اور بھی خوش ہوتا ہے۔ یوں انسان کا مالک پر راضی رہنا(۱) اور مالک سے راضی رہنا ترقی کے بلند ترین زینے طے کرنے لگتا ہے۔

- پھر یہ کہ 'رجاء' انسان کو 'درجۂ شکر' تک پہنچانے کا باعث بنتی ہے، جبکہ شکرمندی عبدیت کا اصل لب لباب ہے۔ 'قدردانی' اور 'شکرمندی' کسی چیز کو 'پانے' کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ کچھ پانے کا تصور ہی نہیں تو شکر کس بات کا؟ بندہ خدا سے دنیا میں بہت کچھ پاتا ہے اور آخرت میں بہت کچھ پانے کی امید سے مالامال ہوتا ہے تو اس کے دل میں خدا کیلئے شکرمند اور احسان مند ہونے کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں۔ شکرمندی کے احساسات بذاتِ خود بندگی ہیں جو آگے ہزاروں انداز میں انسان کو خدا کی بندگی پر ابھارتے ہیں۔ یوں 'رجاء' انسان کے اندر بندگی در بندگی کا ایک سلسلۂ لامتناہی جاری کر دیتی ہے، جس سے انسان صبح شام خدا کی حمد وتسبیح کے اندر اپنی حقیقتِ بندگی کا مدعا بیان کرنے لگتا ہے۔

---

(۱) مراد ہے اللہ کے مالک اور رب ہونے پر، جیسا کہ اذان کے اذکار میں آتا ہے رضیت باللہ ربا.. یعنی "میں راضی ہوا اللہ کے رب ہونے پر"۔ ابن القیمؒ کی کلام میں لفظ آئے ہیں رضی بہ ورضی عنہ۔

- جب ہم یہ جان آئے ہیں کہ خدا کو پکارنے اور آواز دینے کے پیچھے جو اصل جذبہ کارفرما ہوتا ہے وہ خدا کے ساتھ بندے کی آس لگی ہونا ہے...... تو پھر یہ 'رجاء' ہی ہے جو انسان کو خدا کے اسمائے حسنیٰ سے وابستہ کرے۔ 'رجاء' ہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو خدا کے خوبصورت ناموں کو جاننے اور ان کے مفہومات کے اندر غوطہ زن ہونے پر ابھارے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنىٰ فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف:۱۸۹) ''اللہ کے نہایت حسین نام ہیں۔ پس پکارو اُس کو ان ناموں سے''۔ چنانچہ اگر 'رجاء' معطل ہو جائے تو خدا کو اُس کے خوبصورت ناموں کے واسطے دے کر ایک فہم، رغبت اور دلجمعی کے ساتھ پکارا جانا ہی انسان کے ہاں معطل ہو کر رہ جائے۔

- 'خوف' اور 'رجاء' دراصل لازم وملزوم ہیں۔ امید، ڈر کے بغیر اور ڈر، امید کے بغیر نفس پر کوئی مثبت اثر نہیں رکھتا۔ چنانچہ ہر 'امیدوار'، 'خائف' ہوتا ہے اور ہر 'خائف'، 'امیدوار'۔ یہی وجہ ہے کہ 'خوف' کے سیاق میں 'امید' کا تذکرہ اور 'امید' کے سیاق میں 'خوف' کا تذکرہ نہایت برمحل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی آیت: مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا (نوح:۱۳) کی بابت کثیر مفسرین کا قول ہے کہ یہاں رجاء سے مراد ہے خوف۔ یعنی تمہیں اللہ کا عظمت کا پاس کیوں نہیں؟ چنانچہ ہر 'امید' کرنے والا 'خائف' ہوتا ہے کہ جس چیز کی وہ امید رکھتا ہے کہیں وہ حاصل ہونے سے رہ نہ جائے۔ جبکہ 'خوف' بلا 'امید'، دراصل یاس کہلاتا ہے یعنی قنوطیت اور ناامیدی۔

- قیامت کے روز جب کسی کو نجات کا پروانہ ملے گا تو اس کی خوشی اس کو اسی بقدر حاصل ہوگی ہے جس قدر وہ آخرت کے متعلق اپنے دل میں خوف اور رجاء رکھتا رہا تھا۔ چنانچہ مختلف انسانوں کا حال اس لحاظ سے مختلف ہوگا، اور یہ لحظہ ذرا تصور کرنے کا ہے!!!

☆☆☆☆☆

(استفادہ از: مدارج السالکین مؤلفہ امام ابن قیمؒ، ج:۲، ص:۳۶
فصل: ومن منازل إياك نعبد وإياك نستعين منزلة الرجاء)

امیدِ ثمر!

کوئی شخص اپنی 'امید' میں سچا ہے تو وہ اس چیز کی 'طلب' میں ضرور نکلتا ہے! راستہ جہنم کا اور امید جنت کی، اسی کو علمائے قلوب کی اصطلاح میں 'فریب' اور 'غرورِ آرزو' کہتے۔ نہ اس کا نام 'امید' ہے اور نہ 'خدا کے ساتھ حسنِ ظن'! آدمی جہنم کے بیج بوئے اور اس سے جنت کے میووں کی آس کرے، یہ خوش زعمی اور نادانی ہے اور درحقیقت شیطان کے جھانسے میں آجانا!

کسی عرب شاعر نے کیا خوب کہا:

'نجات کے متلاشی ہو، مگر راستہ تباہی کا چل رہے ہو
'امید کی جس کشتی پہ جا بیٹھے ہو، یہ 'خشکی' پر تو آخر نہیں چلے گی!'

گناہ ہیں تو تب کیا ہے، 'امید' کا راستہ تو بہت کھلا ہے! مگر تعجب تو اس شخص پر ہے جو 'توبہ' اور 'عمل صالح' کی طرف آنے کا نام نہیں لیتا اور برابر 'خوش گمانی' کا سہارا لئے بیٹھا ہے!

خدا کے ہاں جو سلامتی کا گھر ہے، اس میں اگر اس کے سوا کوئی اور خوبی نہ ہوتی کہ نہ تو وہاں 'موت' اور نہ 'بیماری' اور نہ 'پریشانی'.. تو بخدا لوگ اِس جہان کو چھوڑ چھوڑ کر اُس کی جانب بھاگ رہے ہوتے! لوگ اگر کسی ایسے جزیرے کا سن لیں جس میں موت کا گزر نہیں تو سب لوگ اسی کا رخ کر رہے ہوتے، چاہے یہاں کے محلات چھوڑ کر وہاں پُر مشقت زندگی کیوں نہ گزارنی پڑے! جبکہ خدا نے تو یہ بھی نہیں کہا کہ اِس کو چھوڑ کر

وہاں آؤ۔ اُس نے تو صرف یہ کہا ہے کہ جب یہاں تمہارا وقت پورا ہو جائے تو وہاں آ جاؤ، مگر تیاری کر کے! بھلا اس سے بہتر کوئی پیش کش ہو سکتی ہے؟

زمین پر اگر ایسا کوئی جزیرہ ہوتا جہاں موت نہیں، تو لوگ اپنے بنے بنائے مکانات اور زمینیں جائدادیں سب چھوڑ کر وہاں کوچ کر رہے ہوتے، چاہے وہاں ان کو فاقے کیوں نہ کرنے پڑیں...... تو پھر اُس جہان کی بابت کیا خیال ہے جس میں لوگ بادشاہوں کی طرح رہیں گے! سدا خوشیوں اور لذتوں میں لوٹیں گے! جو دل خواہش کرلے سو حاضر ہو۔ جو نگاہ کو لطف دے وہ دیکھنے کو ملے، اور خلد کی نعمت اس پر سوا! ایک نعمت سے دل بھرا نہ ہوگا کہ ایک اور نعمت آدمی کی نگاہِ التفات کی منتظر! ایک ایسی دنیا جو 'زوال' کے مفہوم سے ہی آشنا نہیں!

وہاں تو 'نیند' نہیں، کیونکہ نعمتیں اتنی ہیں اور دلچسپیوں کا سامان اس قدر ہے کہ لطف و سرود سے فرصت ہی نہیں!

نعمت کہ نری نعمت ہو، اور ساتھ میں کسی مصیبت یا پریشانی کی ذرہ بھر آلائش نہ ہو، ایسی نعمت کا تو تصور ہی نہیں مگر اسی 'سلامتی کے گھر میں' جو خدا کے ہاں پایا جاتا ہے!

برادرم! دنیا آخرت کی 'کھیتی' ہے۔ یہ 'قلب' جو تمہیں حاصل ہے دراصل یہ تمہاری 'زمین' ہے۔ چاہو تو اس کو سنوار لو اور پھر اس میں 'ایمان' کا بیج بو لو۔ بندگی کے افعال سے اس کو 'سیراب' کرو۔ گناہوں اور نافرمانیوں کا 'جھاڑ جھنکاڑ' یہاں پر تلف کرنے میں برابر لگے رہو۔ اور قیامت اس 'کٹائی' کا دن ہے۔ کچھ بھی نہیں تو ایک نظر تو روز ہی اس 'زمین' میں دوڑا لیا کرو۔ یہاں جو فصل پکنے کے لئے آج چھوڑ دی گئی ہے، 'آخرت' میں یہی 'دانے' گھر آئیں گے، اور پھر باقی عمر یہی کھانے ہوں گے! ہونا تو یہ چاہیے کہ نگاہ کو اس فصل کی دیکھ بھال سے فرصت ہی نہ ملے! کوئی سال دو سال کا تو معاملہ نہیں یہ تو 'زندگی کی فصل' ہے!

وہ قوی ترین جذبہ جس کی بدولت ایک 'فصل' کے اگانے میں آدمی اپنا دل ڈال دیا کرے، اس جذبہ کا نام 'امید' ہے۔ 'امید' ایک حقیقی جذبہ ہے۔ 'تعمیر' کی نہایت مضبوط بنیاد ہے۔ پھر اگر فصل ایک جہان میں بو کر کٹائی ایک دوسرے جہان میں جا کر

کرنی ہو، پھر تو 'امید' کی ایک خاص ہی کیفیت درکار ہے۔ 'امید' کی یہ صورت خدا کی صفات اور خدا کی شان جاننے کا ہی نتیجہ ہو سکتی ہے۔

پس 'امید' کی وہ عظیم ترین صورت جو ایک لافانی جہان سے وابستہ ہے، انسان کے ہاں پایا جانے والا ایک برگزیدہ ترین جذبہ ہے۔ یہ خدا پر بھروسہ کرنے کی ایک خاص ہیئت ہے!

ہر کسان اپنا بیج جب مٹی میں گم کر دیتا ہے تو اس کے دامن میں 'امید' کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا! زمین کی اس خاصیت پر اگر اس کا اعتماد نہ ہو کہ یہ 'دانے' کو کھا نہیں جائے گی جبکہ اس کے سوا ہر چیز جو اس میں ڈالی جائے یہ اس کو واقعتاً کھا جاتی ہے، نم کی صلاحیت پر اگر اس کو بھروسہ نہ ہو کہ یہ بیج کو پھٹنے اور کونپل بننے میں مدد دے گا، ہوا اور دھوپ پر اگر اس کو یقین نہ ہو، اور سب سے بڑھ کر بیج کی صلاحیت سے اگر وہ مطمئن نہ ہو...... تو کبھی وہ اپنے کھانے کے دانے مٹی کو نہ دے آیا کرے! مگر بات یہ ہے کہ اپنے یہ دانے اگر وہ رکھ بھی لے تو آخر کب تک کھائے گا؟! 'دانے' تو 'مٹی' سے ہی ایک نیا جنم پا کر آئیں تو بات بنتی ہے!

پس 'امید' تو کچھ کھو کر پانے کی ترکیب کا نام ہے! 'امید' یہ نہیں کہ آدمی اپنا سب کچھ اپنے پاس رکھ چھوڑے اور اپنی کسی لذت کی قربانی کا روادار نہ ہو! ایسا شخص تو آخری درجے کا 'ناامید' کہلانے کا مستحق ہے!

'دل' کی زمین میں 'عبادت' کی فصل بونا اور اس کو مسلسل 'نم' فراہم کرنا اور 'نیکی' کے اوزاروں سے مسلسل اس کی نگہداشت میں لگے رہنا...... 'امید' کی تصویر تو اصل میں یہ ہے! اور خدا کو اس کے اسماء وصفات سے جاننا بھی دراصل یہ! تبھی تو آخرت کا انکار خدا کا انکار ہے، خصوصاً خدا کی عظمت و کبریائی اور حکمت و دانائی اور اس کی رحمت و کرم اور اُس کے وکیل و کارساز اور قابل بھروسہ ہونے کا انکار ہے!

'امید' ایسا عظیم جذبہ جو قلبِ مومن میں موجزن ہوتا ہے، اور خدا کی بے شمار صفاتِ کمال پر یقین کا ایک عکسِ جلی ہے، اس کا ایک فاجر شخص کے اس اندازِ فکر سے کیا تعلق جو پورے دھڑلے سے خدا کی نافرمانی کرتے وقت کہے: 'ارے کیا ہوتا ہے'؟!

(استفادہ از: الجواب الکافی، مؤلفہ ابن القیمؒ)

حسنِ ظن درحقیقت حسن عمل ہے!

خدا کے ساتھ 'حسنِ ظن' دراصل 'حسنِ عمل' ہی کے ساتھ منسلک ہے۔ جو شخص خدا کے سامنے پیش کرنے کیلئے 'نیک اعمال' کے انتظام میں لگا ہے، درحقیقت تو وہی ہے جو خدا کے ساتھ 'نیک گمان' رکھتا ہے؛ یعنی یہ شخص گمان رکھے ہوئے ہے کہ اِس کا مالک مطلق لائقِ بندگی ہے، ہر نفیس جذبہ اور ہر عمدہ عمل اُس کی خدمت میں پیش کر دینا ہی اُس کو سزاوار ہے۔ اور یہ کہ اِس کا مالک اِس کی نیکی کا بہترین صلہ دینے والا ہے، اپنا وعدہ ضرور پورا کرنے والا ہے، 'توبہ' جب اِس نے کر لی ہے تو وہ ضرور اس کو قبول فرمائے گا، 'معافی' جب یہ اُس سے مانگنے لگ گیا ہے تو وہ مہربان ضرور اِس کو معاف کر دے گا۔

رہا وہ شخص جو کبیرہ گناہوں میں ہی صبح شام مگن ہے، مالک کی نافرمانیاں کرنے سے ہی فرصت نہیں پاتا اور ظلم اور زیادتیاں کرنا ہی اپنا معمول بنائے بیٹھا ہے؛ تو ظلم اور حرام کاری کی تو وحشت کچھ ایسی چیز ہے کہ وہ انسان کو اپنے رب کے ساتھ "بہترین گمان" رکھنے ہی نہ دے۔ جو غلام اپنے مالک کے ہاں سے بھاگ کھڑا ہوا ہو، اور مالک کے درہ بردار آدمی اس کو پکڑ لانے کیلئے حرکت میں آنے والے ہوں، بھلا ایسا غلام اپنے مالک کے ساتھ 'نیک گمان' رکھنے کی طاقت کہاں پائے گا!؟

چنانچہ حسن بصری کا قول ہے: مومن کا گمان اپنے رب کے ساتھ اچھا ہوا تو تبھی وہ اچھے عمل کرنے لگا۔ ایک بدکار شخص کا گمان اپنے رب کے ساتھ برا ہوا اسی لئے وہ برے عمل کرنے میں لگا ہے!

پس 'عمل' اور 'رویہ' ہی مالک کے ساتھ انسان کے 'گمان' کا اصل مظہر ہے!

خدائے رب العرش کے معاملہ میں وہ شخص 'نیک گمان' کیونکر ہونے لگا جو اُس کے ہاں سے بھاگا ہوا ہے؟! اِس کا ہر قدم اُس کے مخالف سمت میں اٹھتا ہے اور اِس کے سفر کی ہر منزل اِس کو اُس سے دور ہی کرنے کیلئے ہے؟! ہر وہ جگہ جہاں اُس کا غضب برستا ہو، یہ رخ کرے تو ہمیشہ وہیں کا؟! ہر وہ فعل جو اُس کو ناراض کر دینے والا ہو، یہ بڑھ کر ہاتھ ڈالے تو ایسے ہی فعل کو؟!

خدائے مالک الملک کی بابت وہ شخص 'نیک گمان کیونکر ہونے لگا جس کی نگاہ میں اُس کا حکم بھی بے وقعت ہو گیا ہو، اُس کا امر بھی اور اُس کا نہی بھی؟! خدا کا کہنا نہ کہنا جس کیلئے ایک برابر ہو گیا ہو؟!

خدائے ذوالجلال کے ساتھ 'نیک گمان' وہ شخص کیونکر ہونے لگا جو اُس کے ساتھ جنگ اور اُس کے دوستوں کے ساتھ دشمنی روا رکھے ہوئے ہے؟!

خدائے سمیع وبصیر کے ساتھ 'نیک گمان' وہ شخص کیونکر ہونے لگا جو خدا کی صفات کا تیا پانچہ کرتا ہو اور خدا کا ان صفات کے ساتھ ذکر کرنا، جن کے ساتھ اُس نے خود اپنا ذکر کیا اور اُس کے رسولؐ نے اُس کا ذکر کیا، اپنے حق میں ایک پاپ جانتا ہو؟! جو (جہمیہ کی طرز پر) گمان رکھتا ہو کہ اُس کا خالق نہ تو کلام کرتا ہے، نہ احکامات دیتا ہے، نہ ممانعت کرتا ہے، نہ خوش ہوتا ہے اور نہ ناراض ہوتا ہے؟! مطلب یہ کہ خدا کی بابت اسکا اعتقاد ہی خراب ہے!

قرآن میں بیان ہوا کہ دوزخیوں کو سزا دیتے وقت بتایا جائے گا کہ یہ دراصل وہ خدا کے ساتھ برا گمان رکھنے کی سزا پا رہے ہیں، جس سے وہ اب تباہی کے گڑھے میں جا گرے ہیں:

وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ (حم لسجدۃ: ۲۳)

''یہ تمہارا گمان تھا جو تم نے اپنے رب کے ساتھ رکھا، اسی نے تمہیں برباد کرایا، جس کے نتیجے میں تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو گئے''

'خدا کی بابت گمان' کیا چیز ہے، اس کا اندازہ آیئے ذرا اس حدیث سے کرتے ہیں:

عن أبی سهل بن حنیف، قال: دخلت أنا وعروة بن الزبیر علیٰ عائشة رضی الله عنها، فقالت: لو رأیتما رسول الله ﷺ فی مرض له، وكانت عنده ستة دنانیر، أو سبعة دنانیر. فأمرنی رسول الله ﷺ أن أفرقها، فشغلنی وجع رسول الله ﷺ حتیٰ عافاه الله، ثم سألنی عنها: ما فعلت أكنت فرقت الستة دنانیر؟ فقلت: لا والله، لقد كان شغلنی وجعك. قالت: فدعا بها فوضعها فی كفه، فقال: "ما ظن نبی الله لو لقی الله وهذه عنده؟!" وفی لفظ: "ما ظن محمد بربه لو لقی الله وهذه عنده؟!"[(ا)]

روایت ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے، کہا: میں اور عروہ بن الزبیر، عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: کہیں اگر تم دونوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک مرض کی حالت میں دیکھا ہوتا۔ آپؐ کے پاس چھ سونے کی اشرفیاں تھیں، یا پھر سات اشرفیاں ہوں گی۔ آپؐ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں انہیں ضرور تمندوں میں بانٹ دوں۔ مگر میں رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے باعث الجھی رہی، یہاں تک اللہ نے آپؐ کو شفایاب کر دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: کیا بنایا، کیا وہ چھ اشرفیاں تم نے تقسیم کر دی تھیں؟ میں نے عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم، میں آپ کی بیماری میں الجھی رہی۔ عائشہؓ کہتی ہیں: تب آپؐ نے وہ اشرفیاں منگوا کر اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا: "کیا گمان ہے نبیؐ اللہ کا، اگر وہ خدا سے جا ملتا اس حال میں کہ یہ اس کے پاس ہی ہوتیں!" ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: "کیا گمان ہے محمدؐ کا اپنے رب کی بابت، اگر وہ اللہ سے جا ملا ہوتا اس حال میں کہ یہ اس کے پاس ہی ہوتیں!"

(ا) الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، (مسند احمد، ابن حبان) ارنؤ ط نے اسے صحیح کہا

سبحان اللہ!!! 'کیا گمان ہے محمدﷺ کا اپنے رب کے بارے میں، اگر وہ ان چھ یا سات اشرفیوں کے ساتھ ہی اپنے رب سے جا ملے ہوتے، بغیر اس کے کہ وہ انہیں اسی دنیا میں لٹا کر جائیں!!!'' تو پھر، خدارا، کبھی سوچا، ان لوگوں کا اپنے رب کے بارے میں کیا خیال ہے جو کبائر کا انبار اٹھائے پھرتے ہیں؟! جنہوں نے حرام کے ڈھیر لگا رکھے ہیں؟! جو انسانوں پر زیادتی اور غصبِ حقوق کی صورت میں مظالم کے پہاڑ اٹھائے پھرتے ہیں؟! یہ لوگ اپنی اس بے پروائی کو 'خدا کے ساتھ حسنِ ظن' کا نام دیں تو پھر خدا کے ساتھ بندے کا حسنِ ظن یہ ہوا کہ نہ تو وہ ظالم کو کبھی پکڑنے والا ہے، نہ بدکار کو کبھی سزا دینے والا ہے، لہٰذا آدمی جو چاہے سو کرے، کھل کر خدا کی نافرمانی کرے اور پوری ڈھٹائی سے اس کی حدوں کو پامال کرتا پھرے، البتہ خدا کے ساتھ یہ 'نیک گمان' ساتھ ضرور رکھے کہ وہ اس پر اسے کچھ نہ کہے گا اور یہ کہ روزِ قیامت آگ تو برے آدمی کو چھونے کی چیز ہی نہیں!!! سبحان اللہ! غرورِ آرزو انسان کو کہاں تک پہنچا دیتا ہے!

فما ظنکم برب العالمین؟ (الصافات: ۸۷)

''تو تم نے جہانوں کے پروردگار کی بابت آخر سمجھ کیا رکھا ہے؟؟؟''

پس جو بھی اس مسئلہ پر غور کرے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہ رہے گا کہ 'خدا کے ساتھ حسنِ ظن' درحقیقت 'حسنِ عمل' ہی کا نام ہے۔ جو چیز انسان سے حسنِ عمل کرواتی ہے وہ خدا کے ساتھ اس کا حسنِ ظن ہی ہے کہ وہ ذاتِ کریم کیونکر انسان کے عمل کو پزیرائی بخشتی اور قبولیت سے نوازتی ہے اور اس پر اپنے فضل سے بھی عطا کرتی ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو ہرگز غلط نہ ہوگا کہ: جتنا کسی شخص کا اپنے رب کی بابت گمان اعلیٰ درجے کا ہوگا اتنا ہی اس کا عمل اعلیٰ پائے کا ہوگا!

(استفادہ از: الجواب الکافی، مؤلفہ ابن القیمؒ ص ۱۴، ۱۵)

اگر کہیں تم سن لو!

یحییٰ بن معاذؒ کہتے ہیں:

'ارے اے غافل، نادان!

کہیں اگر تم سن لو ان قلموں کی چر چراہٹ، جب وہ تمہارا نام لکھتی ہیں، اس وقت جب تمہارا مولیٰ تمہارا نام لیتا ہے، اور الملأ الأعلی کی مجلس لگی ہوتی ہے!!!!! تم خوشی سے مرجاؤ کہیں اگر تم تصور کرلو اس لمحہ کا، جب تمہارا مولیٰ اپنے نفس میں تمہارا ذکر کرتا ہے'......!!!

"اے ابن آدم! تم اپنے نفس میں میرا ذکر کرو تو میں اپنے نفس میں تمہارا ذکر کروں۔ تم اگر برسر مجلس میرا ذکر کرو تو اس سے برگزیدہ تر مجلس میں تمہارا تذکرہ کروں" -مسند احمد

سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ
وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ!!! (ابوداود، نسائی)

"سجدے میں پڑو.. اور قریب ہو جاؤ"......!!! (العلق:۱۹)

"عبد، اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے؛ جب وہ سجدے میں ہوتا ہے!!! تو پھر (سجدوں میں پڑے) اس کو خوب پکارو......"!!! (صحیح مسلم)

"آگاہ رہو، مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع یا سجدے میں ہوں تو قرآن پڑھوں۔ تو پھر جب تم رکوع میں ہو، پروردگار کی تعظیم بیان کرو۔ سجدے میں پڑو، تو دعا میں اپنا زور صرف کردو۔ بڑا ہی موقعہ ہے کہ تمہاری سنی جائے"......!!! (صحیح مسلم)

"جان رکھو، جو ایک سجدہ بھی (جھک کر) تم خدا کے آگے کرو گے، اس کے بدلے وہ اتنی ہی رفعت تم کو بخشے گا"......!!! (مسند احمد)

"اور جس کو اللہ ہی کوئی نور نہ دے، ہرگز نہیں اس کے واسطے کوئی نور!!! کیا تو نے دیکھا نہیں، جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، اور پر پھیلائے ہوئے پرندے، سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں؟!!...... ہر ایک نے جان لیا ہے طریقہ اپنی نماز اور تسبیح" (النور:۴۰-۴۱)

تو پھر تسبیح اللہ کی، جب تم شام کرتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو___ اور اسی کی تعریف ہوتی ہے آسمانوں میں اور زمین کے اندر___ اور پچھلے وقت، اور جب دوپہر ہو!!! (الروم:۱۷-۱۸)

(عالمِ بہشت میں، رفاقتِ نبویؐ کی طلب بتانے والے صحابی سے):

"کثرتِ سجود سے اپنی بابت میری اعانت کرو" (صحیح مسلم)

کسی عارف سے پوچھا گیا: کیا دل بھی سجدہ کرتا ہے؟

اس نے جواب دیا: ہاں، ایسا سجدہ جس سے وہ قیامت تک سر نہ اٹھائے!!!

(طریق الہجرتین: ص ۴۵۵)

(استفادہ از احیاء علوم الدین مؤلفہ ابو حامد الغزالی)

آس!

شعوانہ نام کی ایک سیاہ فام خاتون، کہ عبادت گزاروں میں اس کا ذکر ہوتا تھا، خدا کو پکارتی تو یوں گویا ہوتی:

'الٰہی! تجھے ملنے کا شوق کیا چیز ہے! تجھ سے خیر پانے کی امید کیا زبردست ہے! اور تو وہ عزت دار کہ جس کے در سے کوئی امید لے کر آیا سوالی کبھی خالی نہیں گیا اور شوق سے آیا ہوا کوئی شخص محروم نہیں لوٹا!

الٰہی! اگر میری اجل قریب آ چکی ہے اور میرے دامن میں کوئی ایک بھی ایسا عمل نہیں جو مجھے تیری قربت نصیب کرادے، تو مالکا پھر میں اپنے اس اعترافِ قصورواری کو ہی اپنا وسیلہ بنا کر تیرے حضور پیش کرتی ہوں! الٰہی تو اگر میری یہ سماجت قبول کرلے اور مجھے معاف فرمادے تو تجھ سے بڑھ کر بھلا یہ شان کس کی ہے کہ ذلت سے پھیلائے گئے ہاتھوں میں مغفرت کی خیرات ڈال دے!؟ اور اگر تیرا فیصلہ مجھے عذاب ہی دینے کا ہے تو مالکا تجھ سے بڑھ کر عدل کس کا ہے؟!

الٰہی! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ میں اس ناتواں نفس کا خیال نہ رکھ پائی اور اس پر زیادتی کر بیٹھی۔ الٰہی! تو ہی اب اس پر رحم فرمادے!

الٰہی اس زندگی میں تیرا لطف اور کرم دیکھنے کی عادی ہوگئی ہوں، الٰہی کہیں ایسا نہ ہو کہ اگلے جہان میں آنکھ کھولوں تو تیرے اس لطف سے محروم ہو چکی ہوں! تو وہ

ذات ہے کہ میں جیتی ہوئی اس کے سہارے رہی۔ الٰہی! جب میں مروں تو آخر کس کا سہارا دیکھوں!؟

الٰہی! میرے گناہ مجھے ڈراتے ہیں تو تیری محبت مجھے سہارا دیتی ہے! بارِ الہا! جب تو میرا معاملہ نمٹانے لگے تو وہ فیصلہ ہو جو تیرے شایان ہے اور جس کا کہ تو اہل ہے نہ کہ وہ فیصلہ جس کی میں اہل ہوں! الٰہی میری جہالت نے اگر مجھے کسی فریب میں مبتلا رکھا ہے تو پھر تیرے فضل کے سوا میرا کیا آسرا ہو سکتا ہے؟!

الٰہی! تیرا ارادہ مجھے اگر ذلیل کرنے کا ہوتا تو تو مجھے ہدایت نہ دیتا! تیرا ارادہ مجھے رسوا کرنے کا ہوتا تو ساری زندگی تو میری پردہ پوشی کر کے نہ رکھتا! خدایا! یہ ہدایت تو نے مجھے جس مقصد کیلئے دی، مجھے اس مقصد تک پہنچا! خدیا میرے اوپر اپنی یہ پردہ پوشی صدا بحال رکھ!

الٰہی! ساری زندگی تجھ سے تیری قربت کا سوال کرتے گزاری۔ خدایا زندگی بھر کی یہ تمنا ہے تو پھر اس میں مجھے نامراد نہ رہنے دیجیو! الٰہی! میں نے اتنے گناہ سرزد نہ کئے ہوتے تو تیرے پاس آنے سے نہ ڈرتی! الٰہی! تیرے کرم کی خبر نہ پا چکی ہوتی تو تیری نوازش کی آس نہ رکھتی!

الٰہی! گناہوں کی شرم ہے جس نے میری زبان گونگی کر دی۔ عمل میرے پاس نہیں۔ تیری رحمت پر نظر اور تیرے فضل کی آس کے سوا میرا کوئی وسیلہ اور نہ میرے پاس کوئی سفارش!'

(استفادہ از احیاء علوم الدین مؤلفہ ابوحامد الغزالی ج۴ ص۴۱۵-۴۱۶)

ایک در جو کھلا ہے!

حبیبہ عدویہ کی بابت آتا ہے کہ نماز عشاء کے بعد کوئی ایک ساعت گزرتی تو وہ اپنے گھر کی چھت پر چلی جاتی۔ اپنی اوڑھنی اپنے گرد کس کر لپیٹ لیتی کہ بار بار نہ کھلے۔ قیامِ شب میں کھڑی ہو جاتی اور اس سے پہلے یوں گویا ہوتی:

الٰہی! تارے گہرے چلے گئے۔ آنکھیں سونے لگیں۔ سب بادشاہوں نے اپنے پھاٹک بند کر لئے۔ ہر پیار کرنے والا اپنے پیارے کے ساتھ خلوت میں جا چکا۔ اور تیری یہ بندی ہے جو تیرے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے!

اس کے بعد وہ اپنی نماز میں مگن ہو جاتی۔

فجر ہو جاتی تو گویا ہوتی:

الٰہی! رات جا چکی۔ دن چڑھ آیا۔ آہ کہیں مجھے معلوم ہو جائے، تو نے قبول کر لی ہے تو خوشیاں کروں، رد کر دی ہے تو بین کروں! تیری عزت کی قسم! جب تک تو مجھے یہاں رکھے گا تیرے آگے روز کھڑی ہوں گی۔ ہاتھ پھیلا کر ہی رکھوں گی۔ تیرے در کو چھوڑ کر کہاں جاؤں؟ کچھ بھی ہو میں یہاں سے نہ ہلوں گی۔ تیرا اکرم جس کو نظر آتا ہو وہ اس کو چھوڑ کر بھلا کہا جاتا ہے؟!

(استفادہ از احیاء علوم الدین، مؤلفہ ابو حامد الغزالی، ج ۴ ص ۴۱۴)

فوائد

عبادت کی ایک متروک قسم:

تفکر اور عبرت

اثر 285: روایت حسن بصری سے، کہا:

بہترین اعمال میں سے ہے: آدمی کا ورع کرنا اور تفکر اختیار کرنا۔

اثر 286: روایت عون بن عبدا اللہ سے، کہا: میں نے ام الدرداء سے دریافت کیا: ابوالدرداء کونسی عبادت سب سے زیادہ کرتے تھے؟ کہا: تفکر اور عبرت۔

اثر 287: روایت عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن موہب سے، کہا:

میں نے سنا محمد بن کعب قرظی کو یہ کہتے ہوئے:

''مجھے یہ کہیں عزیز ہے کہ میں پوری رات اذا زلزلت الارض اور القارعة پڑھتے ہوئے نماز میں گزار دوں، اور اس سے زیادہ کچھ بھی تلاوت نہ کروں، بس پلٹ پلٹ کر انہی دو سورتوں پہ سوچتا رہوں اور انہی پہ غور کرنے میں رات پار کر دوں ...... بہ نسبت اس بات کے کہ میں سر ہلا ہلا کر ایک ہی رات میں پورا قرآن پڑھ جاؤں!''

اثر 288: عکرمہ سے عن ابن عباس، کہا:

دو رکعتیں نہ بہت لمبی نہ بہت مختصر، جن میں خوب تفکر کیا گیا ہو، وہ اس سے کہیں بہتر ہیں کہ آدمی پوری رات قیام میں گزار دے، جبکہ دل غیر حاضر ہو۔

(از: کتاب الزھد والرقائق، مؤلفہ عبداللہ بن المبارکؒ)

جہالت تھکاتی زیادہ ہے!

راستہ معلوم نہ ہو، راستے میں کیا کیا آفتیں بیٹھی ہیں کچھ پتہ نہ ہو، مقصودِ سفر کیا ہے آدمی پر واضح نہ ہو، مگر آدمی چلا جا رہا ہو.. تو آدمی تھکتا زیادہ ہے اور فائدہ نہ ہونے کے برابر۔

- ایسا آدمی نفل عبادتوں میں جتا ہوگا، اس حال میں کہ بہت سے فرائض چھوٹ رہے ہوں گے،
- جوارح نہایت سرگرم ہوں گے، تو قلب کا عمل معطل پڑا ہوگا،
- باطن اور ظاہر کو عمل کرنا نصیب بھی ہو گیا، تو اقتدائے سنت مفقود ہوگی،
- کسی عمل کی ہمت کر لی گئی ہوگی، مگر اس سے شارع کا مقصود کیا ہے اس کا رنگ عمل کے اندر آنے سے رہ گیا ہوگا،
- عمل کر لیا گیا ہوگا، مگر عمل کی وہ آفتیں جو دورانِ عمل آتی ہیں اور عمل کو برباد کر دیتی ہیں، یا پسِ عمل حملہ آور ہوتی ہیں، ان سے بچاؤ نہ ہو پایا ہوگا،
- عمل نصیب ہونے میں خدا کا احسان روپوش رہ گیا ہوگا، یوں وہ عاجزی جو عمل کر لینے کے بعد ہونی چاہیے اس کا انتظام نہ ہو پایا ہوگا اور یوں عمل میں نفس کے حظ کی آلائش بھی ساتھ آ گئی ہوگی،
- یا پھر عمل میں آدمی اپنی تقصیر نظر انداز کر بیٹھا ہوگا، یوں نیکی کے بعد آدمی میں جو ایک اعتذار کی کیفیت پیدا ہونا ہوتی ہے کہ وہ مالک کے لائق چیز پیش نہ کر سکا، وہ کیفیت اس سے چھوٹ گئی ہوگی،

- یا پھر عمل میں جو عمدگی اور دلجمعی آنی چاہیے وہ اس پر واضح نہ ہوگی، یوں عمل کے اندر مقامِ احسان کی طلب اس کا مطمع نظر ہی نہ بن پائی ہوگی۔

جبکہ اس کا خیال ہوگا کہ عمل کر کے اس نے عمل کا حق ادا کر دیا ہے! اصل چیز تو صاحبِ 'عمل' کے اندر 'اعمال' کرنا ہے!!!

سچ ہے، جہالت تھکاتی زیادہ ہے اور پہنچاتی کم!

خدایا! توفیق بخشنے والا بس تو ہے!

(استفادہ از: الفوائد، مؤلفہ ابن القیمؒ، ص ۱۷۱)

'نیت' ایک دشوار عمل ہے!

– احمد بن داود حربیؒ بیان کرتے ہیں: یزید بن ہارونؒ نے عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث **انما الاعمال بالنیات** روایت کی۔ پاس احمد بن حنبلؒ تشریف فرما تھے۔ احمد یزید کو مخاطب کر کے بولے: ابو خالد! ہم پھنس گئے!

– فضیل بن عیاض کہتے ہیں: میں نے حدیثِ نیت ذکر کرنے کے بعد امام احمد سے دریافت کیا: نیت کیسے ہو؟ فرمایا: نفس کے ساتھ مسلسل جنگ، جب بھی 'عمل' کرے لوگوں کے خیال کو احاطۂ قلب سے باہر نکال کر آئے اور ہر وقت ہی خدا کے لئے اس کو جھاڑ مانجھ کر رکھے!

– یحییٰ بن کثیر: عمل سیکھتے ہو۔ نیت بھی تو سیکھو۔ نیت کی پہنچ تو عمل سے بھی دور تر ہے!

– سفیان ثوریؒ: جتنی مشکل مجھے نیت کی درستی میں پیش آئی اتنی کسی چیز میں کبھی پیش نہیں آئی۔ ابھی ٹھیک کر کے ہٹے نہیں کہ معاملہ پھر خراب ہوا پڑا ہوتا ہے!

– یوسف بن الحسین رازیؒ: 'اخلاص' دنیا کی کم یاب ترین جنس ہے۔ میں کتنی ہی محنت کر کے ریاء کو دل سے نکالتا ہوں مگر وہ کسی اور رنگ میں پلنا شروع ہوئی ہوتی ہے!

– عبد اللہ بن مبارکؒ: کتنے ہی چھوٹے چھوٹے عمل ایسے ہیں جن کو 'نیت' پہاڑوں سے بڑا کر دیتی ہے۔ کتنے ہی عظیم عمل ہیں جنہیں 'نیت' رائی سے چھوٹا کر چھوڑتی ہے!

– فضیل بن عیاضؒ: اللہ کو اصل میں تو تمہارا ارادہ اور تمہاری نیت مطلوب ہے!

– سہل بن عبداللہ تستریؒ: 'اخلاص' سے بڑھ کر نفس پر کوئی چیز شاق نہیں۔ وجہ یہ کہ نفس کا اس میں کوئی حصہ ہوتا ہی نہیں!

– یوسف بن اسباطؒ: طویل طویل عبادتیں کر لینا ابھی پھر آسان ہے، مگر نیت کو فساد سے بچانا اور نہایت خالص حالت میں رکھنا تو ایک بہت ہی مشکل کام!

– سفیان بن عیینہؒ: مطرف بن عبداللہؓ کی دعا ہوتی تھی:

خدایا! میں استغفار کرتا ہوں ہر اس چیز سے جس سے میں توبہ کر کے تیری طرف آیا اور پھر اس کی جانب رخ کر بیٹھا۔ میں استغفار کرتا ہوں ہر اس چیز سے جس کا میں نے اپنے نفس کو تیری خاطر پابند کیا اور پھر اس میں وفا نہ کر پایا۔ خدایا! میں استغفار کرتا ہوں ہر اس چیز سے جس کی بابت مجھے زعم رہا کہ اسے میں نے تیرا چہرہ پانے کیلئے خالص کر رکھا ہے مگر میرا دل اس کو خالص نہ رکھ پایا!

(استفادہ از: جامع العلوم والحکم شرح اربعین نووی، مؤلفہ امام ابن رجب الحنبلیؒ، حدیث رقم ۱)

دنیا آخرت کا زینہ!

– سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں: دنیا کو متاع الغرور کہا گیا، یعنی 'سامانِ فریب'۔ کیونکہ یہ تمہیں طلبِ آخرت سے غافل کرتی ہے۔ ہاں اس کی جو چیز تمہیں آخرت سے غافل نہیں کرتی وہ 'سامانِ فریب' نہیں بلکہ وہ تو 'سامانِ سفر' ہے جس سے کام لے کر تم وہاں پہنچ جاتے ہو جو کہ اِس سے بھی بڑھیا جہان ہے!

– یحیٰی بن معاذ رازیؒ کہتے ہیں: میں دنیا کو کیوں پسند نہ کروں، جس میں میری ایک روزی رکھی گئی، کہ وہ روزی کھا کر میں ایک زندگی پاؤں، کہ اس زندگی کے اندر میں نیکی کے ایک رتبے کو پہنچوں، کہ نیکی کا وہ رتبہ میرے لئے آخرت کا زینہ بنے!

– ابوصفوان رعینیؒ سے دریافت کیا گیا، جو کہ عارفین میں شمار ہوتے ہیں، وہ دنیا جس کی اللہ نے قرآن کے اندر مذمت فرمائی ہے کیا ہے، کہ ہوش مند آدمی اس سے کنارہ کش رہے؟ جواب دیا: دنیا کی ہر وہ چیز جس کو پانے سے تمہارا مقصد دنیا کو پانا ہو، مذموم ہے۔ دنیا کی ہر وہ چیز جس کو پانے سے تمہارا مطمع نظر آخرت ہو، وہ اس زمرے میں نہیں آتی۔

– حسن بصریؒ فرماتے ہیں: دنیا کا جہان کیا ہی خوب ہے، مگر مومن کیلئے؛ یعنی تھوڑا سا عمل کیا اور اسی کو اپنا زادِ راہ بنا کر جنت جا پہنچا! اور یہ کیا ہی برا جہان ہے کافر اور منافق کیلئے؛ یعنی کچھ راتوں کی رنگ رلیاں اور اس کے بدلے ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم!

(استفادہ از: جامع العلوم والحکم، مؤلفہ ابن رجب الحنبلی، بابت حدیث رقم ۳۱)

(استفادہ از: الفوائد، مؤلفہ ابن القیمؒ)

’پہنچا ہوا‘ !

بندہ خدا کی جانب عازم سفر ہوتا ہے اور اُس تک پہنچنے کا قصد کر کے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، تو بہت سے فریب راہ میں اس کی گھات لگا کر بیٹھتے ہیں۔ ’رہزنی‘ کی متعدد وارداتیں اس کے ساتھ پیش آنا ہوتی ہیں، ہر بار اِس کو خدا ہی بچائے تو بچائے..

پہلے خواہشات اور شہوات ہزار روپ بھر کر اسکے راستے میں آتی ہیں۔ سیادت، عہدے، مناصب اس سے ’محض خدا کا قصد‘ چھڑوانے میں سب اپنی اپنی صلاحیت آزماتے ہیں۔ آسائشیں، بہتر سے بہتر مواقع، اونچے اونچے گھرانوں سے رشتے، اسکے ذہن پر حاوی ہونے کیلئے کافی ہوتے ہیں۔ سواریاں، محلات، پوشاکیں باقاعدہ ایک کھینچ رکھتی ہیں۔ یہ سب چیزیں اسکے دامن سے لپٹتی ہیں تو اسکو آگے جانے کا چھوڑتی ہی نہیں۔ وہ یہیں رہ بسے تو اسکا سفر ختم، آگے بڑھتا چلا جانے پر ہی مصر ہے تو دامن کھینچ کر چھڑانا پڑتا ہے۔

اسکی طلب صادق ہے اور وہ یہیں بیٹھ رہنا گوارا نہیں کرتا تو اگلی گھاٹی آتی ہے۔ یہاں آزمائش نے عقیدت کا روپ دھار لیا ہے۔ اب دست بوسی ہونے لگتی ہے۔ ارادتمندوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ مجلس میں وارد ہوں تو ہر آدمی حضرت کیلئے اپنی نشست چھوڑتا ہے۔ ’دعاؤں کی درخواستیں‘ ہونے لگتی ہیں۔ برکت کیلئے یہیں کا رخ ہوتا ہے، اور اپنے ہاں قدم رنجہ فرمانے کی درخواست بھی۔ یہ سب، اسکو گرا لینے کیلئے کافی ہوتا ہے۔ کوئی قسمت والا ہی اسکی تاب لائے تو لائے۔ وہ یہاں رک جائے تو یہی اس کا نصیب ہوتا ہے اور یہی اس کا حظ۔

یہاں سے آگے بڑھے تو کرامات کی آزمائش آتی ہے۔ وہ ان میں الجھ جائے تو خدا کا قصد چلا جاتا ہے اور بس یہی اس کا حظ ٹھہرتا ہے۔

یہاں بھی نہیں رکتا تو 'اخلاص' اور 'تجرد' ہی، جو کہ اس کو یہ سب راستہ چلاتا آیا، اب اس کے حق میں ایک آفت کی صورت دھارتا ہے۔ 'تنہائی' کی کچھ ایسی لت پڑ جاتی ہے کہ شریعت اور جہاد کے بہت سے مصالح معطل ہو جاتے ہیں۔ 'خلوت' کی طلب حد سے بڑھ جاتی ہے اور خدا کی جانب توجہ کی 'دلجمعی' اور اس میں 'لذت' پانے کے عمل میں وقت کے نہایت اہم فرائض قربان ہونے لگتے ہیں۔

وہ یہاں رک جائے تو خدا کی جانب سفر ختم اور تسکینِ نفس کا عمل شروع۔ اور اگر راستے کی کسی منزل پہ رکنے کا روادار نہیں اور خدا کی جانب مسلسل بڑھتا چلا جانے کا عزم برقرار رکھتا ہے، یوں کہ اسکی نظر اس بات پر جا ٹکے کہ خدا اس سے عین اس لمحے کیا چاہتا ہے، وہ خدا کے در پہ چاک و چوبند نوکر کی طرح حکم لینے کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے کہ خدا ایک بار اشارہ کر دے کہ اُس کی مرضی اور خوشنودی فلاں چیز یا فلاں ادا میں پائی جاتی ہے وہ اپنی پسند ناپسند کو پس پشت ڈال کر اُس کے اشارے کی سمت میں ہی بھاگ کھڑا ہو گا، خدا کا اس سے عین اس وقت جو تقاضا ہے اس کی نگاہ اس پر سے ہٹ جانا ایک لمحے کیلئے بھی اِسکو گوارا نہیں، خواہ وہ اس کے نفس کو بھائے یا اس کیلئے باعث تکلیف ہو، اس کی خلوت کو برقرار رکھے یا لوگوں کے ہجوم میں اِس کو دھکیل دے، اِس کا اپنا کوئی اختیار ہے ہی نہیں سوائے جو اِس کا آقا اور اِس کا مالک ہی اس کیلئے اختیار کرے، یہ اُس کا بندۂ محض کہ جس کا نفس اس کیلئے اتنا بے وقعت ہو چکا کہ مالک کی مرضی اور خوشنودی کے سامنے اس کی اپنی پسند کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا بلکہ تو ایک بڑی جسارت ہے...... غرض آدمی خدا کے اشارے کی سمت بھاگ اٹھنے کا شیوہ چھوڑنے پر تیار نہیں تو یہ ہے وہ شخص جو خدا کو اپنا نصب العین بنا رکھنے اور اس کا قصد کرنے سے دستبردار نہیں۔ 'پہنچا ہوا' کوئی ہے تو دراصل یہی شخص!

جس کا 'سفر' جاری، 'عاجزی' برقرار، 'توحید' سلامت اور 'قصد' زندہ ہے 'پہنچا ہوا' وہ ہے...... نہ کہ تھک کر بیٹھ رہنے والا اور اپنی کمائی یہیں بیٹھ کر کھانے والا!

(استفادہ از: الفوائد، مؤلفہ ابن القیمؒ ص ۱۷۲)

دوستی کا بدل!

خردمند!

کیا تجھے اپنی منزلت کا اندازہ بھی ہے؟ سب کائنات تیری خدمت کے لئے پیدا کی گئی! سب لطف وکرم تیرے ہی لئے رکھ چھوڑا گیا! کائنات ایک شجر، تو تُو ثمر! وہ تصویر، تو تُو اس کا مرکزی خیال! وہ صدف، تو تُو گہر!

نادان!

تجھے اپنی منزلت کا ادراک ہوتا تو اپنے آپ کو معصیت کی سڑاند میں نہ پھینک آتا!

وائے عجب!

ہم نے تو ابلیس کو دھتکار دیا کہ اس نے تجھے سجدہ نہ کیا، جب تو ابھی اپنے باپ کی صلب میں تھا.. تُو آیا تو اس کے ساتھ صلح کر کے بیٹھ گیا، اور ہمیں ہی چھوڑ دیا!

> ''اور یاد کرو جب ہم نے کہا فرشتوں سے: سجدہ کرو واسطے آدم کے۔ سو سجدہ کیا سب نے بجز ابلیس کے۔ وہ جنات میں سے تھا، سو وہ اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا۔ تو کیا پھر تم پکڑتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو اپنا دوست، مجھے چھوڑ کر، جبکہ وہ ہیں تمہارے دشمن؟ نہایت برا ہے ظالموں کے حق میں (اللہ کی دوستی کا) یہ بدل!'' (الکہف:۵۰)

(بدائع الفوائد، ابن القیم، ۳:۷۳۱)

ہوشیار!

📖 ہوائے نفس کی شراب لطف دیتی ہے مگر گلا گھونٹ دیتی ہے! جال گرنے کا لمحہ جس کی نظر میں ہے، دانہ چگنے سے باز رہنا اس کیلئے بہت ہی وارے کا ہے!

......

📖 'مزے' کے لب پہ بوسہ لینے والا، جب 'پچھتاوے' کے دانت میں پکڑا جائے، تو پھر چیخے نہیں!!!

......

📖 اس کو عقلمند کیونکر کہیں، جو پوری بہشت کو، کہ جو آسمانوں اور زمین جتنی چوڑائی رکھتی ہے، ایک گھڑی کی شہوت کے عوض بیچ ڈالے؟!!

......

📖 بے وقوف، ایک چوتھائی دینار☆ تو بے آبرو ہونے کا مول نہیں، تم ہاتھ کٹوانے کے لئے تیار پھرتے ہو؟!

......

📖 ارے اے نادان جو اپنی عمر کی پونجی مالکِ کائنات کے مخالف چلنے اور اُس سے دوری بڑھانے میں صرف کئے جا رہا ہے، تیرے اپنے دشمنوں میں خود تجھ سے

☆ چوتھائی دینار، شریعت کے اندر قطعِ ید کا نصاب ہے۔ یعنی اگر چیز مسروقہ کی مالیت ایک چوتھائی دینار (ایک گرام اور کچھ سونے) سے زیادہ ہو تو جرم ثابت ہو جانے پر یہ چور کا ہاتھ کاٹ دینے کا موجب ہوتا ہے۔ یہاں الفاظ تمثیلاً استعمال ہوئے ہیں۔ چوتھائی دینار 'دنیا کی حرام طلب' پر بولا گیا اور ہاتھ کٹوانا 'عذابِ آخرت' پر۔

بڑھ کر اور تجھ سے خطرناک تر کوئی دشمن نہیں! چوکنا رہو تو اِسی نفس سے!، تجھ پر جو آفت بھی آئے گی وہ اِسی کی لائی ہوئی ہوگی! اِس کے ساتھ صلح جوئی کیسی؟! بخدا جس نے اِس کی اہانت نہ کی اس نے اِس کی تکریم نہ کی! جس نے اِس کو ذلت نہ سکھائی اس نے اِس کو عزت نہ دی! جس نے اِس کو انکساری نہ سکھائی اس نے اِس کو سرخرو نہ کیا! جس نے اِس کو نہ تھکایا اس نے اِس کو آرام نہ دیا! جس نے اِس کو خوفزدہ نہ کیا اس نے اِس کو بے خوفی کی نعمت سے محروم رکھا! جس نے اِس کو غم سے آشنا نہ کیا وہ اِس کو شادمانی نہ دے پایا!

......

📖 کوئی اہلکار یہ دیکھنا چاہے کہ سلطان کے ہاں اس کی کیا منزلت ہے، تو وہ یہ دیکھے سلطان نے اس کو مملکت میں ذمہ داری کیا سونپ رکھی ہے؟!

ہوش مند! ذرا اپنی زندگی میں نگاہ دوڑاؤ تو، تم سے اس دنیا کے اندر کیا کام لیا جا رہا ہے؟!

☆☆☆☆☆

(ماخوذ از الفوائد، مؤلفہ ابن قیم)

ذوقِ طلب!

📖 میری طلب کسی اور سے نہیں، اپنے آپ سے کرنا! مجھے کسی اور کے پاس نہیں، اپنے ہی پاس ڈھونڈنا! میں تمہیں وہاں مل جاؤں تو ٹھیک ورنہ اور کہیں نہ ملوں گا! کسی کے پاس کیوں جاؤ؟ تمہارے سب سے قریب میں ہی ہوں، تمہیں میں وہاں نہیں ملا تو بغور دیکھو کوئی خلل تمہارے ہی اندر یا کہیں آس پاس ہوگا! 'دور' جانا عبث ہے!!!

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ!!!

......

📖 'گھر' خالی کرلو، میں آبسوں گا!!!

......

📖 قسمت والے 'قربت' کا جو لطف لیتے ہیں، اگر کہیں تم اس کا اندازہ کرلو تو اپنی اِس 'دوری' پہ تمہارے یہاں ماتم کی صفیں بچھ جائیں!!!

......

📖 جس کو راستہ طویل لگے، اس کے قدم آہستہ ہو ہی جاتے ہیں!!!

......

📖 'معرفت' وہ بساط ہے جس پر 'منظورِ نظر' لوگوں کے سوا کسی کو پیر دھرنے کی اجازت نہیں!

'محبت' وہ نغمہ ہے جس پر وہی دل طرب میں آئے گا جو ہر دوسرے نغمے سے اچاٹ ہو چکا! 'محبت' ایک میٹھا لذیذ چشمہ ہے جس کے چاروں طرف تپتا صحرا ہے اور جس کی نشان دہی کیلئے 'بنی بنائی' پگڈنڈیاں نہیں پائی جاتیں! یہی وجہ تو ہے کہ اس تک کوئی کوئی پہنچتا ہے، البتہ 'طلبگار' اس تک پہنچے بغیر نہیں رہتے اور نہ کبھی اس کا راستہ بھولتے ہیں!

......

📖 سبحان اللہ! جنت کی دلہن 'رشتے' کیلئے آنے والوں کی راہ میں سج کر بیٹھی، اور تو نے دیکھا ذوق والے اس کی مانگ بھرنے کیلئے 'مہر' کا بندوبست کرتے بھاگے پھرتے ہیں...... خدائے رب العزت اپنے اسماء وصفات کی راہ سے قلوب پر جلوگر ہوا اور قسمت والے اُس کی طلب میں رات دن ایک کر چکے...... اور تو سدا کا بدبخت، جس نے اِس 'مردار' سے ہی فرصت نہ پائی!!!

......

📖 'عبادت' کرنے والے کو شجرِ 'طوبیٰ' کے تلے دم لینے سے پہلے آرام کہاں!؟ چشم تصور سے اپنے آپ کو اس کی چھاؤں میں ٹھاٹھ سے مجلسیں کرتا ہوا دیکھو، یہ سب محنت آپ سے آپ آسان ہو جائے گی! طالبِ صادق کو 'یوم المزید' سے پہلے قرار کہاں!؟ ذرا اس دن کا منظر اپنے سامنے لاؤ، اس کیلئے آج جو کچھ کر رہے ہو، نہایت بھلا لگنے لگے گا!

......

📖 امام احمد سے پوچھا گیا: مومن کو آخر آرام بھی کبھی دیکھنے کو ملے گا؟
فرمایا: ہاں، جب جنت میں پہلا قدم دھرلو!

......

📖 اس مختصر زندگانی میں اُس کی جانب یک رخ رہو، مابعد الموت کے اربوں کھربوں سال وہ تمہیں کفایت کرتا رہے گا!

......

بہشت کی روحیں بڑی ہی عجیب نکلیں۔قلوب کی سواریوں پر وہ سامان لادا کہ الامان والحفیظ! گویا دنیا خالی کر کے رکھ دیں گے! لاکھ فرمائشیں ہوئیں کہ راستے میں ذرا سامان کھولو تو۔ پر نہیں مانے۔ جواب دیا سامان بادشاہ کا ہے بادشاہ کے پاس جا کر کھلے گا! یہ قافلے چلے جاتے دیکھتا ہوں تو کبھی ان کو سحر کے وقت دیکھو! نسیمِ سحر شاید انہی کی راہ دیکھنے نکلتی ہے! دشتِ ہویٰ کو اقدامِ عزم سے یوں خوشی خوشی پار کر گئے کہ پتہ ہی نہ چلا! زیادہ نہیں چلنا پڑا، کہ کیا دیکھتے ہیں، واہ! منزل آ گئی!!! شہرِ وصل میں پہنچے تو انعامِ ابد سامنے تھا!!! خلد کی راحت نے دور ہی سے استقبال کیلئے بازو پھیلا دیے!!!

......

بادشاہ نے ہیرے جواہرات کے بے پناہ خزانے کسی بیابان میں رکھ چھوڑے ہیں، اور کسی کو ان کی خبر نہیں سوائے بادشاہ کے اپنے خاص لوگوں کے۔ ان خزانوں کا سراغ لگانا چاہو، تو بغور دیکھنا بادشاہ کے یہ خواص اور مقرب آدھی رات کو اٹھ کر بھلا کہاں جاتے ہیں! ان کے پیچھے پیچھے چل دو، تو بھی کچھ حرج نہیں!!!

خزانوں کی کوئی حد تھوڑی ہے!!!

......

پہرہ داروں کیلئے شب بیداری کوئی بات نہ رہی؛ کہ جانتے ہیں ان کی 'جاگتے رہو' کی آوازیں بادشاہ تک جاتی ہیں!

☆☆☆☆☆

سلمہ بن دینارؒ کہتے ہیں:

جو چیز تمہیں پسند ہے کہ وہ آخرت میں تمہارے ساتھ ہو اُس کو ابھی سے بُک کروادو۔ ایسا نہ ہو تم چلے جاؤ اور یہ پیچھے رہ جائے! جس چیز کے آخرت میں تمہارے پاس پائے جانے سے تمہاری جان جاتی ہے اس سے آج ہی جان چھڑالو۔ ایسا نہ ہو کہ جانے لگو تو سامان میں ساتھ ہی چلی جائے! (ماخوذ از الفوائد، مؤلفہ ابن قیم)

تو کیا قابو ہی آنے کا ارادہ ہے؟

ابراہیم بن ادہمؒ کے پاس ایک نوجوان آیا اور عرض کی: اپنے نفس پر زیادتی کرنے سے رکنا مشکل ہوا جاتا ہے۔ خود کو رہا کروانے کی کوئی صورت ہے؟

فرمایا: پانچ باتیں قبول کرلو، بشرطیکہ ان پہ قدرت رکھو، اس کے بعد کوئی معصیت تمہارا کچھ بگاڑ سکے گی اور نہ خدا کی حدیں توڑنا کچھ نقصان پہنچائے گا!

عرض کی: وضاحت فرمایئے؟

ابراہیمؒ: پہلی بات یہ ہے کہ خدا کی معصیت کا ہی ارادہ بنے تو اُس کا رزق کھانا چھوڑ دو!

نوجوان: تو پھر کہاں سے کھاؤں؟ زمین پر جو بھی ہے سب اُسی کا رزق تو ہے!

ابراہیمؒ: بھلے مانس! تو کیا اُس سے لے لے کر کھاؤ اور اُس کی نافرمانی کرتے جاؤ، یہ درست ہے؟ اور آخر یہ چلے گا کب تک؟

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اُس کی معصیت پہ تلے رہنا ہی منظور ہے تو اُس کے ملک سے کہیں باہر جا کر یہ کام کرلو!

نوجوان: یہ تو اس سے بھی مشکل ہوا۔ سارا اُسی کا ملک تو ہے، آخر میں کہاں جا سکتا ہوں؟

ابراہیمؒ: بندۂ خدا! تو کیا خیال ہے اُس کا دیا کھاؤ، اُس کے ملک میں رہو، اور پھر اُس کے احکامات کے بخیے ادھیڑو!

اچھا تو پھر تیسری صورت یہ ہے کہ اُس کا رزق کھائے بغیر بھی چارہ نہیں اور اُس کا ملک چھوڑنا بھی ممکن نہیں، تو کوئی ایسی جگہ ڈھونڈ لو جہاں تمہاری یہ دیدہ دلیری اُس کو نظر نہ آئے۔ معصیت جب کرنی ہو بس وہیں چلے جاؤ!

نوجوان: وہ تو ہر جگہ دیکھتا ہے!

ابراہیمؒ: اچھا تو اُس کا رزق کھا کر، اور اُس کی زمین پہ بیٹھ کر، اور اُس کی نگاہ کے سامنے، گناہ اور بدکاری کی جائے گی؟

ہاں تو پھر چوتھی صورت دیکھ لو! موت کا فرشتہ خدا کا بلاوا لے کر آئے تو اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دو اور کہو، نہیں جاتا! زیادہ زور دیں تو کہو، توبہ کر لوں اور نیک عمل کرنے لگ جاؤں پھر جان قبض کرنے آ جانا!

نوجوان: وہ نہیں مانے گا!

ابراہیمؒ: اچھا، تو یہ بھی پتہ ہے! برخوردار! موت کو تم نہیں روک سکتے، فرشتہ تمہیں چھوڑ کر جانے والا نہیں، وقت آ گیا تو توبہ تمہیں کوئی کرنے نہیں دے گا، آخر کیا جہنم میں جلنے کا ارادہ ہے؟

چلو پھر پانچویں صورت رہ جاتی ہے، دیکھ لو اگر یہ تمہارے بس کی ہے۔ جہنم کے داروغے تمہیں آگ میں ڈالنے لگیں تو ان کے ہاتھ سے چھوٹ جانا اور جہنم میں کودنے سے انکار کر دینا!

نوجوان: بھلا وہ چھوڑتے ہیں؟

ابراہیمؒ: تو پھر ان کے قابو ہی آنے کا ارادہ ہے؟؟؟ اُس دن وہ تمہیں نہیں چھوڑیں گے تو آج اپنا آپ چھڑا لو! یہ 'آج' اس مصیبت سے چھوٹنے کیلئے ہی تو تمہیں ملا ہے!

نوجوان نے عرض کی: حضرت! یہ پانچ باتیں میرے لئے بہت کافی ہیں۔

کہا جاتا ہے، اس کے بعد نوجوان نے استغفار اور توبہ کی راہ اختیار کی اور مرتے دم تک اسی پر قائم رہا۔

'ذَنْب' یعنی گناہ سے مراد کیا ہے؟

'ذَنْب' کا لفظ قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے، جس کی جمع 'ذُنُوب' ہے۔ زیادہ تر لوگ 'ذُنُوب' کو ایک غلط اور ناقص مفہوم میں لیتے ہیں اور اس وجہ سے ان پر دین کی کئی ایک اصطلاحات مانند استغفار، توبہ، مغفرت، بخشش، تقویٰ اور پرہیزگاری وغیرہ اپنے معانی اور مفہومات کے لحاظ سے روپوش رہتی ہیں۔

آگے چلنے سے پہلے ہم پر دو چیزوں کا فرق واضح ہوجانا ضروری ہے: ایک ہے 'ادائے مطلوب' اور دوسری ہے 'اجتنابِ ممنوع'۔

اگر آپ 'ادائے مطلوب' نہیں کرتے تو 'ذنب' (گناہ) کرتے ہیں اور اگر 'اجتنابِ ممنوع' نہیں کرتے تو ذنب کے مرتکب ہوتے ہیں۔ البتہ لفظ 'ذنب' کا تعلق اہل علم کے نزدیک اول الذکر سے زیادہ ہے۔ جبکہ عوام الناس اس کا تعلق ثانی الذکر سے زیادہ جوڑتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایک عامی جب 'توبہ' کرتا ہے یا 'استغفار' کرتے ہوئے اپنے 'گناہوں' کی بخشش مانگتا ہے تو اس کے ذہن میں اس وقت 'گناہ' سے مراد 'ارتکابِ ممنوع' ہی ہوتا ہے! بلکہ بسا اوقات تو اس کے لئے یہ تصور کرنا دشوار ہو رہا ہوتا ہے کہ کئی دنوں یا مہینوں سے اس نے خدا کے حق میں کیا 'گناہ' کیا ہے!

ایک آدمی صبح سے شام تک گھر میں بیٹھا ہے۔ نہ اُس کی 'نظر' کہیں اِدھر اُدھر گئی۔ صبح سے لے کر نہ وہ کسی کے ساتھ 'بولا'۔ نہ کوئی بات 'سنی'۔ نہ 'ہاتھ' سے کسی کے

ساتھ زیادتی کی اور نہ 'پیروں' سے چل کر کہیں غلط جگہ گیا۔ اب اس کیلئے یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ صبح سے لے کر اب تک اِس سے آخر 'گناہ' کونسا ہوا ہے!

وجہ یہی کہ وہ سمجھتا ہے 'غلط کام' کرنا ہی 'گناہ' ہے۔ البتہ 'صحیح کام' نہ کرنا اس کے ہاں 'گناہ' شمار نہیں ہوتا۔

'ادائے مطلوب' اور 'اجتنابِ ممنوع'.. ہر دو کا چھوٹ جانا 'ذنب' ہے۔ البتہ اول الذکر کے چھوٹ جانے پر لفظِ 'ذنب' یعنی گناہ کا اطلاق علمائے اہلسنت کے ہاں زیادہ ہوتا ہے اور سنگینی میں بھی یہی زیادہ شدید جانا جاتا ہے۔

بندے پر خدا کے اتنے حقوق ہیں کہ ان کا شمار میں آنا مشکل ہے۔ خدا نے مخلوقات کے جتنے حقوق رکھے ہیں ان میں بھی درحقیقت خدا کا حق ہے اور مومن ان کیلئے بھی دراصل تو خدا کے سامنے ہی جواب دہ ہے۔ مخلوق معاف کر دے، خدا کا معاف کرنا پھر باقی ہے۔ خدا کے اتنے فرائض ہیں کہ گننے میں نہ آئیں۔ حتیٰ کہ ایک فرض کی ادائیگی کے دوران کئی فرض ادا ہونے سے رہ جاتے ہیں۔ ایک نماز ہی کو درست طور پر ادا کر لینا ہم میں سے بیشتر کو میسر نہیں۔ پھر جہاد اور اجتماعی فرائض الگ پڑے ہیں۔ یہاں دیکھیں تو انسان سے قصور ہی قصور سرزد ہوتے ہیں۔ علمائے اہلسنت کا استعمال دیکھیں تو 'ذنب' کا اطلاق 'قصور' کے اِس پہلو پر زیادہ ہوتا ہے۔ **اللھم اغفر لی ذنبی** کہتے ہوئے یہ پہلے مقصود ہوتا ہے، بہ نسبت 'ارتکابِ ممنوع' کے۔

پس یہ شخص جو صبح سے گھر بیٹھا ہے، اور اِس کو خیال ہوا ہے کہ 'بیٹھے بٹھائے' اِس نے کونسا 'گناہ' کر لیا، کیونکہ کسی 'غلط کام' کا ارتکاب اِس نے نہیں کیا!...... کیا بعید اِس کا 'گھر بیٹھنا' بذاتِ خود ایک 'ذنب' ہو! گھر میں رہتے ہوئے نہ معلوم خدا کے کتنے مطلوب ادا ہونے سے چھوٹے ہوں گے۔ خدا نے اِس سے اتنا کچھ طلب کر رکھا ہوگا جسے یہ ادا نہیں کر پایا۔ خدا کے اوامر و احکامات کی انجام دہی نہ کرنا بھی اُسی طرح 'ذنوب' ہیں جس طرح خدا کی منع کردہ اشیاء کا ارتکاب، بلکہ بلحاظِ سنگینی اس سے بھی بڑھ کر۔

پس جب 'ذنب' کا مفہوم ناقص رہا تو 'استغفار' کا مفہوم آپ سے آپ ناقص رہا۔ 'توبہ' کا مطلب بھی پھر غیر واضح رہے گا۔ ان اللہ یحب التوابین وغیرہ ایسی نصوص سے بھی تب آدمی کے ذہن میں یہی آئے گا کہ آدمی بے حیائی کے کام کر بیٹھے، یا آدمی سے چوری چکاری ہو جائے، یا زبان جھوٹ اور غیبت وغیرہ ایسی بات کر لے، یا ہاتھ سے کوئی زیادتی ہو جائے، یا پیروں سے چل کر آدمی برائی کی جگہ جائے، یا کوئی گانا بجانا اور نافرمانی کی باتیں سننے لگے، یا آنکھوں سے کسی غلط طرف کو دیکھ لے.. وغیرہ وغیرہ، تو توبہ کر لیا کرے۔ حالانکہ صالحین ہر دم توبہ کرتے ہیں چاہے ان سے 'برائی' کا ایسا کوئی کام نہ بھی ہوا ہو۔ وجہ یہی کہ 'ذنب' کا تعلق ان کے نزدیک 'ادائے مطلوب' والے پہلو کے ساتھ ہی زیادہ ہے بہ نسبت 'اجتنابِ ممنوع' کے۔

یہ مفہومات جو اوپر بیان ہوئے، اِن کی توثیق کیلئے آیئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے چند اقوال دیکھتے ہیں:

📖 کثیر لوگ توبہ کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں بس ایسی ہی چیزیں آئیں گی جو بے حیائی کے زمرے میں آتی ہوں.. جبکہ ہوسکتا ہے جس چیز کا اس شخص کو (شریعت میں) حکم ملا ہوا ہے اُس میں سے اِس نے جو جو کچھ چھوڑ رکھا ہے وہ اپنے ضرر اور سنگینی میں ان بعض فواحش سے کہیں بڑھ کر ہو جنکا اس سے ارتکاب ہوا ہے۔

(مجموع فتاویٰ: ۱۰:۳۲۹)

📖 ترکِ حسنات فعلِ سیئات سے بڑھ کر نقصان دہ ہے۔ (مجموع فتاویٰ: ۲۰:۱۱)

📖 'امر' کی صورت میں جو چیز (شریعت کو) مطلوب ہے وہ کامل تر اور برگزیدہ تر ہونے میں اس چیز سے بڑھ کر ہے جو 'نہی' کی صورت میں (شریعت کا) مطلوب ہے۔ (مجموع فتاویٰ: ۲۰:۱۱۷)

📖 ترکِ واجبات بطورِ جنس، فعلِ محرمات سے بطورِ جنس، سنگین تر ہے۔

(ابن تیمیہ کا قول بحوالہ کلام ابن قیم: مدارج السالکین: ۲:۱۵۶)

📖 'ذنوب' کی اصل یہ ہے کہ واجبات ادا کرنے سے سرتابی ہو نہ کہ محرمات کا ارتکاب ہو جانا۔ (ابن تیمیہ کا قول بحوالہ کلام ابن قیم: مدارج السالکین:۲:۱۵۶)

📖 (شریعت میں) جن حسنات کا حکم آ گیا ہے آدمی اگر ان کو ترک کرتا ہے تو اس سے تائب ہونا زیادہ اہم ہے بہ نسبت اس بات سے تائب ہونے کے کہ وہ ان سیئات کا ارتکاب کر بیٹھا ہے جن سے (شریعت میں) ممانعت ہوئی ہے۔

(ابن تیمیہ کا قول بحوالہ کلام ابن قیم: مدارج السالکین:۲:۱۵۶)

اعتدال!

بعض دین کا شوق رکھنے والے، خصوصاً مبتدی، ایسے پر فضیلت اعمال کا ارادہ باندھتے ہیں یا کچھ ایسے دقیق امور کی پابندی اختیار کر لیتے ہیں جو عمومی طور پر نہ تو ان کی علمی سطح سے کوئی طبعی نسبت رکھتے ہوں اور نہ ان کی مجموعی حالتِ ایمانی کے ساتھ۔ حالانکہ آدمی کو 'زہد' اور 'ورع' اور 'ترکِ مباحات' اسی درجے کا اختیار کرنا چاہیے جس درجے کا وہ 'ایمان' رکھتا ہو۔

کئی لوگوں کا معاملہ ایسا ہے کہ سیرت کا کوئی واقعہ پڑھا، سلف کا کوئی عمل سنا، عظیم زاہدوں اور عبادت گزاروں کا کوئی معمول دیکھا، تو اپنی عمومی حالت اور کیفیت کو دیکھے بغیر اور کسی مربی سے راہنمائی لئے بغیر اس عمل یا اس رویے کو اختیار کر لینے کا عزم باندھ لیا بلکہ اس پر عمل کرنے بھی چل کھڑے ہوئے! حالانکہ بے شمار کام ابھی ایسے ہوں گے جو اس سے پہلے اختیار کئے جانا لازم ہوں گے۔ اس سلسلے میں آیئے دیکھتے ہیں امام ابن رجب حنبلیؒ جامع العلوم والحکم میں سلف کے کچھ اقوال لاتے ہیں، جن سے ہمیں نہایت خوب راہنمائی مل سکتی ہے:

- ایک شخص نے بشر بن حارثؒ سے دریافت کیا: ایک آدمی کو ماں حکم دیتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، اسے کیا کرنا چاہیے؟

بشر بن حارثؒ نے جواب دیا:

اگر تو ہر ہر معاملے میں وہ ماں کے ساتھ نیکی کرنے میں کمال کو پہنچ چکا ہے اور ماں کے ساتھ نیکی اور اچھائی کرنے میں بس اسی بات کی کمی رہ گئی ہے کہ وہ اس کے کہنے پر اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالے، پھر تو اس کو طلاق دے ہی دینی چاہیے۔

لیکن اگر وہ ماں کے کہنے پر بیوی کو تو طلاق لکھ دیتا ہے اور کچھ ہی دیر بعد ماں کے ساتھ اس کی گالی گلوچ ہونے لگتی ہے، پھر اس کیلئے محض 'اس' بات میں ماں کا فرماں بردار بن کر دکھانا درست نہیں!

- امام احمدؒ سے پوچھا گیا: کیا خیال ہے ایک آدمی سبزی کا گٹھا خریدتا ہے اور جس رسی سے وہ باندھا گیا ہے اس کی بابت الگ سے دکاندار کے ساتھ طے کرتا ہے کہ یہ بھی ان پیسوں میں سبزی کے ساتھ آئے گی!

امام احمدؒ ناگواری سے بولے: یہ کن مسئلوں میں پڑ گئے ہو؟

سائل نے جواب دیا: ابراہیم بن ابی نعیمؒ (ایک نہایت عظیم عبادت گزار محدث) ایسا ہی کرتے ہیں۔

'ہاں، ابراہیم بن ابی نعیم ایسا کریں تو ان کے لئے یہ صحیح ہے!' امام احمدؒ نے جواب دیا۔

- اس کے بعد ابن رجبؒ لکھتے ہیں:

یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ شبہات سے بچنے کے معاملہ میں باریکیوں کے اندر جانا صرف اسی آدمی کو زیب دیتا ہے جس کے احوال سب کے سب درستی اور استقامت پر ہوں اور تقویٰ اور ورع کے معاملہ میں جس کے باقی اعمال ایک سی سطح کے ہوں۔ رہا وہ شخص جس سے کھلے کھلے حرام کاموں سے بچ کر تو رہا نہیں جاتا مگر وہ 'ورع' کی راہ چلنے پر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور کسی نہایت دقیق شبہ سے بچنے کے معمول پر گامزن ہو جانے پر مائل ہے، تو اس کے معاملہ میں یہ بات درست نہ مانی جائے گی، بلکہ اس کو اس پر ٹوکا جائے گا۔

کچھ ایسا ہی معاملہ تھا کہ اہل عراق کو جو مچھر مار بیٹھنے کا کفارہ دریافت کرنے آئے تھے، عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا تھا: مچھر کا خون ہو جانے پر مجھ سے فتویٰ دریافت کرنے پہنچے ہیں، جبکہ حسینؓ کا خون کر کے آئے ہیں!! حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حسنؓ اور حسینؓ کے بارے میں فرماتے سنا: دنیا میں یہ دو میرے جگر گوشے ہیں!

سوانح

📖 خلیل اللہؑ نے سفر اور مہمات تو بہت کیں، مگر اس سفر سے بڑھ کر یادگار اور خوشگوار سفر کوئی نہ ہوگا جو منجنیق سے جلتی چتا تک ایک ہی لمحے میں طے ہوا! جبریل نے 'خرقِ عادت' کی سرحد شروع ہوتے دیکھی تو اپنی خدمات پیش کیں کہ مبادا توکل کے پیر ڈگمگا جائیں۔ مگر خلیل اللہؑ یہ موقعہ کیوں ضائع کریں، فرمایا: مدد چاہیے مگر تم سے نہیں! تب ابراہیمؑ کیلئے آسمان سے وہ خلعت اتر آئی جو انہی کیلئے تھی: وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى!!!

ابراہیمؑ نے واقعی وفا کی حد کردی!

......

📖 صالحین پر وقتِ فراق طرح طرح کا معاملہ گزرتا دیکھا گیا۔ کسی کو پریشانی 'خدا نے مجھے نہیں بخشا تو میرا ستیاناس!'، کسی کو فکر 'اب آگ ہے یا پھر خدا کی مغفرت'، اور کسی پر امید طاری ہے، جیسے بلالؓ!

موت کے وقت بلالؓ کی جورُو بے قابو ہو کر بین کرتی ہے: واحــــزنــــاہ! 'وائے افسوس!'، اور بلالؓ کہہ رہے ہیں: واطــربــاہ، غدا ألقى الأحبة محمدا وصحبه! 'واہ ری خوشی! صبح دوستوں سے ملاقات ہے، محمدؐ اور سب اصحابؓ سے!'

واہ رے بلالؓ! پتہ جو ہے امام اپنے موذن کو نہیں بھولنے کا!!!

......

📖 ذوالبجادینؓ ایک یتیم لڑکا تھا۔ چچا نے پال کر جوان کیا۔ رسول اللہ ﷺ کا سنا تو بیٹھا نہ رہا گیا۔ مگر بیمار تھا اٹھا بھی نہ جاتا تھا۔ شفا سے بڑھ کر اب کوئی چیز عزیز نہ رہ گئی تھی،

کہ جسم میں دم ہو تو نبیؐ تک پہنچیں! صحت یاب ہوا تو چچا کا انتظار ہونے لگا۔ آخر کہنے لگا: چچا! یوں ہی دن گزارو گے؟ چلو اسلام لاتے ہیں! مگر چچا کسی اور دنیا کا ہے، بولتا ہے: بچے! مسلمان ہو گیا تو اپنی ایک ایک چیز واپس لے لوں گا۔ تیرے تن پہ اپنا کپڑا نہ رہنے دوں گا۔ زبانِ شوق بولی: محمدؐ کو ایک نظر دیکھ لینا تیری ہزار دنیا سے بڑھ کر ہے!

کسی نے قیس سے پوچھا ہوتا کہ لیلیٰ کا وصل چاہیے یا دنیا تیرے قدموں میں ڈھیر کر دی جائے؟ تو وہ برا مان جاتا اور کہتا: وصلِ لیلیٰ کی تو بات ہی مت کرو، اس کے پیروں کی دھول کے بدلے میں بھی یہ دنیا جچنے کی نہیں!

یہ نوجوان محمدؐ کے پاس جا پہنچنے پر ہی مصر ہے، یہ دیکھ کر چچا اس کے کپڑے اتروا لیتا ہے۔ ہر ہر چیز واپس لے لیتا ہے۔ بیوہ ماں اس کو ایک اونی ٹاٹ دے دیتی ہے، جس کو عربی میں بجاد کہتے ہیں۔ یہ اسی ٹاٹ کو دو ٹکڑے کر، آدھا تہ بند بناتا ہے اور آدھا اوپر پہن لیتا ہے۔ اتنی دولت سے مالا مال، ذوالبجادین اب منزلِ شوق کی جانب روانہ ہو پڑتا ہے!!!

کیا خوبصورت سفر ہے۔ **من کانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله!!!** جس کا ترکِ وطن اللہ اور اس کے رسول کو اپنی منزل بنا کر ہوا، اس کی قسمت کے کیا کہنے!!! اس سے بہتر وطن بھلا کس کو ملے گا؟!

جلد ہی جہاد کی منادی ہو جاتی ہے۔ خدا تک پہنچنے کا اس سے مختصر راستہ بھلا کہاں ملے گا؟! محبت کو راستہ کبھی طویل لگتا ہی نہیں۔ مقصود نگاہ سے ہٹے تو راستہ لمبا لگنے کی نوبت آئے!!!

کہاں ہجرت کے لئے بے چینی تھی، آج ذوالبجادین کو شہادت مل گئی ہے! واہ رے قسمت! کوئی تو بات ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ خود اِس نوجوان کی قبر میں اترتے ہیں اور اپنے دستِ مبارک سے اس کی لحد تیار کرتے ہیں اور ساتھ کہہ رہے ہیں: اے اللہ میں اس سے راضی ہوا، تو بھی اس سے راضی ہو جا! ابن مسعودؓ رشک سے گریہ کرتے ہیں: کاش اس قبر میں میں ہوتا!!!

(استفادہ از: الفوائد، مؤلفہ ابن القیم)

فوائد عبداللہ بن المبارکؒ

اثر 282:

روایت محمد بن کعب قرظی سے، کہا:

اللہ کو جب کسی بندے کی بھلائی منظور ہو تو وہ اس کو تین خصلتیں بخش دیتا ہے:

- دین میں ایک گہری سمجھ،
- دنیا کے بے وقعتی اور کم مائیگی کا دل میں بیٹھ جانا، اور
- خود اپنے عیوب پر نظر ٹک جانا۔

اثر 283:

روایت خلف بن حوشب سے، کہا:

عیسیٰ بن مریمؑ نے اپنے حواریوں سے کہا تھا:

بادشاہوں نے جس طرح علم اور دانائی تمہارے لئے چھوڑ دی ہے،

اسی طرح تم بھی 'دنیا' ان کیلئے چھوڑ دو۔

اثر 289:

روایت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے، کہا:

تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کسی میں پائی جائیں تو وہ بڑا ہی صاحبِ خیر اور مقتصد شمار ہوگا:

- یہ کہ فرض چیزیں خدا کے حق میں وہ ساری پوری کرتا ہو،

- یہ کہ بدی سے صاف بچ کر رہتا ہو، اور
- یہ کہ خدا کے معاملے میں غفلت کے لحات اس پر کم سے کم آتے ہوں

اور یہ تین باتیں بھی دامن میں باندھ لو:

- کوئی خیر جو تمہاری ضرورت ہو، تمہاری نظر میں 'معمولی' نہ ہونی چاہیے
- کوئی شر جس سے تمہیں بچ کر رہنا ہے، تمہاری نگاہ میں 'چھوٹی بات' نہ ہونی چاہیے۔
- کسی گناہ کو جو تم سے سرزد ہو گیا ہوا تنا بڑا نہ جانو کہ اس پر خدا سے مغفرت ملنا تمہاری نظر میں بعید ہو یا اس پر استغفار کرنا تمہارے لئے بھاری کام!

اور ہاں، سرگرمیِ بے کار سے بے حد دور رہو۔ اس سے نہ تو دنیا میں تم کوئی ہدف حاصل کر سکو گے اور نہ آخرت کی کوئی خیر اور نہ تم اپنے مالک کو اس سے خوش کرو گے۔

اور یاد رکھو، دوزخ محض اس لئے وجود میں آئی کہ وہ مالک کی ناخوشی کا انجام ٹھہرے۔ پس میں تمہیں مالک کی ناخوشی سے حد درجہ ڈرا دینا چاہتا ہوں۔

(از: کتاب الزھد والرقائق
مؤلفہ عبداللہ بن المبارکؒ)

فوائد ابن تیمیہؒ

- نماز میں ایک دفعِ مکروہ ہے، یعنی بے حیائی اور برائی سے روکنا۔ اور ایک تحصیلِ محبوب ہے، یعنی اللہ کی یاد۔ جبکہ تحصیلِ محبوب، بلحاظِ درجہ وفضیلت دفعِ مکروہ سے بڑھ کر ہے! (العبودیۃ: ۹۹)

- 'علم' وہ ہے جس پر دلیل ملتی ہو۔ اور 'نافع' وہ جسے رسول اللہ ﷺ لیکر آئے ہوں! (تفسیر سورۃ النور: ۱۷۴)

- عبادت دراصل قصد اور طلب ہے، اور استعانت اس عبادت کا وسیلہ اور ذریعہ! (النبوات: ۱۱۳)

- جتنا کسی کا ایمان قوی ہوتا ہے اتنا ہی مضبوط فرشتوں کا جتھا اس کو ملتا ہے! (النبوات: ۴۱۶)

- مخلوق کے ہاں محبت کی بہت صورتیں پائی گئی ہوں گی، مگر اہل ایمان کی اپنے پروردگار کے لئے جو محبت ہے اس سے کامل تر اور حسین تر محبت کسی کی نہ ہو گی! وجود میں کوئی ایسی ہستی ہے ہی نہیں جو آپ اپنی ذات میں اور ہر ہر پہلو سے لائقِ محبت ہو، سوائے اللہ وحدہ لاشریک کے! (الرد علی البکری: ۱۰: ۶۴۹)

- معاف کر دینا اللہ کو حد سے بڑھ کر محبوب نہ ہوتا تو وہ اپنی سب سے پسندیدہ مخلوق کو گناہ کی آزمائش نہ ڈالتا! (منہاج السنۃ: ۴: ۳۷۸)

- جو کام اللہ سے مدد لے کر نہ کیا جائے وہ ہوتا نہیں۔ جو اللہ کی خاطر نہ ہو، وہ نہ منفعت بخش ہوتا ہے اور نہ اس کو دوام ملتا ہے! (مجموع الفتاوی: ۸: ۳۲۹)

📖 اللہ جو کرے اس کیلئے جواب دہ نہیں؛ اپنی کمال حکمت ودانائی اور اپنی رحمت اور عدل کی بنا پر، نہ کہ صرف اپنے قہر اور قدرت کی بنا پر! (مجموع الفتاوی:۸:۵۱۱)

📖 عدل اور ظلم کا فرق معلوم نہیں ہوتا مگر علم کے ساتھ۔ چنانچہ دین سب کا سب دو چیزوں میں آ رہتا ہے: علم ورعدل۔ جس کی ضد ہے ظلم اور جہل۔ تبھی فرمایا: وحملها الإنسان إنه كان ظلوماً جهولاً. ''یہ بوجھ انسان نے اٹھالیا، بے شک وہ ہے ہی بہت ظلم کرنے والا اور بہت جہالت میں رہنے والا'' (المستدرک:۵:۱۲۵)

📖 شرائع قلوب کی غذا ہیں! (اقتضاء الصراط المستقیم:۲۸۱)

📖 حج، حنیفیت کا شعار ہے! (اقتضاء الصراط المستقیم:۴۴۹)

📖 'هجرِ جميل' ہے: بغیر کسی اذیت کا سبب بنے، پرے ہو رہنا۔ 'صفحِ جميل' ہے: بغیر کسی عتاب کے، درگزر کر جانا۔ 'صبرِ جميل' ہے: مخلوق کے پاس کسی قسم کا شکویٰ کئے بغیر،، برداشت کر جانا! (العبودیۃ:۹۲)

📖 ہر وقت شہوت کی نگاہ لئے پھرنا، اور اس سے متصل عشق ومعاشقہ اور قرب ومعانقہ ایسے تعلقات کا طول کھینچ جانا، بسا اوقات اس سے زیادہ سنگین گناہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی سے زنا سرزد ہو جائے مگر وہ اس پر دوام اختیار نہ کرے۔ (تفسیر سورۃ النور:۱۵)

📖 بڑے بڑے اچھے لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے بلکہ تو اکثر ایسے ہیں کہ منکرات ہوتے ہوں تو اس سے یہ اتنے آزردہ نہیں ہوتے جتنے یہ منکرات کے خلاف جہاد کیا جانے کے عمل سے آزردہ ہوتے ہیں! (تفسیر سورۃ النور:۶۰)

📖 جس نے کسی سے محبت کی، اور وہ محبت اللہ کی خاطر نہ تھی، دوستوں کا ضرر اس کے حق میں دشمنوں کے ضرر سے بڑھ کر ہوگا! (مجموع:۱۰:۶۰۵)

📖 اکثر لوگ دنیا کو دشنام دیتے ہیں، جو کہ دین کی بنیاد پر نہیں ہوتی۔ ان کی اِس مذمتِ دنیا پر ہرگز مت جائیو، کیونکہ یہ دنیا کو گالی اس وقت دیتے ہیں جب دنیا سے ان کے اغراض پورے نہیں ہوتے! (مجموع:۲۰:۱۴۸)

📖 شیاطینِ جن غالب آئیں گے تو وسوسہ لائیں گے۔ شیاطینِ انس غالب آئیں گے تو دروغ گوئی کریں گے! (مجموع:۲۲:۶۰۸)

📖 اہلِ رحمت، مغضوب علیہم نہیں ہو سکتے۔ اہلِ ہدایت، ضالین نہیں ہو سکتے۔ تبھی تو تم رحمت اور ہدایت کا تذکرہ سورت کے ابتداء میں کر جاتے ہو! (مجموع:۷: ۲۱)

📖 لازم نہیں ہر وہ شخص جو پیاسے کتے کو پانی پلائے ضرور ہی بخشا جائے۔ (المستدرک:۲:۲۰۰)

📖 إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّهِ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلاَّ اللّهَ......

اللہ کیلئے بننے والی سجدہ گاہوں کو آباد وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ کے ماسوا کسی کا خوف نہ رکھیں۔ قبروں کی سجدہ گاہوں کو آباد کرنے والے وہ ہیں جو غیر اللہ سے ہی ڈریں اور غیر اللہ ہی سے آس رکھیں! (الرد علی البکری:۲:۵۶۳)

📖 خدا کے انبیاء و رسل دین کی جس حقیقت کو لے کر آئے ہیں؛ جو شخص اس کا علم حاصل کرتا ہے اور لوجہ اللہ اوروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے، صدّیق ہے۔ جو شخص اس کی خاطر قتال کرتا ہے کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند ہو جائے یہاں تک کہ اس جنگ میں مارا جاتا ہے، شہید ہے۔ جو شخص اپنے مال و دولت سے اس کی نصرت و تائید کرتا ہے اور اپنے اس صدقہ سے محض اللہ کا چہرہ پانا چاہتا ہے، صالح ہے۔ پس صدیق، شہید اور صالح کچھ نہ کچھ خرچ کرنے سے بنتا ہے؛ ایک اپنا علم، دوسرا اپنی جان، اور تیسرا اپنا مال۔ (الاستقامۃ:۲:۲۹۸)

📖 سورۂ بقرہ کے آخر میں مالی معاملات کی نسبت سے تین درجے ذکر ہوئے ہیں: محسن، ظالم اور عادل۔ محسن وہ جو اپنا مال صدقہ کر دیتا ہے۔ ظالم وہ جو اپنے پیسے پر سود لیتا ہے اور عادل وہ سوداگر جو دام لے کر چیز دیتا ہے! (مجموع:۳۰:۳۶۸)

📖 یہود اپنی ذات کیلئے غضب میں آتے ہیں اور اپنی ذات کیلئے انتقام لیتے ہیں۔ نصاریٰ نہ تو اپنے رب کے لئے غضب میں آنے سے آشنا ہیں اور نہ اپنے رب کیلئے انتقام لینے

سے۔ اہل اسلام، کہ اِنہیں عدل کی نعمت اور اپنے نبیؐ کی اتباع نصیب ہوئی ہے، اپنے رب کیلئے غضبناک ہوتے ہیں، البتہ اپنے نفوس کا حظ ہو تو معاف کر دیتے ہیں! (الجواب الصحیح: ۱:۱۷۲)

📖 آخرت کے بیٹے بنو نہ کہ دنیا کے بیٹے؛ کیونکہ بیٹا اپنے باپ سے ہی منسوب ہوا کرتا ہے! (الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح: ۲:۵۴)

📖 اہل سنت مرتے ہیں مگر ان کا نام زندہ رہتا ہے۔ اہل بدعت مرتے ہیں تو ان کا نام بھی ساتھ ہی مر جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ اہل سنت اس چیز کو زندہ کرتے ہیں جس کو لے کر رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ اس لحاظ سے اہل سنت کو بھی ''ورفعنا لک ذکرک'' سے ایک حصہ ملتا ہے۔ جبکہ اہل بدعت کی سرگرمی کا مفاد و مآل رسولؐ کی لائی ہوئی چیز کے اندر عیب جوئی کرنا ہے، اس لحاظ سے اہل بدعت کو بھی ''إن شانئک هو الأبتر'' سے ایک حصہ ملتا ہے! (مجموع: ۱۶:۵۲۸)

📖 کوئی شک نہیں کہ سب آسمانی امتوں میں امت محمدؐ ہی عقل میں کامل تر، ایمان میں عظیم تر، اور تصدیق اور جہاد میں اعلیٰ تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس امت کے ہاں پائے جانے والے علوم اور قلبی اعمال اور ایمانی حقائق پہلی امتوں کی نسبت عظیم تر ہیں، جبکہ پہلی امتوں کو جو بدنی عبادات دی گئیں وہ اِس آخری امت کو ملنے والی بدنی عبادات کی نسبت زیادہ بھاری تھیں! (الجواب الصحیح: ۵:۳۰۰)

📖 دین میں ایک عمل فاضل (زیادہ فضیلت والا) ہوتا ہے اور دوسرا عمل مفضول (کم فضیلت والا)۔ پھر بھی ہوسکتا ہے ایک شخص کو مفضول عمل میں ہی فاضل عمل کی نسبت زیادہ ہمت اور توفیق نصیب ہو جائے۔ (مجموع: ۱۰:۴۰۱)

📖 کسی وجہ سے ہوسکتا ہے ایک کام ایک خاص شخص کے حق میں فاضل تر ہو جائے، جس کی وجہ یہ ہو کہ اس عمل کو اس شخص کے ساتھ کوئی خاص مناسبت ہو، یا اس کے قلب کی اصلاح و ترقی میں وہی زیادہ فائدہ مند ہو، یا یہ کہ اس عمل کو اختیار کرنے کی صورت میں وہ خدا کا زیادہ فرماں بردار بنتا ہو۔ مگر کئی لوگ ایسے ہیں کہ کسی وجہ سے ایک

عمل اگر ان کے حق میں فاضل تر ہے تو وہ اس کو سبھی کے حق میں فاضل تر سمجھ لیتے ہیں، اور ہر کسی کو اسی کی دعوت دے رہے ہوتے ہیں! (مجموع:۱۰:۴۲۸)

📖 ہوسکتا ہے ایک مفضول عمل، اس شخص کے حق میں جو اس پر قدرت رکھے اور اس سے اس کو فائدہ ہوتا ہو، اُس عمل سے افضل ہوجائے، جو ہے تو فاضل مگر خاص اس شخص کے حق میں اُس عمل کے اندر یہ ہر دو وصفت مفقود ہوں۔ (مجموع:۱۰:۳۹۹)

📖 جب ہم کہتے ہیں مفضول تو مراد ہوتی ہے اپنی عمومی حیثیت میں۔ ورنہ جس شخص کے حق میں ایک فاضل تر عمل کسی وجہ سے مناسب نہیں، اس کے حق میں مفضول ہی افضل ٹھہرتا ہے۔ (مجموع:۱۹:۱۲۰)

📖 ہر وہ چیز جو افضل ہے ضروری نہیں ہر کسی کے حق میں مشروع ٹھہرے۔ بلکہ ہر شخص کے حق میں وہی کام مشروع ٹھہرے گا جو خاص اس کے حق میں افضل ہے۔

(مجموع:۲۳:۶۰)

📖 ایک آدمی ہوسکتا ہے افضل کام کرنے سے عاجز ہو۔ پس جس چیز پر اُسے قدرت ہے وہی اس کے حق میں افضل ٹھہرے گا۔ (مجموع:۲۳:۶۳)

📖 ہر انسان کے حق میں زمین کا وہی خطہ برگزیدہ ترین ہے جس میں وہ اللہ اور رسولؐ کے احکامت پر سب سے بڑھ کر عمل پیرا ہوسکتا ہو۔ (مجموع:۱۸:۲۸۳)

📖 برائیوں میں کوئی برائی ایسی نہیں جو سب کے سب نیک اعمال کا صفایا کردے، سوائے ارتداد (کفر وشرک کا ارتکاب) کے۔ نیکیوں میں کوئی نیکی ایسی نہیں جو سب کے سب بداعمال کا صفایا کردے، سوائے توبہ کے۔ (مجموع:۱۰:۴۴۰)

📖 مومن پر جتنے بھی کفر اور نفاق کی نوع کے وسوسے اور خیالات وارد ہوں اور وہ اس پر اپنی ناگواری محسوس کرنے اور انہیں اپنے قلب سے نکال باہر کرنے کے وتیرہ پر قائم رہے، ویسے ویسے اس کے ایمان اور یقین میں ترقی ہوتی ہے۔ اسی طرح جتنے بھی اس کے نفس میں گناہ اور بدی کرنے کے خیالات آئیں مگر وہ ان پر اپنی ناگواری برقرار

رکھے اور ان کو دفع کرنے کی کوشش میں لگا رہے، اور خدا کی خاطر ان کو چھوڑ رکھنے کے عزم کی تجدید کرے، اتنا ہی اس میں تقویٰ اور نیکوکاری پروان چڑھتی ہے، اور اتنا ہی وہ شخص صالح بنتا جاتا ہے۔ (مجموع: ۱۰: ۶۶۷)

📖 آدمی توحید پر آتا ہے تو شرک کی جڑ مٹ جاتی ہے۔ استغفار کرتا ہے تو شرک کی چھوٹی چھوٹی شاخیں بھی جل جاتی ہیں۔ (مجموع: ۱۱: ۶۹۷)

📖 دعا کی استجابت اعتقاد کی صحت اور قوت پر انحصار کرتی ہے اور اطاعت کے حسن اور کمال پر۔ (مجموع: ۱۴: ۳۳)

📖 لذت کی وہ قسم جو موت کے بعد بھی کہیں نہیں جاتی، وہ ہے اِس دنیا میں آدمی کا خدا کو جاننا اور اس کیلئے سرگرمِ عمل رہنا۔ (مجموع: ۱۴: ۱۶۲)

📖 دنیا میں سب سے پرلطف چیز اُس ذات کو جاننا ہے۔ آخرت میں سب سے پر لطف چیز اُس ذات کو دیکھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت میں تجلی جمعہ کے روز ہوا کرے گی، اور دنیا کی نمازِ جمعہ کے بقدر! (مجموع: ۱۴: ۱۶)

📖 آدمی اپنی طبیعت میں جبار ہے، مگر اکثر اِسکا بس نہیں چلتا! (مجموع: ۱۴: ۲۱۹)

📖 ہر نفس کے اندر وہ مادہ ہے جو فرعون کے نفس میں تھا۔ فرعون کو قدرت تھی تو وہ اس کو باہر نکال لایا۔ دوسرے بے بس ہیں، اس کو دبائے رکھتے ہیں! (مجموع: ۱۴: ۳۲۴)

📖 ایک ہے زہد اور ایک ہے عبادت گزاری۔ زہد ہے اس چیز کو چھوڑنا جو آخرت میں نقصان دہ ہو۔ عبادت ہے اس چیز کو اختیار کرنا جو آخرت میں فائدہ مند ہو۔ یہ ہے زاہد عابد ہونا۔ (مجموع: ۱۴: ۴۵۸)

📖 نیتِ محض، جس کے ساتھ کوئی عمل نہ ہو پایا ہو، باعثِ ثواب ہوسکتی ہے۔ البتہ عملِ محض، جس کے ساتھ کوئی نیت نہ ہو پائی ہو، باعثِ ثواب نہیں ہوسکتا۔ (مجموع: ۲۲: ۲۴۳)

📖 نیت بادشاہ والا کام ہے، برخلاف اعمالِ ظاہرہ کے، جو کہ پیادوں والا کام ہے! (مجموع: ۲۲: ۲۴۴)

📖 نفس کی طبیعت میں ہے کہ یہ اس پر بھی ظلم کر گزرے جس نے اِس پر ظلم نہیں کیا۔ جب ایسا ہے تو پھر اُس کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے اِس پر ظلم کیا ہو؟!

(مجموع:۱:۵۴)

📖 جس شخص کے دل پر کوئی خاص نوعیت کا شبہہ حملہ آور ہو، اس کے حق میں خاص وہ عمل اختیار کرنا ہی بہتر اور فائدہ مندتر ہوگا جو دل کے اندر اُس شبہہ کا قلعہ قمعہ کرے۔

(مجموع:۳:۳۲۹)

📖 کرامت درحقیقت وہ ہے جو آخرت میں فائدہ دے، یا دنیا میں فائدہ دے بھی تو آخرت میں نقصان نہ کردے! (اقتضاء الصراط المستقیم:۳۵۳)

📖 عوام کے ہاں کہا جاتا ہے: آدمی کی قیمت اور وقعت جاننا چاہو تو یہ دیکھو کہ اس کے پاس ہنر کیا ہے؟ جبکہ خواص کا کہنا ہے: آدمی کی قیمت اور وقعت جاننا چاہو تو یہ دیکھو کہ اس کی طلب کیا ہے! (مدارج السالکین:۳:۵)

📖 ابن قیم لکھتے ہیں: ایک بار میں نے شیخ الاسلام (ابن تیمیہ) سے ذکر کیا: ایک عالم سے پوچھا گیا: آدمی کے لئے کونسی چیز زیادہ نفع بخش ہے، تسبیح یا استغفار؟ جواب دیا: کپڑا اجلا ہو تو اس پر عطر اور خوشبو کا چھڑکاؤ فائدہ مندتر ہوگا۔ کپڑا میلا ہو تو صابن اور گرم پانی ہی اس کے حق میں نفع مندتر ہوگا۔ تب ابن تیمیہؒ مجھ سے کہنے لگے: بھلا کپڑے میلے ہونے سے کب رکتے ہیں؟! (الوابل الصیب:۱۶۲)

📖 ابن قیمؒ لکھتے ہیں: مجھے کچھ شبہات پریشان کر رہے تھے۔ ایک بار موقعہ پا کر میں شیخ الاسلام کے سامنے ایک کے بعد ایک شبہہ بیان کرنے لگا تا کہ مجھے تشفی بخش جواب مل جائیں۔ تب آپ نے فرمایا: ان شبہات کے لئے اپنے دل کو اسفنج نہ بناؤ، کہ یہ انہیں چوستا ہی جائے اور پھر اس سے وہی چیز بہ بہ کر نکلے جو اس نے پی رکھی ہے۔ اس کے بجائے ہونا یہ چاہیے کہ تمہارا دل ٹھوس مگر چمکتے آئینے جیسا ہو، جس پر شبہات آئیں تو باہر باہر سے ہی واپس ہو جائیں اور اندر جانے کا راستہ نہ پائیں۔ تمہارا دل ان کو دیکھے ضرور،

اور دیکھے بھی اپنی پوری شفافیت کے ساتھ، مگر اپنے ٹھوس پن سے ان کو دفع بھی کر دیا کرے۔ ورنہ اگر شبہات کو دل میں راستہ دینے لگ گئے تو یہ یہیں جم کر بیٹھ جائیں گے۔
امام ابن قیمؒ کہتے ہیں: میں نے کسی نصیحت سے اتنا فائدہ نہیں لیا جتنا کہ شیخ الاسلام کی اس نصیحت سے۔ (مفتاح دار السعادۃ: ۱۴۰)

📖 شیطان انسان سے چاہتا ہے کہ یہ اپنے سب امور میں ہی حد سے گزر جائے، یعنی اسراف۔ اگر دیکھے کہ اس کا میلان نرمی کی جانب ہے تو نرمی کو ہی اس کیلئے مزین کر دیتا ہے، یہاں تک کہ نہ تو یہ اُس چیز سے بغض رکھے جس سے اللہ بغض رکھتا ہے اور نہ اس چیز پر غیرت کھائے جو اللہ کی نگاہ میں غیرت میں آنے کی بات ہے۔ اور اگر شیطان اِس کو دیکھے کہ طبیعت میں سختی ہے تو اس سختی کو ہی اس کیلئے مزین کر دیتا ہے۔ اِس کو سختی کی راہ دکھاتا ہے مگر وہ خدا کی ذات کیلئے نہیں ہوتی، یہاں تک کہ دین کے بہت سے ابواب اِس کی زندگی میں متروک کرا دیتا ہے جیسے: احسان، لوگوں کے ساتھ نیکی، نرم روی، صلہ رحمی، اور مخلوق پر ترس وغیرہ ایسے اعمال جو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے مشروع ٹھہرا رکھے ہیں۔ بس یہ شدت میں ہی بڑھتا چلا جائے گا۔ مذمت، بغض اور سرزنش وغیرہ ایسے امور میں زیادتی کر گزرے گا، گو اللہ اور رسولؐ کو ایک خاص حد میں واقعتاً یہ باتیں پسند ہیں۔ یوں یہ شخص اِس راہ سے گناہ اور اسراف میں چلا جاتا ہے۔ اللہ نے شدت کا حکم دیا ہے، مگر یہ اس شدت میں حد سے گزر جاتا ہے۔ پہلا شخص مذنب یعنی گناہگار تھا تو یہ مسرف، یعنی حد سے گزر جانے والا۔ واللہ لا یحب المسرفین. پس ان ہر دو کو چاہیے کہ یہ دعا پڑھیں: ربنا اغفر لنا ذنوبنا وإسرافنا فی أمرنا وثبت أقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین (مجموع الفتاوی: ۱۵: ۲۹۲)

📖 نماز میں انسان کے سب اعضاء مل کر بندگی کرتے ہیں: دل، زبان، اور سب کے سب جوارح۔ یہ خاصیت کسی اور عبادت کو حاصل نہیں۔ اعمال میں سے: واجب ہونے میں یہ سب سے پہلی چیز ہے اور ساقط ہونے میں سب سے آخری! (العمدۃ: ۵۶)

📖 جس کا دل ہی مردہ ہو اس کو 'أنعمتَ علیهم' کے زمرے میں آنے والی نبیین اور صدیقین اور شہداء وصالحین ایسی اصناف کی برگزیدگی کی کیا خبر ہو؟ اور 'معضوب علیهم' اور 'ضالین' کی شناعت کا کیا اندازہ ہو؟! (الجواب الصحیح ۱:۲۰)

📖 قرآن میں رہبانیت کی ہرگز کوئی ستائش نہیں ہوئی......

اللہ کو خوش کرنے کا ذریعہ دو چیزیں ہیں:

- خدا نے جو طلب کیا اس کو کرنے لگ جانا، اور
- جس چیز سے اُس نے روک دیا اس کو ترک کر دینا......

جبکہ رہبانیت میں آپ اس چیز کو کرنے میں لگ جاتے ہیں جو خدا نے طلب نہیں کی اور اس چیز کو ترک کرتے ہیں جس سے خدا نے روکا نہیں!

(الجواب الصحیح ۱:۲۳۳)

(ان حوالہ جات کے لئے بیشتر اعتماد کیا گیا ہے:

عبارات رائقات من مؤلفات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ پر

جو کہ شیخ راشد بن عبدالرحمٰن بن ردن البداح کے ترتیب دیے ہوئے افادات ابن تیمیہ پر مشتمل ایک مفید کتاب ہے)

فوائد ابن قیمؒ

📖 اپنے نفس کا تاوان دے کر، اِس کو آج چھڑا لو۔ اپنی جان بچانے کا سودا آج ہی کر لو۔ ابھی بازار کھلا ہے۔ قیمت پاس ہے۔ نرخ ارزاں ہیں۔ ابھی کچھ دیر میں بازار بند ہو جانے والا ہے۔ چیز سستی نہ مہنگی، ملے گی ہی نہیں۔ وہ 'سودا ہاتھ سے نکل جانے کا دن' ہے: 'جس دن ظالم (حسرت سے) اپنے ہاتھ چبائے گا'......!!!

📖 'غایت' ایک ایسی چیز ہے جس کا وجود ذہن کی ترتیب میں سب سے پہلے ہوتا ہے مگر واقعات کی ترتیب میں سب سے آخر۔ قلب ونظر کیلئے ابتدا یہی ہے، اگرچہ سفر کی منازل میں اِس کو اُس وقت آنا ہو جب مسافر 'وصل' کی دہلیز پہ پہنچے!

یہی وہ فرق ہے جو اِس راہ میں اُس شخص کے ساتھ پیش آتا ہے جو 'قلب' کو ساتھ لے کر چلتا ہے، بہ نسبت اُس شخص کے جو شاہراہِ دین پر محض 'ڈگ' بھرتا ہے!

'معمولات' نگاہ کی تازگی اور شگفتگی کو متاثر کر کے رکھ دیتے ہیں۔ پس اس 'غایت' پہ نظر جما کر رکھنا تم سے ہر روز نئے سرے سے ایک 'تجدید' چاہے گا۔ بہشت کے چوبارے اور خدا کا قرب جس کو روز نظر آئیں وہ مٹی کی ان رکاوٹوں کو کب کسی خاطر میں لاتا ہے!

صاحبو! رتبوں کا یہ فرق 'نگاہ' اور 'ہمت' کے دم سے ہے نہ کہ 'ہیئت' کے بل پر!

📖 اس دنیا سے جاؤ گے، تو یہ ایک عجیب واقعہ ہوگا۔ یا تو تم ایک قید خانے سے چھوٹو گے اور اپنے سامنے کھلی فضائیں پاؤ گے۔ یا پھر تم ابھی آزاد پھرتے ہو اور یہاں سے نکلتے ہی ایک قید خانے میں چلے جاؤ گے......!

ایک قید ضروری ہے خواہ یہاں کاٹ لو یا وہاں! یہاں عمل اور بندگی کی قید ہے اور چند دنوں کی ہے۔ وہاں بے بسی اور جہنم کی قید ہے، البتہ وہاں کے دن بہت لمبے ہیں! چاہو تو یہاں کاٹ جاؤ اور چاہو تو وہاں جہاں کٹے گی نہیں!

📖 ''توحید'' خدا کی وہ پناہ گاہ ہے کہ جس کو بھی پناہ لینی ہو یہیں جا کر پناہ لیتا ہے، خواہ اُس کا دوست اور خواہ اُس کا دشمن!

'دشمن' کے پناہ لینے کا ذکر قرآن میں ہوا۔ کہ مشرکوں پر دنیا میں جب کوئی برا وقت آتا ہے، اور جب ان کی کشتی ڈولنے لگتی ہے تو وہ خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں اور اُس کے سوا ہر کہیں سے امید ختم کر لیتے ہیں۔ ہاں جب وہ پار لگ جاتے ہیں تو پھر اُس کے ساتھ اوروں کو شریک کرنے لگتے ہیں۔

جہاں تک 'دوست' کا تعلق ہے تو اس کی تو پناہ گاہ ہے ہی یہی؛ دنیا کی سختیاں ہوں تو، اور آخرت کے مصائب ہوں تب۔

اِسی توحید کا سہارا لے کر یونس علیہ السلام نے اندھیروں کے اندر سے اپنے کارساز کو آواز دی تھی، جو ان سب اندھیروں کو چیرتی ہوئی اُس تک جا پہنچی اور اُس نے مدد کو پہنچنے میں کوئی دیر نہ لگائی!

اسی توحید کا سہارا لے کر اُس کے سب رسول اور رسولوں کے پیروکار اُس کو آواز دیتے رہے اور وہ ان کی مدد کو پہنچ جاتا رہا اور بدترین سے بدترین حالات میں سے ان کو نکال لاتا رہا!

اندازہ کرو، یہ راز فرعون کو بھی معلوم تھا! پھنسا تو اسی توحید کا واسطہ دے کر بچنے کی فریاد کرنے لگا: آمنت أنه لا إله إلا الذی آمنت به بنو إسرائیل ......!!! مگر یہاں اِس نے فرعون کو کام نہ دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جب آنکھوں ہی دیکھ لیا تو پھر اِس کو مان کر دینا خدا کے ہاں قبول نہیں، یہ خدا کا اٹل قانون ہے۔ ورنہ 'آگے' جا پہنچنے والے سبھی اِس سے کام لے لیا کرتے!

شدائد میں مالک کو پکارنے کیلئے توحید کا واسطہ دینے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ کرب میں اس سے بڑھ کر کوئی سہارا نہیں۔ حفاظت کیلئے اس سے بہتر کوئی قلعہ نہیں۔

📖 بے علم کی گوشہ نشینی کوئی مصیبت ہی لے کر آئے گی۔ رہ گئی عالم کی گوشہ نشینی، تو اسے کس چیز کی پروا؟ 'اُس کے جوتے اُس کے پاس، اُس کا راشن پانی اُس کے ساتھ'!(۱)

📖 'لطف' کا زیادہ یا کم ہونا جس چیز پر منحصر ہے وہ یہ کہ: 'محبت' کس قدر پائی گئی......؟

محبوب کیلئے جس قدر رغبت اور شوق پایا جائے گا وصل میں لذت ولطف اُسی کے بقدر ملے گا۔ پس 'وصل' جو چیز ہے اِس کا لطف اور حظ سب کے حق میں یکساں نہیں! البتہ اس فرق کے پیچھے جو راز پوشیدہ ہے وہ یہی کہ رغبت اور شوق کس پائے کا تھا، یعنی 'محبت' کس قدر تھی؟!

اب یہ 'شوق' اور 'محبت' جس چیز پر انحصار کرتی ہے وہ ہے معرفت اور علم۔ یعنی آدمی کا اپنے محبوب کو جاننا اور اپنے مطلوب سے واقف ہونا۔ جتنا آدمی اپنے محبوب سے واقف اور اپنے مطلوب سے آگاہ ہوگا، اتنے ہی اس کے اندر اس کی محبت اور

---

(۱) اشارہ ہے اس حدیث کی جانب جس میں نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ 'اگر مجھے کسی کی گمشدہ بکری ملے تو کیا کروں؟' فرمایا: وہ یا تو تیری ہے یا تیرے بھائی (اصل مالک) کی اور یا پھر بھیڑیے کی'۔ دریافت کیا: 'اور اگر گمشدہ اونٹ پاؤں؟' فرمایا: تجھے اُس سے کیا لگے۔ اُس کے جوتے اُس کے پاس، اُس کا راشن پانی اُس کے ساتھ!' (مراد ہے وہ آرام سے چل پھر سکتا ہے اور جہاں سے چاہے چگ چر سکتا ہے)۔ یہ حدیث زید بن خالد جہنی سے مروی ہے اور صحیح مسلم کے علاوہ متعدد کتب میں آئی ہے۔

امام ابن قیمؒ نے یہاں 'گوشہ نشینی' کے معاملہ میں بے علم اور عالم کا موازنہ مذکورہ بالا حدیث کے سیاق میں بکری اور اونٹ کی تمثیل سے کیا ہے۔

طلب کے دواعی پیدا ہوں گے۔ پس جوں جوں اس کا علم کامل تر ہوتا ہے توں توں اس کا شوق کامل تر ہوتا ہے! جوں جوں اس کی معرفت افزوں ہوتی ہے توں توں اس کی محبت جواں ہوتی ہے!...... اور یہیں سے درحقیقت 'وصل' کی لذت کیلئے ایک نہایت اعلیٰ بنیاد تیار ہونے لگتی ہے!

سوصاحبو! سب کا سب معاملہ 'علم' پر آ رہتا ہے!

اُس کو 'پانے' کا لطف تو کمال کا ہے، مگر کوئی اُس کو 'جانے' تو!

پس جس شخص کا ایمان اور علم اللہ، اور اس کے اسماء، اور اُس کے صفات، اور اُس کے دین اور بندگی کے حقائق کی بابت کامل تر ہوگا، اللہ کے لئے اُس کی محبت اتنی ہی کامل تر ہوگی۔ اور جتنی اُس کی محبت کامل تر ہوگی اتنی ہی اُس کی وہ لذت کامل تر ہوگی جو اللہ سے جا ملنے، اُس کی مجاورت میں جا بسنے، اُس کی تجلیِ دیدار پانے، اور اُس سے ہم کلام ہونے میں ایک مومن کو ملنے والی ہے۔ یہ وہ دن ہوگا کہ لوگ سرور میں سرتا سر ڈوبے ہوں گے، مگر پھر بھی اپنا اپنا حظ ہوگا اور اپنا اپنا سرور۔ سیرابیِ وصل میں کوئی کہیں پہنچا ہوگا تو کوئی کہیں! کسی کو قطرہ تو کسی کو سمندر!!! خوش نصیبی میں سبھی لوٹ پوٹ ہوں گے، مگر کچھ نصیب تو لذتِ دیدار میں کمال ہی کو پہنچ جائیں گے!

پس یہ سب کرشمے جس چیز کے دم سے ہوں گے وہ ہوا: خدا کو جاننا!!!

📖 والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا.......

یہاں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا معاملہ جہاد سے معلق کر دیا۔ پس ہدایت پانے میں کامل تر شخص وہی ہوگا جو خدا کی راہوں میں جہاد کے اندر کامل تر ہو۔ نفس کے خلاف جہاد، ہویٰ کے خلاف جہاد، شیطان اور اولیائے شیطان کے خلاف جہاد اور دنیا کے تقاضوں کے روبرو جہاد۔ جو ان چار دشمنوں کے روبرو برسر جہاد رہا اس کے آگے اللہ کی خوشنودی اور محبت کی راہیں کھلتی چلی جائیں گی۔ جو یہاں جہاد ترک کر بیٹھا؛ تو جس قدر کمی اس کے جہاد کے اندر رہی اتنی ہی کمی اس کے ہدایت پانے کے اندر رہ جائے گی!

📖 عمل، جس میں نہ قلب کا اخلاص ہو اور نہ سنت کی اقتداء...... اگلے جہان لے کر جانا ایسا ہی ہے: جیسے کوئی مسافر سفر پر روانہ ہو تو ریت کا ایک بے کار تھیلا بھر کر ساتھ اٹھا لے! تمام راستہ یہ اس کا بوجھ اٹھائے گا مگر فائدہ ذرہ بھر نہیں!

📖 جب تم اپنے دل کو دنیا کے ہم وغم اٹھوا دیتے ہو، مگر اس کو ذکر وشکر وفکر اور عبادت کی وہ غذا دینے میں کمی رکھتے ہو جو کہ اِس کی زندگی اور توانائی کا راز ہے، تو اس وقت تم اس مسافر کی طرح ہوتے ہو جو اپنی سواری پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ لاد دیتا ہے مگر اس کو چارہ دینے میں بخل کرتا ہے۔ ایسی سواری بھلا کب تک چلے گی؟!

📖 'دنیا' بن سنور کر آئی، مگر علی رضی اللہ عنہ نے اس کو تین طلاقیں اکٹھی دے ڈالیں۔ حالانکہ سنت کے مطابق، ایک بھی دے دیتے تو کافی تھی!

علی رضی اللہ عنہ نے اس طلاق کو 'رجعی' رہنے ہی نہ دیا کہ مبادا قاصدانِ نفس کسی دن موقعہ تکا کر 'رجوع' کے قصے لے کر بیٹھ جائیں! ہاں یہ وہ جانتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے جو دینِ صحیح اور جو طبعِ سلیم پائی ہے، اس میں 'حلالہ' خارج از سوال ہے۔ ہو بھی کیسے، 'لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ' والی حدیث کے ایک راوی علی رضی اللہ عنہ ہی تو ہیں!

📖 'خواہشات' بن سنور کر 'طبیعتوں' کی راہ میں بیٹھیں......

'ایمان بالغیب' والے، غضِ بصر کئے وہاں سے گزر گئے اور اپنا 'راستہ' چھوڑ دینے پر تیار نہ ہوئے۔ دیکھنے والے نے کہا: أولئک علیٰ ھدیً مّن رَّبّھِم وأولئک ھم المفلحون ''یہ ہیں اپنے رب کی جانب سے ایک ہدایت پر، اور یہ کامیابی کو پہنچ کر رہیں گے''!!!

کچھ جلد باز جنہیں بس 'یہی' نظر آتا تھا اور 'غیب' سے کچھ خبر رکھی تھی اور نہ سروکار، راستہ چھوڑ کر ان برگشتہ 'حسیناؤں' کے پیچھے بھاگ لئے: وہ آگے اور یہ پیچھے، 'مزے' کے تعاقب میں 'بربادیوں' کی مسافت تیزی سے طے ہونے لگی۔ دیکھنے والے نے کہا: کلوا وتمتعوا قلیلا إنکم مجرمون ''کھا لو اور ذرا سے مزے کر لو، تم مجرم ثابت ہو چکے ہو''۔

طائرِ طبع کی نظر 'دانے' پر ہے۔ چشمِ ہوش 'جال' کو دیکھتی ہے۔ برا ہو ہویٰ کا، اِس کو دِکھنا ہی بند ہو جاتا ہے۔ یہ جان بوجھ کر اندھی ہوتی ہے؛ رَیجھ جائے تو 'ہرا ہی ہرا' دیکھتی ہے۔ بگڑ جائے تو ہر 'خوب' اس کو 'بد' نظر آتا ہے! پھر مان کر نہیں دیتی کہ اِسے کورچشمی لاحق ہے۔ اور سب سے برا اِس کی نظر میں وہ جو اِسے اِس 'اندھے پن' کا نقصان بتائے! اِس کا سب سے بڑا دشمن وہ جو اِسے 'مرنے' سے روکے!

📖 بندے کو مالک الملک کے روبرو دو قیام درپیش ہیں۔ ایک، اس کا مالک کے روبرو نماز میں کھڑا ہونا۔ اور دوسر، ایومِ ملاقات اس کے روبرو پیش ہونا۔ جس نے پہلا قیام درست کر لیا، اس کا دوسرا قیام بھی نہایت بخیر وخوبی گزرے گا۔ جس نے اِس قیام میں لاپرواہی برتی اور اِس کا حق ادا کرنے میں کم دلی دکھائی، اُس پر اگلا قیام بہت ہی گراں اور دشوار ہو سکتا ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلاً طَوِيْلاً إِنَّ هَؤُلَاء يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءهُمْ يَوْماً ثَقِيلاً (الدھر: ٢٦-٢٧)

''اور رات کا ایک حصہ اُس کیلئے سجدہ ریز رہ، اور طویل رات اُس کی پاکی بیان کر۔ یہ جو لوگ ہیں اِن کی تو محبت عاجلہ سے ہے اور یہ تو ایک بڑے ہی بھاری دن کو پس پشت ڈالے جا رہے ہیں''

(استفادہ از الفوائد، مؤلفہ امام ابن القیمؒ)

فوائد از

جامع العلوم والْحِکَم

– کسی عارف کا قول ہے: تمہیں دیکھنے والے جتنے ہیں، ہر کسی کا کچھ نہ کچھ خیال تمہارے دل میں ضرور ہوگا کہ وہ تمہیں کس حالت میں دیکھتا ہے۔ خدا سے ڈرو کہ تمہیں دیکھنے والوں میں تمہارے نزدیک سب سے بے وقعت وہی ذات ٹھہرے جو تمہاری جان کی مالک ہے!

– اللہ سے اتنا ہی ڈر کر رہو جتنا تم اس کے قدرت واختیار میں ہو! اللہ سے اتنی ہی حیا کئے رہو جتنا قریب سے وہ تمہیں دیکھتا ہے!

– سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: متقین کو متقین یعنی 'بچ بچ کر رہنے والے' کا نام کیوں دیا گیا؟ اس لئے کہ جس چیز سے بچنا بظاہر ناممکن ہے یہ اس سے بچ جاتے ہیں!

– میمون بن مہرانؒ: آدمی کیلئے حلال صحیح سالم اس وقت نہیں رہ سکتا جب تک وہ اپنے اور حرام کے درمیان حلال ہی کی ایک اوٹ کھڑی نہ کر لے!

'ورع' کی یہ ایک نہایت خوب تعریف ہے!

– فضیل بن عیاضؒ: اس امت میں جو لوگ رتبہ ہائے بلند پا کر گئے، امت میں ان کو یہ رتبہ محض ان کی کثرتِ صلاۃ وصیام کے دم سے نہیں ملا۔ یہ تو قلوب کی وسعت کے دم سے تھا، اور بغض وحسد سے سلامت سینوں کی بدولت اور امت کی خیر خواہی کے نتیجے میں۔

– امام شافعیؒ فرماتے ہیں: تین چیزیں سب سے کم یاب ہیں: بے سروسامانی میں سخاوت کر گزرنا، تنہائی کے لمحات میں ورع اختیار کئے رہنا، اور کسی ایسے شخص کے روبرو کلمۂ حق کہنا جس سے آدمی کو کوئی امید ہو یا پھر خوف۔

– حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: مومن اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے گویا یہ اِس پہاڑ کی کھوہ میں کھڑا ہے اور پہاڑ اوپر سے اس پر گرا کہ گرا۔ جبکہ ایک بدکار شخص اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے گویا ناک پہ مکھی بھنبھنا رہی تھی اور اِس نے ہاتھ سے اس کو بس یوں سے یوں کر دیا!

– وابصہ اور ثعلبہ رضی اللہ عنہما کی حدیث 'اپنے دل سے فتویٰ لو' اور یہ کہ 'گناہ وہ ہے جو تمہارے دل کو کھٹکے چاہے تمہیں فتویٰ دینے والوں نے فتویٰ کیوں نہ دے دیا ہو'...... کی بابت ابن رجبؒ فرماتے ہیں:

یہ اسی آدمی کے حق میں درست ہوگا جس کو ایمان پر شرحِ صدر حاصل ہو گیا ہو، اور فتویٰ دینے والے اس کو واضح شرعی دلیل کی بجائے محض ظن وتخمین یا اتباعِ ہویٰ کی بنیاد پر فتویٰ دے رہے ہوں۔ ہاں اگر فتویٰ واضح شرعی دلیل پر مبنی ہو تو فتویٰ لینے والے پر واجب ہے کہ وہ اُسے ہی قبول کرے چاہے وہ دل کو لگے اور چاہے نہ لگے۔ اب مثلاً سفر میں نمازِ قصر یا افطارِ صیام یا مرض میں تیمّم وغیرہ ایسی شرعی رخصت اختیار کرنے پر کسی شخص کا دل نہیں ٹھکتا...... تو ایسے امور اس وجہ سے 'گناہ' کی صنف میں نہیں آ جائیں گے کہ ایسا کوئی کام کسی جاہل کے دل میں کھٹکتا ہے!

– عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے کچھ اصحاب سے کہا: تم نماز اور روزے اور جہاد میں اصحابِ محمد ﷺ سے بھی بڑھ کر ہوگے، مگر وہ تم سے برگزیدہ تر ہی رہیں گے۔ دریافت کیا گیا: کیسے؟ فرمایا: دنیا کو بے وقعت جاننے میں وہ تم سے بڑھ کر تھے اور آخرت کے اندر رغبت رکھنے میں وہ تم سے بہت آگے تھے!

– ابن رجبؒ لکھتے ہیں: ایک نہایت دقیق نکتہ ہے جس کو سمجھ رکھنا اشد ضروری

ہے: بہت سے ائمۂ دین ایسے ہو سکتے ہیں جن کا اختیار کردہ قول راجح نہیں بلکہ مرجوح ہو، گو وہ اس قول کے اختیار کرنے میں اجتہاد پر ہو جس میں کہ اجتہاد پر آدمی کو اجر ملتا ہے اور غلطی پر اس کی بخشش ہوتی ہے۔ البتہ یہ درجہ اس شخص کے حصہ میں نہیں آتا جو اس بزرگ کے قول کو ثابت کرنے پر زور لگا رہا ہو؛ کیونکہ بسا اوقات وہ اس قول کو ثابت کرنے کی کوشش اس وجہ سے کر رہا ہوتا ہے کہ یہ اس کے پیشوا نے اختیار کیا ہے، یوں کہ یہی قول اگر اس کے پیشوا کی بجائے ائمۂ دین میں سے کسی اور نے کہا ہوتا تو نہ تو وہ اسے قبول کرتا، نہ اس کو ثابت کرنے پر زور لگاتا، نہ اس کی موافقت کرنے والے کو 'اپنا ساتھی' سمجھتا اور نہ اس کی مخالفت کرنے والے کو 'اپنا مخالف'۔ اس کے باوجود وہ سمجھتا ہے کہ وہ حق کو ثابت کر رہا ہے! اور یہ کہ اس قول کے ثبوت دینے سے اس کو بھی وہ ثواب ملنے والا ہے جو اس قول کو اختیار کرنے کے باعث اس کے پیشوا کو ملے گا! حالانکہ اس کے پیشوا کے پیش نظر محض ایک قول کو اختیار کرنا تھا جو اُس کے خیال میں حق کے قریب تر ہوا، بے شک وہ حق کو پانے کی اُس کوشش (اجتہاد) میں غلطی کیوں نہ کر بیٹھا ہو...... مگر اِس پیروکار کا عین اسی قول کی تائید میں زور لگانا مشتبہ ہے کیونکہ 'حق' اِس کو جس چیز میں نظر آتا ہے وہ ہے اِس کے پیشوا کا مرتبہ و مقام، اور اِس کی یہ خواہش کہ اِس کے پیشوا کا ہی کلمہ بلند ہو، اور اِس کو یہ بات ناگوار ہونا کہ اِس کے پیشوا سے غلطی ہوگئی! یہ ایک نہایت پوشیدہ خطرہ ہے جو 'حق' کا ثبوت دینے کے عمل کے دوران بہت سے لوگوں کے اخلاصِ نیت کو لاحق ہو جاتا ہے۔ پس اس کو ہمیشہ سامنے رکھو، کیونکہ یہ بے حد اہم بات ہے، اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

- حسن بصریؒ فرماتے ہیں: مصافحہ محبت بڑھاتا ہے۔
- مجاہدؒ فرما رہے تھے: مجھے اہل علم کی یہ بات ملی ہے کہ خدا کی خاطر محبت کرنے والے دو شخص آپس میں ملتے ہوئے ایک دوسرے کیلئے مسکرائیں اور ہاتھ ملائیں تو ان کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑنے لگتے ہیں۔ عرض کی گئی: یہ تو بہت آسان ہوا!

فرمایا: تم کہتے ہو آسان ہے؟! اللہ فرماتا ہے: لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مَّا أَلَّفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَـكِنَّ اللّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ (الانفال: ٦٣) ''اگر تم پوری دنیا کی دولت خرچ کر لیتے تو ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے مگر اللہ نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی!

- حسن بصریؒ نے اپنے کچھ تلامذہ کو ایک شخص کی حاجت پوری کروانے کیلئے روانہ کیا اور ان کو کہا: ثابت بنانیؒ کے ہاں سے گزرتے جانا اور اس کو ساتھ لے جانا۔ حسن بصریؒ کے تلامذہ ثابتؒ کے پاس پہنچے تو ثابت نے جواب دیا: بھئی میں اعتکاف میں ہوں۔ یہ سن کر وہ لوگ حسن بصریؒ کے پاس لوٹ آئے اور صورتحال بتائی۔ حسن بصریؒ نے انہیں دوبارہ جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اس کم نظر کو کہو: کیا تم جانتے نہیں کہ تمہارا اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کے لئے چل کر جانا پے درپے حج کرنے سے افضل تر ہے؟ تلامذہ ثابتؒ کے پاس واپس گئے اور حسنؒ کی یہ بات پہنچائی تو ثابت اعتکاف چھوڑ کر اس مسلمان کے کام کیلئے ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔

- حسن بصریؒ فرماتے ہیں: علم دو قسم کا ہے: ایک علم جو زبان پر ہوتا ہے، یہ خدا کی حجت ہے جو ابن آدم پر پوری کروائی جاتی ہے۔ اور علم وہ جو دل میں اترا ہوا ہو۔ علمِ نافع درحقیقت یہی ہے!

- حدیث کہ اللہ 'ایک نیکی کا بدلہ دس گنا سے سات سو گنا اور اس سے بھی بڑھا دیتا ہے جبکہ بدی کا بدی کا ایک گنا ہی رہنے دیتا ہے'...... کے ضمن میں:

عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: برا ہو اس شخص کا جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں کو مات دے جائیں!

ابن رجبؒ کہتے ہیں: نیکیوں کا بدلہ دس گنا سے زیادہ بڑھنا آدمی کے اسلام اور ایمان کے حسن پر منحصر ہے، جیسا کہ ابو ہریرہؓ و دیگر کی احادیث میں صراحت کے ساتھ آتا ہے۔ اسی طرح اس کا انحصار آدمی کے ہاں پائے جانے والے کمالِ اخلاص پر منحصر

ہے، اور اس بات پر بھی کہ خود اس عمل کی فضیلت کتنی ہے، اور پھر اس چیز پر بھی کہ اُس عمل کی عین اس لمحے ضرورت کس قدر تھی۔

– ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں: کیا خوش بخت ہے وہ شخص جو اپنے نامۂ اعمال میں جگہ جگہ استغفار لکھا ہوا پائے گا!

– ابوالمنہالؒ فرماتے ہیں: آدمی کو قبر میں جتنے ہمدم میسر ہوں گے، استغفار سے بڑھ کر اس کو کوئی عزیز نہ ہوگا۔

– قتادہؒ فرماتے ہیں: اس قرآن نے تو نہ تمہاری بیماری بتائے بغیر چھوڑی اور نہ اس کی دوا۔ تمہاری بیماری گناہ ہیں اور اس کی دوا، استغفار۔

– امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ چھوٹے بچوں سے اپنے لئے استغفار کروایا کرتے تھے اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے: تم نے خدا کے حق میں کوئی قصور نہیں کیا!

– ابو ہریرہؓ مسجد میں پڑھنے کیلئے آئے ہوئے بچوں کے پاس جا کر کہا کرتے: کہو: اے اللہ! ابو ہریرہ کو بخش دے۔ بچے کہتے: 'اے اللہ! ابو ہریرہ کو بخش دے'، تو ابو ہریرہؓ اس پر آمین کہتے!

– ذوالنونؒ کا قول نقل کیا گیا ہے: دنیا بے لطف ہے اگر اِس میں مالک کا ذکر نہ ہو! آخرت بے لطف ہے اگر اُس میں مالک کی طرف سے بخشش نہ ہو! جنت بے لطف ہے اگر اُس میں مالک کا دیدار نہ ہو!

(جامع العلوم والحکم، مؤلفہ ابن رجبؒ)

متفرق

خدا آگاہی!

محمد بن قدامہ سے بشرؒ بن حارث (ایک عظیم عالم، عبادت گزار اور خدا کے عارف) کا واقعہ مروی ہے کہ:

بشرؒ کا ایک شرابی کے پاس سے گزر ہوا۔ شرابی کو پتہ چلا کہ یہ بشرؒ بن حارث ہیں۔ وہ ادب سے آگے بڑھا، آپ کا ہاتھ پکڑ کر چوما اور عقیدت سے کہنے لگا: سیدی! بشر نے اسے قریب کیا اور اس کیلئے محبت ظاہر کی۔ جب وہ چلا گیا تو بشرؒ کی آنکھوں سے آنسوؤں جاری ہو گئے۔ کہنے لگے: یہ شخص ایک انسان سے محبت کرتا ہے محض ایک ایسی خیر کے باعث جس کے بارے میں اسے وہم ہو گیا کہ یہ اس انسان کے اندر پائی جاتی ہے۔ محبت کرنے والا تو شاید خیر کی اسی محبت کے ناتے چھوٹ جائے مگر جس شخص میں یہ خیر فرض کر لی گئی اس کا حال خدا ہی جانے کہ اس کے دامن میں کیا ہے!

پھر بشرؒ راستے میں پھلوں کے پاس رک گئے۔ پھلوں کو وہ بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے عرض کی: ابونصر! کیا میوے کی کچھ طلب ہو رہی ہے! فرمانے لگے: نہیں۔ میں ان میٹھے رسیلے میووں کو دیکھ رہا ہوں جنہیں کچھ دیر بعد کوئی بھی خرید لے جائے گا۔ بعید نہیں وہ خدا کا کوئی نافرمان ہو۔ دیکھو خدا اپنے نافرمان کو بھی اتنے میٹھے پھل کھلا دے گا!!! میں سوچتا ہوں وہ پھل کیسے میٹھے ہوں گے جنہیں وہ صرف اپنے فرمانبرداروں کو کھلانے کا روادار ہو گا اور جن سے جنت میں وہ اپنے پیاروں کی ضیافتیں کیا کرے گا اور وہ مشروب آخر ہو گا کیسا جس سے جام بھر بھر کر خدا کے فرمانبردار پیا کریں گے!

اری او بھائیو! یہ غفلت کی نیند آ خر کب تک؟ یہ دِن اور رات کی ایک دوسرے کے ساتھ جو دوڑ لگی ہے اور مہینوں اور سالوں کا تانتا بندھا ہے یہ تمہیں کیا لوریاں دے کر سلاتا ہے؟ یہ نہیں تو پھر تمہیں بے مقصدیت سے جگانے کیلئے کیا چیز آئے؟ یہاں محلات میں جو بسا کرتے تھے، دیکھو تو سہی اب بھلا وہ کہاں جا بسے۔ ان گھروں میں جن کی چہک سنی جاتی تھی اب وہ کہاں جا چکے؟ بخدا، موت کا وہ دور جو اس بزم حیات میں مدام چلتا ہے، یہ اسی کی زد میں تو آئے ہیں! دیکھو موت ان کو کیسے چگ گئی جیسے کبوتر ایک ایک کر کے زمین پہ بکھرے دانے چگ لیتا ہے! یہ رکا ہی کب ہے؟! دیکھو یہ ابھی بھی چگے ہی تو جا رہا ہے! یہاں کوئی 'دانہ' پڑا تھوڑی رہے گا! ہر کسی کی باری اور ہر کسی کا نام درج ہے۔ قلمیں روشنائی سے سوکھ چکیں اور صحیفے لپیٹے جا چکے۔

بجائے اس کے کہ اس نفس کو کل روؤ اور پھر روتے ہی جاؤ، آج ہی کچھ اس پر رو لو!

(بحر الدموع۔ مؤلفہ ابن جوزی فصل چہارم، ص ۲۷)

......

ادب!

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (عمِ رسولؐ) سے پوچھا گیا:

آپؓ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ!

عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بڑے رسول اللہ ﷺ ہیں عمر البتہ میری زیادہ ہے!

(آداب الملوک للثعالبی)

......

جنت کی کنجی:

وہب بن منبہ سے دریافت کیا گیا:
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کیا جنت کی کنجی نہیں؟
فرمایا: ہاں، ہے۔ لیکن کیا کوئی ایسی بھی کنجی ہے جس کے دندانے نہ ہوں۔ تمہاری اس کنجی کے اندر وہ دندانے ہوئے تو 'دروازہ' کھل جائے گا۔ ورنہ ''دروازہ'' نہیں کھلنے کا۔

(کتاب الاخلاص۔ ابن رجب الحنبلی۔ ص ١٦)

......

سارا رزق معدوں اور پیراھنوں کیلئے نہیں!

صحیون بیان کرتے ہیں:
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے گھرانے کے کسی نوجوان نے آ کر عبداللہؓ سے اپنے لئے ایک تہہ بند کی فرمائش کر دی، کہا: میرا پہلا تہہ بند ایک جگہ سے پھٹ چکا ہے۔ عبداللہؓ فرمانے لگے: اس کا وہ حصہ کاٹ دو اور باقی کا ابھی پہن رکھو۔ نوجوان کو یہ بات کچھ اتنی پسند نہ آئی۔ عبداللہؓ اسے مخاطب کر کے کہنے لگے:
کم بخت: خدا سے ڈرو۔ ان لوگوں میں مت ہو جن کو سارے کا سارا رزق معدوں میں ٹھونسنے کیلئے ملتا ہے یا پھر بدن پہ پیراہن چڑھانے کیلئے!

(حیاۃ الصحابہ۔ للکاندھلوی ٢:٢٨٨)

......

گورنر، فاتحِ فارس کسریٰ کیا اپنے لئے مکان بنا لے!؟

کسریٰ کا تخت روند ڈالنے والے حاکمِ فارس، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں، علاوہ دیگر امور، اپنے لئے ایک مکان بنا لینے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ امیر المومنین کے جوابی مکتوب میں کہا جاتا ہے:

''ہاں بنا لو۔ کچھ ایسی چیز ہو جائے جو دھوپ سے تمہارے لئے اوٹ بنے اور سردی سے بچاؤ کی ایک مناسب صورت۔ دنیا وہ جہان ہے جو آخرت کے راستے میں گزارنا ہی پڑتا ہے''!

(حیاۃ الصحابہ۔۲:۲۸۶)

......

اعلیٰ ظرفی!

امام لیث بن سعدؒ کے پاس ایک عورت آئی اور تھوڑا سا شہد مانگا۔ امام نے گھر والوں کو شہد کا ایک بھرا ہوا مرتبان عورت کو دے دینے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ امام سے کہا گیا، تھوڑا شہد دے دیا جاتا تو بھی عورت خوش ہو جاتی۔ لیث بن سعدؒ نے کہا!

''عورت نے اپنی ضرورت کے بقدر ہم سے طلب کیا۔ مگر ہم اس کو اپنے ظرف کے مطابق ہی دے سکے''!

......

خوف!

صحیح بخاری میں کعبؓ بن مالک کا واقعہ پڑھیں تو وہ اپنے بیٹے عبداللہؓ کو اپنے دل کی وہ حالت سناتے ہیں جوان پر اس وقت گزر رہی تھی جب جہادِ تبوک میں پیچھے رہ جانے کے باعث رسول اللہ ﷺ کی ان سے خفگی چل رہی تھی۔ فرماتے ہیں:

''وہ تمام تر عرصہ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی چیز پریشان نہ کرتی تھی کہ میں اسی حال میں اگر مر جاؤں تو رسول اللہ ﷺ میرا جنازہ ہی نہ پڑھیں۔ یا خدانخواستہ رسول اللہ ﷺ اس دوران فوت ہو جائیں تو میں تو ساری زندگی یونہی رہ گیا کہ نہ کوئی میرے ساتھ کلام کرے اور نہ اہل ایمان میں سے میرے ساتھ کوئی سلام کا روادار ہو''۔

(صحیح بخاری باب وعلی الثلاثۃ الذین خلّفوا کتاب التفسیر)

......

حاسد کی مصیبت!

کسی دانا سے پوچھا گیا:
یہ حاسد لوگ ہمیشہ غمگین کیوں رہتے ہیں؟
دانا نے جواب دیا:
''اس لئے کہ ان کے جلنے کے لئے صرف ان کے اپنے مصائب کافی نہیں......انہیں دوسروں کی خوشیوں پر جلنے کی مجبوری بھی لاحق رہتی ہے!''

......

ورنہ دروازہ بند ہے!

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

خود کو اچھی طرح ٹٹول لو۔ تین مواقع پر اپنے ذہن کی کیفیت نوٹ کرلیا کرو۔

- نماز پڑھنے کے دوران،
- قرآن پڑھتے وقت
- اور اللہ کا ذکر کرتے وقت

ان تین مواقع پر اگر تم لطف وکیف محسوس کرو تو ٹھیک ورنہ جان لو کہ 'دروازہ' بند ہے!

......

وصیت!

برخوردار! نیکی کرنا کافی نہیں جب تک نیکی تمہاری پہچان نہ بن جائے۔ نیکی تمہاری پہچان ہوگی تو ایسا آدمی بھی تم سے نیک گمان اور نیک امید رکھے گا جس سے تم نے کبھی نیکی نہ کی ہو۔ اور یہ بات اس سے کہیں بہتر ہے کہ برائی تمہاری پہچان ہو اور ایسا آدمی بھی تم سے خائف رہے جس سے تم نے کبھی بدی نہ کی ہو۔ کیا تم نے کبھی دیکھا نہیں سانپ اور بچھو کو وہ شخص بھی مارنے کو دوڑتا ہے جسے کسی سانپ اور کسی بچھو نے کبھی نہ ڈسا ہو!

......

خوئے بندگی!

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب بھی مجھ پر کوئی مصیبت پڑی تو غور کرنے پر مجھے اس میں اللہ کی تین نعمتیں نظر آئیں:

''ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ وہ اس سے بڑی مصیبت بھیج سکتا تھا مگر اس نے مجھ پر نرمی فرمائی۔

دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دنیا کی آزمائش ڈالی اور مجھے دین میں آزمایا جانے سے بچا کر رکھا۔ حالانکہ وہ یہ بھی کر سکتا تھا۔

اور تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے عوض قیامت کے روز مجھے نوازے گا!''

......

دعا!

کسی اعرابی سے کہا گیا: تمہیں اپنے رب کو پکارنا آتا ہے؟

اس نے جواب دیا: ہاں! پھر گویا ہوا:

اے اللہ تو نے ہمیں بغیر مانگے اسلام نصیب کیا جب ہمیں یہ مانگنے کا شعور تک نہ تھا۔ مگر جنت تو مانگ رہے ہیں!! تو اے اللہ ہمیں جنت سے محروم نہ کرنا!!!

......

میرا دنیا سے کیا کام!!

عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے، کہا: اللہ کے رسول ﷺ کھجور کی چٹائی پر آرام فرما تھے۔ آپ کی جلد مبارک پر چٹائی کے نشان کھب گئے۔ میں آپ کی جلد سہلانے لگا اور عرض کی:

''آپ پر میری ماں اور باپ قربان! کیوں نہ آپ نے ہمیں کوئی آرام دہ بستر بچھانے دیا؟''

آپؐ نے فرمایا:

'' میرا دنیا سے کیا کام! دنیا کی سے میرا تعلق تو بس اتنا ہے جیسے کوئی راستے کا مسافر درخت کی چھاؤں میں ذرا ٹک کر آرام کرے، پھر اٹھے تو اسے چھوڑ کر چل دے۔''

اللھم صل وبارک علی محمد و علی آل محمد کما صلیت و بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید

مطبوعاتِ ایقاظ

روزِ غضب زوالِ اسرائیل پر انبیاء کی بشارتیں، توراتی صحیفوں کی اپنی شہادت	ڈاکٹر سفر الحوالی
روبہ زوال امریکن ایمپائر عالم اسلام پر حالیہ صلیبی یورش کے پسِ منظر میں	حامد کمال الدین
مسجدِ اقصیٰ، ڈیڑھ ارب مسلمانوں کا مسئلہ (کتاب و آڈیو)	حامد کمال الدین
مسلم ہستی کا احیاء	حامد کمال الدین
دعوت کا منہج کیا ہو؟	محمد قطب
ایمان کا سبق	حامد کمال الدین
شروط لا الہ الا اللہ	حامد کمال الدین
نواقضِ اسلام	حامد کمال الدین
توحید کے تین اساسی محور	حامد کمال الدین
موحد تحریک	حامد کمال الدین
آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟	حامد کمال الدین
اہل کتاب سے برائت	ڈاکٹر سفر الحوالی
صیام اور بندگی کے معانی (کتاب و آڈیو)	حامد کمال الدین
یہ گر دنہیں بیٹھے گی!	حامد کمال الدین
یہ وہی انگریزی نظام ہے، مگر اب یہ 'اسلامی' بھی ہے!	حامد کمال الدین

کتب خانوں، یا ہم سے بذریعہ وی پی، طلب فرمائیے، انٹرنٹ پر بھی دستیاب www.eeqaz.com, www.eeqaz.org

ایقاظ کے مضامین پھیلائیے، البتہ

فوٹو سٹیٹ کرانے کی ضرورت نہیں!

ہم اپنے اُن قارئین کے ممنون ہیں جنھوں نے ایقاظ کے بعض گزشتہ مضامین یہاں کے فکری حلقوں تک زیادہ سے زیادہ پہنچانے میں دلچسپی ظاہر فرمائی ہے۔

اِس بات کے پیش نظر کہ مضامین کو فوٹو سٹیٹ کر کے تقسیم کرنا مہنگا پڑتا ہے،
ادارہ ایقاظ اپنے اِن قارئین کیلئے یہ سہولت پیش کرتا ہے کہ:

تقسیمِ عام کیلئے آپ ایقاظ کے حالیہ یا گزشتہ کسی بھی شمارہ میں شائع شدہ کوئی بھی مضمون الگ سے طلب فرما سکتے ہیں۔

آپ کا کوئی بھی طلب کردہ مضمون ادارہ ایقاظ آپ کو 25 پیسے فی صفحہ کے حساب سے ارسال کرے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی مضمون 40 صفحے کا ہے تو وہ آپ کو 10 روپے میں پڑے گا۔ ڈاک خرچ بھی بذمہ ادارہ ہوگا۔ البتہ چونکہ یہ سہولت تقسیم عام کیلئے پیش کی جارہی ہے لہٰذا کسی بھی مضمون کی ایک صد کاپی طلب کرنا ضروری ہوگا۔

Ph: **0323-403-1624** matbooateeqaz@gmail.com

شجرِ سلف سے پیوستہ، فضائے عہد سے وابستہ

سہ ماہی ایقاظ

خصوصاً اِن موضوعات کے مطالعہ کیلئے:

☆ ایمان، عقیدہ، فکر، منہج، تربیت...... جو کہ بصیرت کی اساس ہیں

☆ ولاء اور براء...... جو کہ مسلم شخصیت کی پہچان ہیں......

☆ امتِ اسلام میں اخوت اور وحدت کے پنپنے اور انسانوں کے گرد کھڑی کردی گئی سب سرحدوں کو بے وقعت کردینے کی دعوت، سوائے اُن 'حدوں' کے جو معبود کے تعین اور طرزِ حیات کے چناؤ سے وجود میں آتی ہیں

☆ تحریک، سماجی تبدیلی، تہذیبی پیش رفت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دعوت، تعلیم،...... باطل، شرک، ابتداع، فسق اور انحراف کے جملہ مظاہر کی تردید ومخاصمت، جاہلیت سے دوبدوئی...... جو کہ جہاد کے کچھ اہم ابواب ہیں

☆ انسانی رشتوں کا پاس، محروم، نادار، پسے ہوئے طبقے کی خیر خواہی اور اعلیٰ قدروں کی ترویج...... جو کہ مکارمِ اخلاق کے کچھ اہم مندرجات ہیں

- ایقاظ ایک منبر ہے اُس مبارک مشن میں تحریری شمولیت کیلئے جس کا مقصد آج کے اسلامی تحریکوں سے وابستہ نوجوانوں کو عقیدہ کے ایک اصیل متوازن منہج سے آراستہ اور ایک ٹھوس فکری اہلیت سے لیس کردینا ہے اور اہلسنت گروہوں سے وابستہ تحریکی وجہادی وسماجی عمل کو فکری وثقافتی پہلوؤں سے مضبوط کردینا

- ایقاظ ایک کاوش ہے جذبہ کو بصیرت میں مدغم کردینے اور عمل کو علم سے برآمد کرنے کا منہج سامنے لانے کی

- ایقاظ ایک صدا ہے یہاں کے علمی ودعوتی حلقوں میں اس فقہِ اختلاف اور فقہِ ائتلاف کو زندہ وبحال کرنے کی جو کہ اہلسنت کا ایک امتیازی خاصہ اور ان کی قوت کا تاریخی راز ہے، اور جس کے عام ہوجانے سے حق کی قوتیں اپنے آپس کے وہمی معرکے ختم کرکے ایک نئے سرے سے متحد وصف آرا ہوں گی اور اتحاد و یکجہتی کے وقتی وسطحی وغیر طبعی مظاہر سے نجات پائیں گی۔

336 D سبزہ زار، لاہور 0323-4031624
www.eeqaz.com